نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی

صدارتی ایوارڈ یافتہ





مؤلف
پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری

شیخ الہند اکیڈمی کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک ضروری گزارش!

معزز قارئینِ کرام! اس کتاب کو عام قاری کے مطالعہ، اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی اور ثوابِ دارین کے خاطر پاکستان ورچوئل لائبریری پر شائع کر رہا ہوں۔ اگر آپ کو میری یہ کاوش پسند آئی ہے یا آپ کو اس کتاب کے مطالعے سے کوئی راہنمائی ملی ہے تو برائے مہربانی میرے اور میرے والدین کی بخشش کے لئے اللہ رب العزت سے دُعا ضرور کیجئے گا۔ شکریہ

طالبِ دُعا سعید خان

ایڈمن پاکستان ورچوئل لائبریری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکومتِ پاکستان
وزارت مذہبی امور
اسلام آباد

نمبری: ۲۔۱۲۔۱؍ادس تعلیم/۹۱ — تاریخ: ۲۲ ستمبر ۱۹۹۱ء

سندِ امتیاز

نہایت مسرت سے تصدیق کی جاتی ہے کہ جناب پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری کی تالیف کردہ کتاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی بزبان اردو کتب سیرت النبی کے مقابلہ برائے سال ۱۹۹۱ء میں اول انعام کی مستحق قرار پائی اور مؤلف موصوف کو حکومت پاکستان کی طرف سے مبلغ ۲۵۰۰۰/- ڈالر/روپے بطور انعام دیئے گئے۔

سیکرٹری
وزارتِ مذہبی امور، حکومتِ پاکستان
اسلام آباد

نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی

صدارتی ایوارڈ یافتہ

مؤلف

پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری

مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری
نسبت روڈ ○ لاہور

نام کتاب : نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشی زندگی

نام مؤلف : پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری

ناشر : ثناء اللہ ڈائریکٹر دیال سنگھ ٹرسٹ لا بریری لاہور

باہتمام : حافظ محمد سعد اللہ

انچارج شعبہ مطبوعات دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

طابع : ھتف آرٹ پریس 17 وحدت روڈ' لاہور

اشاعت سوم : جنوری 1999ء

تعداد : 2200

قیمت : 275

فہرست مضامین

فصل دوم

فصل سوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

پیش لفظ

انسان کی فطرت میں قدرت کی طرف سے جو تقاضے رکھے گئے ہیں ان میں ایک لازمی اور بنیادی تقاضا معاش یعنی کھانے پینے اور سکونت کا بھی ہے۔ اس کے بغیر عام حالات میں کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے رب کریم نے اس دنیا میں قیامت تک پیدا ہونے والے سارے انسانوں کی معاش کا وافر انتظام اور وسائل پیدا فرما دیئے ہیں۔ (سورۃ حم السجدہ، آیت نمبر ۱۰) البتہ ان وسائل کی تحصیل اور تقسیم انسانوں کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہے۔ اس وقت دنیا میں اگر کہیں معاشی ظلم اور ناانصافی نظر آتی ہے تو وہ وسائل معاش میں کمی کے باعث نہیں بلکہ ان وسائل کی غلط اور غیر منصفانہ تقسیم کی وجہ سے ہے۔

پھر اللہ کریم کو یہ بھی معلوم تھا کہ انسان اپنی طبعی حرص کی وجہ سے ان وسائل کی تقسیم میں لازماً زیادتی بھی کرے گا۔ اس لئے اس نے اس معاشی مسئلے کے تسلی بخش، قابل قبول اور قابل عزت حل کیلئے آسمانی ہدایت و وحی کے ساتھ ساتھ اپنے خاص نمائندے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی انسانوں کی رہنمائی کیلئے بھیجا۔ اس زریں سلسلہ کی آخری کڑی قرآن مجید اور ہادی سبل ختم الرسل مولائے کل رحمۃللعالمین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ آنجناب ﷺ نے قرآنی تعلیمات اور اپنے ذاتی اسوہ حسنہ سے انسان کے اس پیچیدہ مسئلے کا اس طرح کامیاب حل فرمایا جس کی نظیر دنیا کے کسی قانون اور نظام میں نہیں ملتی۔

اس وقت دنیا کے اکثر ممالک بشمول وطن عزیز پاکستان کا سب سے اہم اور گھمبیر مسئلہ غربت و افلاس اور اقتصادی بحران ہے۔ آئے دن قومی و بین الاقوامی سطح پر ماہرین اقتصادیات اس مسئلے کے حل کیلئے سر جوڑ کر بیٹھے ہیں مگر صورت حال کچھ یوں ہے کہ:

ع   مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

یہ بات محض عقیدت کی بنیاد پر نہیں بلکہ پورے وثوق، اعتماد اور علی وجہ البصیرت کہی جاسکتی ہے کہ انسان کے معاشی مسئلے کا اطمینان بخش حل صرف اور صرف مصطفوی نظام اور اسوہ رسول ﷺ کی پیروی میں ہی ممکن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ معاشی میدان میں اگر ہم صدق دل سے انفرادی و اجتماعی سطح پر اسوہ رسول ﷺ کو اپنالیں تو معاش جو آج ہمارا سب سے بڑا اور پریشان کن مسئلہ بنا ہوا ہے، کوئی مسئلہ ہی نہ رہے۔

زیر نظر کتاب "نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی" میں مؤلف جناب پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری جو اس وقت ماشاءاللہ ایم این اے بھی ہیں، نے سی معاشی اسوہ رسول ﷺ کو بڑی محنت، محبت، خلوص، خوبصورتی اور تفصیل سے تحقیقی انداز میں بیان کیا ہے۔ یہ کتاب بلامبالغہ اپنے موضوع پر ایک انوکھی کتاب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان کی طرف سے منعقدہ سالانہ قومی سیرت کانفرنس کے موقعہ پر اردو کتب سیرت کے انعامی مقابلہ میں اول انعام کا مستحق قرار دیتے ہوئے مؤلف کتاب کو صدارتی ایوارڈ سے نواز کیا۔

جناب ڈاکٹر صاحب موصوف نے کمال مہربانی سے اس کتاب کے سارے حقوق تالیف و طبع مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری کے سابق ڈائریکٹر حضرت مولانا سید محمد متین ھاشمی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ہی لائبریری کے سپرد کر دیے تھے۔ مگر بعض انتظامی و دفتری وجوہات کی بنا پر اس کی طباعت میں تاخیر ہوتی رہی۔ اب اس قابل قدر اور مفید کتاب کا تیسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جو پنجاب پبلک لائبریری فاؤنڈیشن حکومت پنجاب کے مالی تعاون سے طبع ہوا ہے۔

اپنی طرف سے مقدور بھر پروف کی اصلاح کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ کریم مؤلف، تمام معاونین اور ناشر کیلئے اس کو ذریعہ نجات بنائے۔

آمین بجاہ النبی الامین علیہ التحیۃ والتسلیم۔

حافظ محمد سعد اللہ

۲۹-۱۰-۱۹۹۸

نگران شعبہ مطبوعات

دیباچہ طبع سوم

الحمد لله رب العالمین، والصلوة والسلام علی خاتم النبیین، وامام المرسلین وعلی آله وصحبه والتابعین:

اللہ کریم کا کس قدر کرم واحسان ہے۔ جس نے محض اپنا احسان فرما کر ناکارہ مصنف کی کتاب "نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی" کے طبع سوم کے اسباب مہیا فرمادیے۔ ناکارہ مصنف اس عظیم وجلیل، علیم وکریم اور قادر مطلق آقا کا شکریہ کس طرح ادا کرے؟

یا رب لک الحمد کما ینبغی لجلال وجهک وعظیم سلطانک

حضرت مصطفیٰ کریم ﷺ کے اس امت پر جو بے پایاں احسانات ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ جو بھی آپ ﷺ کا غلام آپ کی سیرۃ طیبہ پر قلم اٹھائے گا، اللہ کریم اس پر ترس فرمائیں گے۔ ناکارہ مصنف کیلئے بس یہی بخشش کیلئے امید کی کرن اور جینے کا سہارا ہے۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن حضرت مولانا سید محمد متین ھاشمی، ڈائریکٹر شعبہ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور نے شائع کرایا۔ دوسرا ایڈیشن ناکارہ مصنف نے اپنے ایک پبلیشر ساتھی کے تعاون سے شائع کرایا، جو بہت جلد ختم ہوگیا۔ اب تیسرے ایڈیشن کی تیاری تھی کہ یہ پروگرام مولانا سید محمد متین ھاشمی صاحب ------- جن کے مجھ ناکارہ پر احسانات ہیں------- نے فرمایا کہ یہ کتاب میں شعبہ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری ہی کے حوالے کردوں۔ فرمان ٹالنا میرے لئے مشکل تھا۔ لہذا اب یہ کتاب وہی شائع کریں گے، کسی اور کو اجازت نہ ہوگی۔

علاوہ ازیں "نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی" سے متعلق دیگر جن اجزاء کو لکھنے کا ارادہ تھا۔ الحمد للہ، ان میں سے پہلا بعنوان "نبی کریم ﷺ کی معاشی تعلیمات" تیاری کے آخری مراحل میں ہے۔ انشاء اللہ وہ بھی مولانا ھاشمی دامت برکاتہم ہی شائع کرائیں گے۔ تیسرے ایڈیشن کیلئے کتاب کے مواد میں کئی طرح اضافہ وتبدیلی کی گئی ہے۔ مثلاً:

۱- کتاب کی غلطیوں کو درست کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے، البتہ یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ اب اس قسم کی غلطیاں بالکل نہ ہوں گی۔

۲- بعض جگہ آیات قرآنیہ کا ترجمہ جدید انداز میں تبدیل کردیا گیا ہے۔

۳- بعض مقامات پر متن کے مفہوم کو زیادہ آسان، زیادہ دلچسپ، زیادہ واضح اور زیادہ معیاری بنانے کیلئے الفاظ اور جملوں کو تبدیل کیا گیا ہے۔

۴- بعض مقامات پر حوالہ جات کو مختصر کیا گیا ہے اور بعض جگہوں پر ان کی تصحیح بھی کی گئی ہے۔

۵- کتاب کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں کتاب کے مصادر و مراجع--- جن سے اس کتاب کا مواد لیا گیا تھا--- کی فہرست شامل کتاب نہ ہو سکی تھی۔ بعض اہل علم حضرات نے کمال شفقت فرما کر یہ مشورہ دیا کہ ایسی کتاب کیلئے مراجع کی فہرست لف کتاب ہونا ضروری ہے تاکہ قارئین کرام میں سے جو چاہیں وہ ان مصادر کو بھی دیکھ سکیں۔ لہذا اس ایڈیشن میں اہم مصادر و مرجع کی ایک مختصر فہرست شامل کردی گئی ہے۔ البتہ کتاب کے مواد میں اس بار بھی کوئی اضافہ نہیں کیا جاسکا۔

ہمیشہ کی طرح آخر میں اللہ کریم کی ذات کریم سے دعا ہے کہ وہ میری اس حقیر سی کوشش کو قبول فرما کر مزید کی توفیق سے نوازے۔ آمین۔ اس محسن کریم کے کرم ہی سے خیر کے کاموں کا کرنا اور شر کی حرکات سے بچنا ممکن ہے۔

حسبی اللہ ونعم الوکیل، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العزیزالکریم. وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم.

۲۱/ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

اسلام کا ناکارہ خادم
(ڈاکٹر) نور محمد غفاری
اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

تمام تعریفیں اللہ کریم کی ذات کے لئے ہیں جو اپنے کمزور اور بے سہارا بندوں کا اکیلا ہی سہارا ہے۔ مانگنے والے اس کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہیں اور عاجزی کرنیوالے اسی کے سامنے عجز و نیاز کی گردن ڈال دیتے ہیں۔

؎ یَامَنْ اِلَیْہِ الْمُبْتَہَلْ   یَامَنْ عَلَیْہِ الْمُتَّکَلْ
یَامَنْ اِذَا مَا اٰمِلٌ   یَرْجُوْہُ لَمْ یُخْطِ الْاَمَلْ

اے وہ ذاتِ کریم! جس کے سامنے عاجزی کرنیوالے اپنے عجز کی گردن ڈال دیتے ہیں اور تیری ذاتِ کریم اس قابل ہے کہ اس پر توکل کر لیا جاتا ہے۔

اے وہ ذاتِ کریم! جو اسقدر کریم النفس ہے کہ جب کوئی اُمیدوار اس کی ذاتِ کریم سے اُمید باندھ لیتا ہے تو اس کی اُمید رائیگاں نہیں جاتی۔"

کروڑوں درود ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کریم پر، جو رہتی دُنیا تک تمام انسانوں اور جنوں کے اکیلے ہی نبی اور ہادی ہیں، اور جو قیامت کے روز گنہگار امتیوں کے سفارشی اور غمخوار ہوں گے۔

؎ مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ   وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عَرَبٍ وَّمِنْ عَجَمٖ

هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُهٗ ۔۔۔ لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحَمٖ
مَا رَنَّحَتْ عَذَبَاتِ الْبَانِ رِیْحُ صَبَا ۔۔۔ وَاَطْرَبَ الْعِیْسَ حَادِی الْعِیْسِ بِالنَّغَمٖ

"محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیّد الکونین اور جن و انس کے سردار ہیں، عرب و عجم کے لئے افتخار ہیں۔ آپ وہ حبیبِ کریم ہیں جن کی شفاعت کی اُمید ان پیچیدہ اور ہولناک خطرات و مصائب میں کی جاتی ہے جو (کمزور اور بے بس انسان پر) اچانک ٹوٹ پڑتے ہیں۔"

"اے اللہ کریم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر اپنی رحمت کی چادر ڈال" جب تک بادِ صبا (اپنے ہلکے ہلکے جھونکوں سے) بان (کے درخت) کی (نرم و نازک) شاخوں کو جھولا دیتی رہے اور جب تک (اونٹوں کا) حدی خواں (اپنے میٹھے میٹھے) نغموں سے اونٹنی کو وجد میں لاتا رہے (یعنی ہمیشہ ہمیشہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کریم کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں)

رحیم و کریم رب العالمین کا کس قدر کرم و احسان ہے کہ میرے جیسے ظلوم و جہول نے بھی آج اپنے محسنِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃِ طیّبہ پر کچھ لکھنے کی سعادت پائی ہے۔

ع شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

کہتے ہیں جب یوسف علیہ السلام کو قافلہ والے اس کنوئیں سے ــــ جس میں بھائیوں نے انہیں پھینکا تھا ــــ نکال کر مصر کے بازار میں دوسرے سامانِ تجارت کے ساتھ فروخت کرنے کے لئے لائے، تو اُن کے حُسن و جمال کی تعریف سُن کر پورا مصر ــــ جن میں عزیز مصر بھی تھا ــــ ان کی خریداری کے لئے اُمڈ آیا۔ خریداروں میں شہر مصر کی ایک بے نوا بڑھیا ــــ جو سُوت کاتا کرتی تھی ــــ سوت کی ایک انٹی لے کر یُوسف (علیہ السلام) کی خریدار بن کر آئی۔ بڑے بڑے سرمایہ داروں نے جب اُس بڑھیا کو دیکھا کہ وہ نہایت حقیر دولت کے عوض قیمتی ترین متاع کو خریدنے آئی ہے، تو انہوں نے طرح طرح کے طعنے دے کر اس غریب کی دل شکنی کی۔ ان کی دل آزاری کی باتیں سُن کر بڑھیا کا دل بھر آیا، رو کر کہنے لگی: "یہ تو مجھے بھی یقین ہے کہ اس حقیر پونجی کے ساتھ میں یوسف (علیہ السلام)

جیسے حسین کو نہیں خرید سکوں گی مگر اتنا ضرور ہو گا کہ قیامت کے دن جب عرشِ عظیم کے سلطان کریم کے سامنے یوسف (علیہ السلام) کے قدر دانوں اور خریداروں کی فہرست پیش ہو گی تو اس میں میرا نام بھی شامل ہو گا۔ میں تو اس سعادت کو پانے آئی ہوں۔ کیونکہ میں جانتی ہوں بکنے والا شخص کون ہے، یہ اللہ کریم کا نبی ہے۔"

مجھ ناکارہ مصنف نے "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی" پر قلم اٹھا کر بہت بڑی جسارت کی ہے۔ مجھے یقین کی حد تک ڈر ہے کہ میں نے حق ادا نہیں کیا اور نہ ہی میرے ایسے کم مایہ امتی کے لئے یہ ممکن تھا۔ بس ایک تمنا تھی کہ حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرۃ نگاروں کی فہرست میں مجھ ناکارہ کا نام بھی درج ہو جائے۔

؎ من کجا و نغمہ کجا سازِ سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقہ بے زمام را

جب کبھی اللہ کریم کے بے پایاں کرم کے اس انداز پر غور کرتا ہوں کہ مجھ جیسے نالائق گنہگار سے بھی ایسی خدمت کرا لیتا ہے جس کا میں کسی طرح بھی اہل نہیں، تو دل میں ایک امید کی کرن پھوٹتی ہے کہ وہ کریم محض اپنے فضل و کرم سے ترس کھا کر قیامت کے دن بھی بخشش فرما دے گا۔

ع بہ کریماں کارہا دشوار نیست

اللہ کریم کے کرم و احسان سے یہ حقیر کوشش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ کے پہلو پر لکھنے کے لئے کی گئی ہے جس پر آج تک کام نہیں ہوا اور اگر ہوا ہے تو صرف چھوٹے مضامین کی حد تک اور بس۔ اللہ کریم نے یہ سعادت مجھ ناکارہ کے حصہ میں لکھی تھی کہ میں اسے نقشِ اولین پیش کروں:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

یہ کتاب چھوٹے بڑے ۹ ابواب اور ۲ ضمیموں پر مشتمل ہے۔

باب ۱ "جاہلی عرب کا معاشی نظام" پر ہے۔ اس باب میں کوشش کی گئی ہے کہ

مدنی دور سے پہلے کا نظامِ معاشی، نظامِ زراعت، تجارت، صنعت و حرفت، معاشی پیشوں اور رواجوں وغیرہا کو زیرِ بحث لایا جائے۔ یہ بھی بتانے کی سعی کی گئی ہے کہ جاہلی عرب کے معاشی نظام میں کیا کیا خرابیاں تھیں جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمائی۔

باب۲ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت تا آغازِ نبوت اس میں زندگی کے معاشی حالات و واقعات کو شامل کیا گیا ہے۔ اس باب میں آپ کی ولادت باسعادت کے وقت والدین کی معاشی حالت، آپ کی رضاعت، کفالت، گلہ بانی، تجارتی مشاغل اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی دولت وغیرہ موضوعات پر لکھا گیا ہے۔

باب۳ "آپ کی بعثتِ مبارک تا ہجرتِ مدینہ منورہ کے معاشی حالات" پر ہے۔ اس باب میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ سردارانِ قریش اور رؤساء طائف کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار کی معاشی وجوہ کیا تھیں؟ مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاشی ذریعہ کیا تھا؟ علاوہ ازیں معراج اور سفرِ ہجرت کے معاشی مضامین بھی بتائے گئے ہیں۔

باب۴ میں "ہجرت کے وقت مدینہ منورہ کی معاشی حالت" بیان کی گئی ہے۔

باب۵ میں "قیامِ مدینہ منورہ کے ابتدائی حالات" بتائے گئے ہیں۔ اس باب میں ابتدائی ایام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی، اپنے مکانات میں منتقلی کے بعد آپ کا ذریعۂ معاش، مواخاۃ بین المہاجرین والانصار کے معاشی فوائد، اصحاب صُفّہ کی کفالت و تربیت کے معاشی مضمرات، میثاقِ مدینہ منورہ کے معاشی پہلو وغیرہا پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔

باب۶ میں "غزوات و سرایا کے معاشی پہلوؤں" کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے اس باب میں غزوات و سرایا کے معاشی ثمرات مثلاً غارت گری کا خاتمہ، دشمن کی معاشی قوت کو کمزور کرنا، مالِ غنیمت کا حصول غنائم کی تفصیل وغیرہا پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب۷ میں "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مالیاتی نظام" پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اس

باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذرائع آمدن، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالیاتی پالیسی، بیت المال کے اخراجات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکومتی اخراجات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی اخراجات کے بیانات شامل ہیں۔

باب ۸ میں "وقتِ رحلت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی حالات"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات اور ان سے متعلق چند معاشی تعلیمات بیان کی گئی ہیں۔

باب ۹ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاشی اسوۂ حسنہ" میں ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن نورانی اخلاق و اطوار کا احاطہ کرنے کی ایک حقیر کوشش کی ہے جن کا تعلق معاشیات سے ہے۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زھد و قناعت، سخاوت و فیاضی، فقراء سے محبت، مہمان نوازی، حلال و حرام کی تمیز اور ادائیگی قرض کا احساس وغیرہ۔

دو ۲ ضمیمے بھی شامل ہیں۔ ضمیمۂ اوّل میں "زکوٰۃ کے چند اہم مسائل"، کو شامل کیا ہے جبکہ ضمیمہ دوم میں "شرکاءِ بدر رضی اللہ عنھم کے مُبارک اسماءِ گرامی ذکر کئے گئے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیّبہ پر دنیا کی تمام زبانوں میں بے شمار کتب لکھی جاچکی ہیں جن کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کرتی ہے۔ البتہ میں نے اس کتاب کی تیاری کے لئے عربی اور اردو کتب پر زیادہ انحصار کیا ہے۔ عربی کتب میں سے طبقات ابن سعد، سیرۃ ابن ہشام، امام سہیلیؒ کی روضۃ الانف، تاریخ طبری، جلال الدین سیوطیؒ کی الخصائص الکبریٰ، زرقانی کی مواھب لدنیہ، علامہ ابن حجرؒ عسقلانی کی اصابہ فی معرفۃ الصحابہؓ اور ابن کثیرؒ کی البدایۃ والنّھایۃ سے استفادہ کیا ہے۔ اردو کتب میں سے قاضی سلیمانؒ منصور پوری کی رحمۃ للعالمین، شبلی نعمانیؒ و سید سلیمان ندویؒ کی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کی نبی رحمت بطورِ خاص زیر مطالعہ رہی ہیں۔

جیسے عرض کیا جا چکا ہے احقر مصنّف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ کے

معاشی پہلو پر قلم اٹھایا ہے جس پر پہلے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی اور میری یہ کوشش غالباً پہلی اور نئی ہے۔ لہٰذا اس میں مجھ سے بہت سی کوتاہیاں ہوئی ہوں گی۔ کئی موضوعات تشنہ رہ گئے ہوں گے۔ ممکن ہے بعض مقامات پر میری تعبیر سے آپ کو اتفاق نہ ہو۔ مگر ایک بات ضرور یاد رکھیئے کہ یہ کام اخلاصِ نیّت سے کیا گیا ہے۔ لہٰذا آپ بھی اسی جذبہ کے ساتھ میری غلطیوں اور خامیوں کی نشاندھی کریں گے تاکہ نقشِ ثانی نقشِ اوّل سے بہتر لاسکوں۔

مجھے اپنے محسن و مُربّی حضرت مولانا طفیل احمد جالندھری دامت برکاتہم کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہیئے جن کے مخلصانہ تعاون سے یہ کتاب کتابت اور طباعت کے صبر آزما مراحل سے گذر کر آپ کے ہاتھوں میں آئی ہے۔ اگر اللہ کریم نے مجھے ان کا کریمانہ تعاون نصیب نہ کیا ہوتا تو شاید میری کوئی حقیر تحریر کتابی جامہ نہ اختیار کر سکتی۔ وہ نہ صرف کتابت، پروف اور طباعت کے مراحل کی نگرانی فرماتے ہیں بلکہ میری بے شمار اغلاط کی تصحیح بھی فرماتے ہیں۔ اللہ کریم اُن کا مربیانہ سایہ مجھ ناکارہ پر باقی رکھے۔ آمین

ناکارہ مصنف مولانا سیّد محمد متین ہاشمی صاحب ڈائریکٹر مرکز تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری کا تہہ دل سے شکر گذار ہے جن کی توجہ اور حوصلہ افزائی نے اس کوشش کو مجرد افکار کی دنیا سے نکال کر کتابی جامہ کی شکل دلائی۔ اللہ کریم انہیں صحت کی نعمت کے ساتھ ساتھ خدمت دین کی توفیق سے نوازے آمین۔

اے کریم! اے مالک الملک یا ربّ العالمین! تو قادر بھی ہے کریم بھی ہے مغفرت کرنیوالا ہے۔ قدردان بھی ہے۔ میں نہایت کمزور بے بس اور بے سہارا بندہ ہوں، تُو نے قیامت تک اپنے دین اور اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں کو باقی رکھنا ہے۔ تو تے اس کام کے لئے اپنے ہی بندوں میں سے بعض کو منتخب فرمانا ہے تیرے فضل و کرم سے کیا مشکل ہے اگر مجھ ناکارہ کو بھی اس خدمت کے لئے قبول کر لیا جائے اگرچہ میں نے تیری ذات سے بہت بڑا سوال کیا ہے مگر عرشِ عظیم کے شہنشاہ! تیرے کرم

واحسان کے لئے یہ بالکل آسان ہے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ!

ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اسلام کا ناکارہ خادم

نور محمد غفاری عفا اللہ عنہ

ـــــــ اسلام آباد

باب ۱

جاہلی عرب کا معاشی نظام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ کے معاشی پہلوؤں کا جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کے عرب کے معاشی نظام کا مطالعہ کیا جائے۔ اس مطالعہ کا ہمیں فائدہ یہ ہوگا کہ ہم جان سکیں گے کہ زمانہ جاہلیت کے اُس معاشی نظام میں کیا کیا خرابیاں تھیں جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح کرنے کی سعی فرمائی۔

عرب کے قدیم معاشی نظام کو ہم آج کے معاشی نظریات کی رُو سے "نظام" کا نام دے سکتے ہیں یا نہیں یہ الگ بحث ہے۔ البتہ یہ بات کہنے میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ بلاشبہ وہ بھی اس دور کے انسانوں کا بنایا ہوا ایک نظام تھا جیسے آج کے انسانوں نے معاشی نظام وضع کر رکھے ہیں۔ انسان نے جو نظام بھی ہدایتِ الٰہیہ کے بغیر محض اپنی رائے اور تجربہ کے بل بوتے پر وضع کیا ہے وہ اپنے اندر خامیاں اور نقصانات ضرور رکھتا ہے۔ کیونکہ انسانی عقل کامل نہیں۔ اسی طرح اس دور کا معاشی نظام بھی بہت سی خرابیاں لئے ہوئے تھا جن کا حال آئندہ صفحات میں آئے گا۔

جاہلی عرب کے معاشی نظام کا مطالعہ ہم مندرجہ ذیل پہلوؤں سے کرتے ہیں:

۱: تجارت

۲: زراعت

۳: صنعت و حرفت

۴: معاشی پیشے

۵: غارت گری

۶: متفرقات

فصل ۱

تجارت

عرب قوم کا دنیا کی دیگر اقوام عالم میں تعارف بحیثیت تجارت پیشہ قوم کے تھا۔ گو جزیرۂ عرب میں دیگر پیشوں مثلاً کاشتکاری، صنعت و حرفت وغیرہ کا بھی دستور تھا مگر جزیرہ عرب کی ریتلی اور چٹیل زمین نے عربوں کو تجارت کے پیشہ کی طرف پھیر دیا۔ جزیرہ عرب کے بعض علاقے مثلاً مدینہ منورہ (پرانا یثرب) اور طائف اپنی زرخیزی اور کاشتکاری کے لئے مشہور تھے۔ لیکن مکہ مکرمہ جو بیت اللہ کی وجہ سے مقدس شہر خیال کیا جاتا تھا، مرجع خلائق تھا اور قریب و دور کے شہروں اور علاقوں سے عرب اس کی زیارت اور طواف کیلئے آتے تھے یہ مقدس شہر روز اول ہی سے دنیا کا مامون ترین اور محفوظ ترین مقام تصور کیا جاتا تھا۔ دنیا کے مختلف خطوں سے حجاج اور تجار اپنا تجارتی سامان یہاں لاکر فروخت کرتے اور یہاں سے تجارتی سامان خرید کر دنیا کے مختلف حصوں میں لے جاتے۔ اس طرح اُس بابرکت شہر کو زمانہ قدیم ہی سے ایک تجارتی مرکز بلکہ ایک بین الاقوامی تجارتی منڈی کا درجہ حاصل تھا۔ علاوہ ازیں طائف میں تجارت پیشہ یہودیوں کی جماعت رہتی تھی۔ یہ لوگ یمن اور یثرب (آج کا مدینہ منورہ) سے نکالے گئے تھے۔[۱]

قریش مکہ کے تجارتی اسفار: قریشِ مکہ سال میں دو تجارتی سفر کیا کرتے تھے یعنی موسم

---

[۱] بلاذری، ابوالحسن فتوح البلدان، الازہر پریس، ۱۹۳۲ء ص ۵۶

سرما میں یمن کا تجارتی سفر کرتے اور موسم گرما میں شام کا تجارتی سفر کرتے۔ قرآن مجید نے سورہ قریش میں انہی دو سفروں کا ذکر کیا ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ بیت اللہ کے جیران رہنما ئے ہونے کی وجہ سے وہ دیگر تمام تجارتی قوموں کی نسبت مامون و محترم بھی سمجھے جاتے تھے لہٰذا ان کے تجارتی اسفار بھی پُرامن اور محفوظ ہوتے تھے۔ قرآن مجید نے انہی پُرامن تجارتی اسفار کا ذکر اللہ کریم کے احسان کے طور پر کیا ہے۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۙ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۚ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ؑ (قریش: ۱۔۴)

ترجمہ: چونکہ قریش خوگر ہوئے ہیں، یعنی سردی اور گرمی کے سفر کے عادی ہو گئے ہیں۔ تو اس (اس نعمت کے شکریہ میں) ان کو چاہیے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں۔ جس نے انہیں بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے انہیں امن دیا۔

مؤرخین کے مطابق ان دو رُو تجارتی سفروں کا آغاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہاشم نے کیا۔ ایک دفعہ قریش پر قحط و افلاس طاری ہوا تو وہ فلسطین گئے اور وہاں سے اپنی قوم کے لئے بہت سا آٹا لائے جس کی روٹیاں پکوائیں اور بہت سے جانور ذبح کرا کر ان کے گوشت اور شوربہ میں ان روٹیوں کا چورہ ڈلوا کر ثرید بنوایا۔ بھوکوں کو کھلاتے رہتے اور ان کی بھوک کا علاج کرتے رہتے۔ کہتے ہیں ان کا نام ہاشم (روٹی چورنے والا) اسی فیاضی اور مہمان نوازی کی وجہ سے مشہور ہو گیا۔[۲]

ہاشم ہر سال شام اور فلسطین کی طرف بغرض تجارت تشریف لے جاتے اور واپس مکہ مکرمہ تشریف لے آتے۔ یوں اسطرح مستقل تجارتی سفروں کی بنیاد پڑ گئی۔ انہی تجارتی اسفار کی وجہ سے ہاشم اور خاندانِ قریش کو معاشی خوشحالی نصیب ہو گئی جس سے اُن کی اس دینی سیادت کو تقویت

---

[۲] ابو جعفر محمد بن جریر طبری تاریخ ص ۱۰۸۹

ملی جو انہیں خانہ کعبہ کے متوّلی ہونے کی وجہ سے حاصل تھی۔ اس تجارتی خوشحالی سے ہر قریشی تاجر اپنے خاندان کے مساکین اور غرباء کی مدد کرنا بھی ضروری خیال کرتا تھا۔ [۳]

قریش تاجر قوم

قریش ایک تاجر پیشہ قوم تھی۔ جیساکہ اسم قریش کے لُغوی معنی (تجارت اور کسب کرنے والا) بھی ظاہر کرتے ہیں کہ یہ قوم اپنی تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے اسم باسمّٰی بن چکی تھی۔ اس قوم کی عورتیں بھی تجارت میں پیش پیش تھیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا مکہ کی مشہور تاجر تھیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا مالِ تجارت ملک شام میں بُصریٰ کی منڈی میں فروخت کر کے آئے اور جس دیانتداری اور خوش اسلوبی سے کاروبار کیا وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو اس قدر بھایا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رفیقِ حیات بنانے کی سعادتِ عظمیٰ حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہو گئیں۔ ابُوجہل کی ماں عطار تھی۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہندہ شام کے قبیلہ کلب میں اپنا تجارتی سامان فروخت کیا کرتی تھیں۔ ان کا یہ تجارتی کاروبار خلفاءِ راشدینؓ کے زمانہ مُبارک تک باقی رہا۔ انہوں نے ایک بار حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ سے بیت المال سے ۴۰۰۰ قرض لیا اور اس سے مالِ تجارت خرید کر بلادِ کلب گئیں تاکہ تجارت کر کے نفع کمائیں [۴]

قریش کا وہ کاروانِ تجارت جس پر مسلمانوں کا حملہ کرنا غزوہ بدر کا موجب بنا۔ اس میں تقریباً مکّہ شہر کی ہر عورت اور مرد کا بچت شدہ سرمایہ لگا ہوا تھا۔ ابوسفیانؓ کہا کرتے تھے:

”مکہ کا کوئی قریشی مرد اور عورت ایسا نہ تھا جس کے پاس نصف اوقیہ یا زیادہ مال رہا ہو اور اس نے ہمارے ساتھ نہ روانہ کر دیا ہو [۵]

---

[۳] طبریؒ، تفسیر (جامع البیان) سورۃ قریش۔

[۴] طبریؒ؛ تاریخ، ۲۳ ہجری

[۵] محمد ابن سعد؛ الطبقات الکبریٰ، ج ۲، بیروت ص

قریش عورتوں کی تجارت میں دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ جب بدرقہ Convoy کی واپسی ہوتی تو وہ ابوسفیان (جو عموماً تجارتی قافلوں کے میر کارواں ہوتے تھے) کے اردگرد اکٹھا ہو جاتیں تاکہ نفع کی خوشخبری سن لیں۔[6] حتیٰ کہ مسامرہ (رات ہونے سے پہلے گپ شپ میں بھی) تجارتی قافلوں کا ذکر ہوتا تھا۔ الغرض یہ حال نہ صرف قوم قریش بلکہ تمام عربوں کا تھا۔ مشہور یونانی مؤرخ اسٹرابو کے بقول ہر ایک عرب تجارت میں مشغول تھا۔ وہ یا تو خود تاجر تھا یا دلال تھا۔[7] ان کے ہاں یہ عام رواج تھا کہ جو تاجر نہ ہوتا اس کی معاشرہ میں کوئی عزت نہ ہوتی تھی۔ ان کے تجارتی قواعد و ضوابط نے ایک مکتب اور مسلک کی صورت اختیار کر لی جس نے تجارتی اوزان اور حسابات کے نظام کو پروان چڑھایا۔[8]

قریش میں سے جن اصحاب نے تجارت کے ذریعے زیادہ شہرت اور دولت پائی ان میں ابوسفیانؓ، ولید بن مغیرہ اور عبداللہ بن جدعان کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی تجارتی ثروت و سطوت کا یہ عالم تھا کہ حرب الفجار[9] میں انہوں نے ۱۰۰ آدمیوں کو اسلحہ سے لیس کر دیا۔ اس زمانہ میں یہ اسلحہ آج کی ایک بہت بڑی فوج کے اسلحہ کے برابر قیمت رکھتا تھا۔[10]

---

۶ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ عنوان مکہ۔

۷ لامنس: اسلام بلیف اینڈ انسٹی ٹیوشن، باب اول۔ ص ۱۵

۸ حسن ابراہیم حسن: تاریخ اسلام، ج ۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۶۳

۹ حرب الفجار: یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلوں میں ہوئی۔ قریش کے تمام خاندانوں نے اس معرکہ میں اپنی اپنی الگ فوجیں قائم کی تھیں۔ آل ہاشم کے علمبردار زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ اسی صف میں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے۔ بڑے زور کا معرکہ ہوا۔ اوّل قیس اور پھر قریش غالب آئے۔ آخر صلح پر خاتمہ ہوا۔ چونکہ قریش اس جنگ میں برسر حق تھے اور خاندان کے ننگ و نام کا معاملہ تھا اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی۔ (شبلی نعمانیؒ: سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۱۔ ناشران قرآن لاہور، ص ۱۸۳)

۱۰ حسن ابراہیم حسن: تاریخ اسلام، ج ۲، ص ۶۳۔

قریش کے تجارتی قافلے

قریش کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے پوری دنیا میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے لہٰذا انکے تجارتی قافلے آس پاس کے ملکوں میں امن و احترام سے سفر کرتے تھے۔ یہ قافلے جزیرۃ العرب کے ایک سرے یمن سے دوسرے سرے غزہ، بیت المقدس اور دمشق تک جاتے تھے بحر احمر پار کر کے حبشہ جاتے۔ جدہ کی بندرگاہ ان دنوں میں بھی حبشہ اور مکہ کے درمیان تجارتی واسطہ کا کام کرتی تھی۔ جدہ ہی سے بحرین کے شہر قطیف تک تجارتی سامان آتا جاتا تھا[۱]

قریش کے شام اور یمن دو ملکوں کو سال میں دو مرتبہ جانیوالے قافلوں کو تو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ان کے علاوہ ان کے تجارتی قوافل براعظم افریقہ کے ممالک مصر اور سوڈان، براعظم ایشیا کے ممالک ہندوستان، ایران، روم وغیرہ تک جاتے تھے۔ یہ تجارتی کاروان نہایت منظم ہوا کرتے تھے اور ان کا پیمانہ نہایت وسیع ہوتا تھا۔ عموماً ہر تجارتی کاروان کیساتھ اس کی وسعت کے مطابق محافظ دستہ کی تعداد ایک سو تا تین سو تک ہوتی تھی۔ تاجر اور دلیل Guide ان کے علاوہ ہوتے تھے۔ قریش کا وہ قافلہ جو غزوہ بدر کا سبب بنا اس میں امیہ بن خلف اور قریش کے سو آدمی تھے اور دو ہزار پانچسو (۲۵۰۰) اونٹ تھے[۲]

اہل مکہ کی درآمدات و برآمدات

مکہ کے تاجر چمڑا کھالیں اور طائف کا منقّیٰ برآمد کیا کرتے تھے[۳]

وہ جنوبی یمن، ہند اور افریقہ سے خوشبوئیں اور گرم مصالحہ جات اور جڑی بوٹیاں درآمد

---

[۱] ایضاً۔ ص ۶۱

[۲] طبری؛ تاریخ ۲ ہجری کے واقعات ص ۱۳۷۱۔ [۳] ایضاً۔ ص ۴، ۱۲۷

کیا کرتے تھے۔ یہ اشیاء گو وزن میں کم مگر قیمت میں زیادہ ہوتی تھیں۔ یمن کے عطور اور بخور (خوشبوئیں) بالخصوص قبولیتِ عام کا درجہ رکھتے تھے۔ تمام اہلِ ادیان یمن کے عطور اپنے ذاتی استعمال کے علاوہ اپنے معبدوں اور عبادت گاہوں میں اور مشرکین مکہ خانہ کعبہ کی دیواروں پر ملنے کے لئے لاتے تھے۔ چین سے ریشم، عدن سے قیمتی کپڑے، افریقہ سے غلام، کرایہ کے سپاہی اور مزدور، شام اور مصر سے سامانِ تعیش، روم کی صنعتی پیداوار اور خصوصاً ریشم، روئی اور مخمل کے نفیس کپڑے، شام سے ہتھیار اناج اور تیل، افریقہ سے ہاتھی دانت کی مصنوعات، سونے کی مٹی وغیرہ درآمد کیا کرتے تھے[۱۴]

• قریش کے تجارتی معاھدے

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں قریش بیت اللہ کے ہمسائے اور خانہ کعبہ کے متولی ہونے کے سبب تمام ہمسایہ اقوامِ عالم میں نہایت معزز و مکرم خیال کئے جاتے تھے۔ ان کے تجارتی قافلے ہمسایہ ممالک میں بلا خوف و خطر سفر کیا کرتے تھے۔ پھر بھی قریش کے داناؤں نے تمام ہمسایہ اقوام سے تجارتی معاھدے کر رکھے تھے جنہیں "معاھدات ایلاف" (معاھدات امن و سلامتی) کہا جاتا تھا۔ اور قریش کو "اصحاب ایلاف" (معاھدۂ امن و سلامتی برائے تجارت کرنیوالے) کہا جاتا تھا[۱۵]

ہاشم بن عبد مناف بن قصی وہ پہلے سردار قریش تھے جنہوں نے ہمسایہ قوموں سے تجارتی معاھدے کئے۔ اس سلسلہ میں مؤرخ لیعقوبی کے مندرجہ ذیل الفاظ قابلِ توجہ ہیں۔

"ہاشم نے شام کا سفر کیا اور قیصر کے ہاں مہمان ٹھہرے۔ قیصر نے ان سے گفتگو کی۔ جو اسے بہت پسند آئی۔ لہٰذا قیصر انہیں اپنے ہاں ملاقات کے لئے بلانے لگا۔ ہاشم نے اُس سے کہا۔" اے بادشاہ! میری قوم کے لوگ تجارت پیشہ ہیں۔ آپ انہیں ایک

---

[۱۴] ڈاکٹر یوسف الدین؛ اسلام کے معاشی نظریے، حصہ اول، حیدر آباد دکن، ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء ص ۴۸ / ۴۹

[۱۵] محمد بن حبیبؒ؛ کتاب المحبّر، حیدر آباد دکن، سنِ طباعت درج نہیں ص ۱۹۳

فرمانِ شاہی عنایت کر دیں جو انہیں تجارتی امن عطا کر دے تاکہ وہ حجاز کا چمڑا اور کپڑا برآمد کرسکیں۔ بادشاہ نے یہ درخواست قبول کر لی۔ ہاشم وہاں سے روانہ ہوئے اور جس جس قوم یا قبیلہ کے پاس سے گذرتے گئے ان کے سرداروں سے معاہدۂ ایلاف حاصل کیا۔[۱۶] ہاشم کی وفات کے بعد ان تینوں بھائیوں عبد شمس، مطلب اور نوفل نے نہ صرف قیصر سے معاہدہ امن کی تجدید کرائی بلکہ دیگر ہمسایہ بادشاہوں سے بھی معاہداتِ امن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مثلاً یعقوبیؒ کے مطابق عبد شمس نے حبشہ کے نجاشی سے مطلب نے یمنی سرداروں سے اور نوفل نے ایران کے کسریٰ سے معاہدات ایلاف حاصل کئے۔[۱۷]

ابن سعدؒ کے مطابق قیصر روم نے ہی حبشہ کے نجاشی کے لئے سفارشی خط دیا تھا جس کی بنا پر قریش کو اس ملک میں بھی تجارتی سفر کے لئے ایلاف مل گیا۔[۱۸] ان بادشاہوں اور سرداروں میں سے اکثر کو قریش تجارتی سفروں کے دوران بیش قیمت تحائف دیا کرتے تھے اور ان کی رعایا یا تعلق داروں میں سے جو کوئی جب کبھی مکہ مکرمہ آتا تو اس کی مہمان نوازی کرتے اور ان سے اچھا سلوک کرتے۔ یہ احسان اور مروّت کا معاملہ قریش کی تجارت کا حصہ تھا۔ حتیٰ کہ کسی تجارتی راستہ کو کامیاب بنانے کے لئے وہ بعض اوقات اپنے نظریات کے خلاف بھی اپنی ہمسایہ اقوام کے لوگوں کی باتیں برداشت کرنے میں رواداری کا مظاہرہ کرتے۔ مثلاً جب حضرت ابوذر غفاریؓ مشرف باسلام ہوئے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بے کسی اور وطن سے دوری پر ترس فرما کر انہیں اختیار دیا کہ وہ اپنا دین چھپائے رکھیں مگر اسکے باوجود انہوں نے بیت اللہ کی دیوار کے سایہ میں چلا چلا کر کلمہ

۱۶؎ احمد بن ابی یعقوب: الیعقوبی، تاریخ، مطبع الغری، نجف، ۱۳۵۸ھ، ج ۱، ص ۲۰۱

۱۷؎ ایضاً

۱۸؎ ابن سعد: طبقات، ج ۱، ص ۴۵

شہادت کا اقرار کرنا شروع کیا تو قریش مکہ ان پر ٹوٹ پڑے مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے یہ کہنے پر انہوں نے چھوڑ دیا "دیکھو یہ قبیلہ غفار کا شخص ہے اور ہمارے تاجروں کی گذرگاہ قبیلہ غفار سے ہو کر جاتی ہے۔

أَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مِنْ غِفَارٍ طَرِيْقُ تُجَّارِكُمْ اِلَى الشَّامِ [۱۹]

یاد رہے کہ غفار کا قبیلہ شام کے راستہ پر آباد تھا اور شام کی طرف قریش کا موسم گرما کا تجارتی سفر ان کی معاشی خوشحالی کا بہت بڑا ذریعہ تھا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو پیش آیا جب وہ اسلام لا کر فتح مکہ سے قبل مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ بیت اللہ کا طواف کرنے تشریف لے گئے۔ ابوجہل نے اُنہیں طواف کی سعادت پانے سے باز رکھنا چاہا تو انہوں نے بھرے حرم میں بآواز بلند کہنا شروع کیا۔ "خبردار! اگر تو نے مجھے طوافِ کعبہ سے روکا تو میں مدینہ منورہ کی راہ سے تجھے (تجارت کرنے سے) روک دوں گا اور تیرا مدینہ منورہ کی راہ سے رکنا میرے یہاں کے رُکنے سے زیادہ نقصان دہ ہوگا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت سعدؓ کے یہ الفاظ منقول ہیں:

"اللہ کی قسم! اگر تو نے مجھے طواف سے روکا تو میں تیری شام کی تجارت کاٹ دوں گا۔" [۲۰]

قریش مکہ کے ظلم و ستم کا بادل جو کھل کر برسنے کے بعد بھی نہ ٹلا اور ناتواں مسلمانوں نے مدینہ منورہ ہجرت کرلی تو وہاں جا کر ان بے نواؤں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قریش کی معاشی خوشحالی کی شاہ رگ تجارت کو کاٹنا چاہا۔ آپ نے ان کے شامی راستہ پر آنے جانے والے تجارتی قافلے کو پریشان کرنا شروع کیا جو غزوہ بدر پر منتج ہوا۔ جس میں اللہ کریم نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ یوں اسلام کی ترویج و اشاعت تیز ہوگئی۔ اور فاقہ مست مسلمانوں کی خوشحالی کے دروازے کھل گئے۔ اس رکاوٹ

---

[۱۹] ابو محمد بن اسمٰعیل البخاری، الصحیح، اسلام ابی ذر رضی اللہ عنہ

[۲۰] بخاری، کتاب المغازی، غزوہ بدر۔

کے بعد قریش نے شام کا عام راستہ ترک کر دیا۔ اور عراق کا راستہ اختیار کیا[۲۱]

عہدِ جاہلیت کے سکے، نظامِ زر، اوزان اور پیمانے

سکے: عہد جاہلیت میں مختلف اقوام کے اپنے اپنے سکے تھے مگر زیادہ چلن مندرجہ ذیل سکوں کا تھا۔

۱۔ **دینار:** جن سکوں کا سب سے زیادہ رواج تھا ان میں ایک دینار تھا۔ دینار کا سکہ بازنطینی ریاستوں، روم، شام، مصر وغیرہ میں رواج پذیر تھا۔ قریش مکہ کی تجارت چونکہ زیادہ تر انہی ملکوں سے تھی لہٰذا دینار کا سکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں شہروں میں مروج تھا۔ البتہ مکہ مکرمہ میں زیادہ تر ہرقلی دینار، رومی دینار اور بازنطینی دینار چلتا تھا[۲۲]

۲۔ **درہم:** درہم وہ دوسرا سکہ تھا جسے اس دور میں قبول عام تھا۔ درہم کا رواج زیادہ تر عراق فارس وغیرہ میں تھا۔ خرید و فروخت میں زیادہ اہمیت طبری اور بغلی (ایرانی) درہم کو تھی[۲۳] یہ دراہم زیادہ کھرے تھے، یہ آٹھ اور چار وانگ کے ہوتے تھے[۲۴] ماوردی لکھتے ہیں:

"عہد فارس میں تین وزنوں کے درہم ڈھالے جاتے تھے۔ ایک ۲۰ قیراط کا، دوسرا ۱۲ قیراط اور تیسرا ۱۰ قیراط کا ہوتا تھا مگر اہل فارس کے سیاسی اضمحلال کے ساتھ ساتھ ان کے سکے بھی کھوٹے ہو گئے۔ البتہ ایک مدت تک یہ کھرے سکوں کے ساتھ ساتھ بازار میں چلتے تھے[۲۵]"

---

[۲۱] طبری: تاریخ، ص ۱۲۷۴۔

[۲۲] بلاذری: فتوح البلدان۔ ص ۴۶۷۔ [۲۳] ایضاً۔

[۲۴] ابن خلدونؒ: مقدمہ: فصل ۳۶، المختار السلطانیۃ و علامتہا۔

[۲۵] حوالہ بالا: باب ۱۳۔

[۲۶] بلاذری: فتوح البلدان، ص ۴۶۷۔

سکوں کی معیاری قدر کا تعین

مذکورہ درہم اور دینار دونوں ہی مختلف قسم اور شکل کے ہوتے ہیں۔ ان کے وزن برابر نہ ہوتے وہ مختلف ٹیکسالوں میں ڈھل کر نکلتے، مرور ایام کیساتھ ساتھ ان میں اکثر و بیشتر پرانے ہو کر گھس جاتے اور ان پر حروف و نقوش وغیرہ نہ پڑھے جا سکتے تھے۔ لہٰذا ان کی معیاری قدر Standard Value کی تعیین بہت مشکل تھی۔ یہ کام صرف چالاک اور تربیت یافتہ صراف Exchangers ہی کر سکتے تھے[۲۷]

نقشبندی کے بقول ان سکّوں کی قدر و قیمت کی تعیین ان کے وزن سے ہوتی تھی نہ کہ انکی ظاہری قدر و قیمت Face Value سے[۲۸]

نظام زر :

اس دور میں دو نظام زر کام کر رہے تھے : ۱۔ ذہب (سونا) ۲۔ ورق (چاندی)

جن ممالک میں سونا (ذہب) کا نظام یعنی دینار کا رواج تھا انہیں اہل الذہب کہا جا سکتا ہے اہل الذہب میں بازنطینی ریاستیں مثلاً مصر، شام وغیرہ تھیں۔ جن ممالک میں چاندی (فضۃ او الورق) کا نظام زر یعنی درہم کا رواج تھا انہیں اہل الورق کہا جا سکتا ہے۔ اہل الورق میں عراق، بابل وغیرہ تھے[۲۹]

امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) پہلے مصنف ہیں جنہوں نے اپنی موطا (جو قدیم ترین کتب حدیث میں سے ہے) میں اہل الذہب اور اہل الورق کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ضرب الجزیۃ علی اھل الذھب اربعۃ

۲۷۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲ : عنوان مکہ :

۲۸۔ نقشبندی، نصیر الدین محمود : الدینار الاسلامی فی المتحف العراقی، بغداد ۱۹۵۳ء، ص ۱۱

۲۹۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام عنوان مکہ

دنانیر وعلی اهل الورق اربعین درهماً [30]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معیار طلائی پر چار دینار اور معیار چاندی (معیار سیمیں) پر چالیس درہم جزیہ عائد کیا۔

البتہ مکہ مکرمہ کے تجاران معیاری سکوں کی بجائے سونے چاندی کے ٹکڑے استعمال کرتے تھے جن کی معیاری قیمت کی تعیین ترازو کے ذریعے کی جاتی تھی [31]

اوزان و پیمانے

دور جاہلیت میں عربوں اور بالخصوص قریش مکہ کے ہاں یہ اوزان و پیمانے مروج تھے:

۱: دینار : یہ سونا وزن کرنے کے لئے تھا۔

۲: درہم : یہ چاندی وزن کرنے کے لئے تھا۔

(یاد رہے کہ دینار اور درہم میں ۷ اور ۱۰ کی نسبت تھی یعنی دس درہم سات دینار کے برابر ہوتے تھے)

۳: شعیر: یہ درہم کے $\frac{1}{60}$ کے برابر تھا۔

۴: اوقیہ: ۴۰ درہم کے مساوی تھا۔

۵: نواۃ: یہ ۵ درہم کے برابر تھا۔

۶: مثقال: یہ کسی کسر کے ساتھ ۲۲ قیراط کے مساوی تھا مصری مثقال ۲۴ قیراط کے برابر تھا۔

۷: رطل : ۱۲ اوقیہ کے برابر تھا۔

یہ اوزان عہد نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، خلافت راشدہ اور عہد امیر معاویہ میں برابر جاری رہے [32]

---

[30] مالک، انس بن مالک، موطا، باب الجزیہ: بروایت یحییٰ بن یحییٰ

[31] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: ج ۳: عنوان مکہ۔

[32] بلاذری۔ ص ۴۶۶ - ۴۶۷

بلاذری کے مطابق عربوں کا سونے کا مثقال (جو ۲۲ قیراط سے ایک دانا کم تھا) معیاری سکہ سمجھا جاتا تھا مگر جو مثقال عموماً استعمال میں رہتا وہ ۲۰ قیراط کا تھا۔ اور یہ $\frac{1}{3}$ اور $\frac{1}{2}$ دینار میں تقسیم ہو جاتا تھا۔[۳۳] سونے کا ایک دینار کئی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتا تھا اور وہ تمام چھوٹے ٹکڑے اگر وزن میں مساوی ہوتے تو برابر قیمت پر بازار میں چلتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے گوشت خریدنے کے لئے ایک دینار سے دو قیراط کاٹے۔[۳۴]

چاندی کا ایک اوقیہ ۴۰ درہم کے برابر تھا۔ جسے آگے نش، رطل، نواۃ اور شعیر میں تقسیم کیا جاتا تھا جو بالترتیب ۲۰، ۱۲۰، ۱۵۰ اور $\frac{1}{60}$ درہم کے برابر ہوتے تھے[۳۵] لیکن درہم کا کوئی معیاری سکہ نہیں تھا کیونکہ عام دراہم ذاتی حیثیت سے چلتے تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درہم کا سکہ ڈھالنا چاہا تو ایک درہم کا اوسط وزن ۱۴ قیراط کی سفارش فرمائی[۳۶] حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے درہم میں ایک قیراط کا اضافہ کر دیا۔[۳۷]

دورِ جہالت کی چند تجارتی شکلیں

قبل از اسلام تجارتی کاروبار کی چند شکلوں کو عربوں نے رواج دے رکھا تھا۔ ان میں بعض مشہور شکلوں کا یہاں تعارف کرایا جا رہا ہے۔ یہ یاد رہے کہ اسلام نے ان تمام تجارتی شکلوں کو ممنوع قرار دیا ہے۔ یہ تجارتی شکلیں تمام عرب بالخصوص مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور طائف میں موجود تھیں۔

---

[۳۳] بلاذری، ص ۴۵۱ - ۴۵۲ - نقشبندی: ص ۱۱

[۳۴] ابوداؤد: السنن، ج ۲: حدیث نمبر ۱۸۶۔

[۳۵] البلاذری: ص ۴۵۱۔

[۳۶] Aghnides, N.P.: Muhammadan theories of Finance, New York, 1916, p.264

[۳۷] مقریزی، تاج الدین احمد بن علی: النقود الاسلامیۃ المسمّی بہ شذور العقود فی ذکر النقود، نجف، ۱۹۶۷ء، ص ۹۔۱۰

۱۔ **بیع منابذہ:** جب بائع (فروخت کرنیوالا) مشتری (خریدار) کی طرف کپڑا پھینک دیتا تو بیع لازم ہو جاتی۔

۲۔ **بیع ملامسہ:** جب مشتری مبیع (فروخت اور خریدی جانیوالی شئے) کو چھو لیتا تو بیع لازم ہو جاتی۔ حتیٰ کہ وہ نہ تو مبیع کو کھول سکتا تھا اور نہ الٹ کر دیکھ سکتا تھا۔

اس کی ایک صورت یہ بھی ہوتی تھی کہ آنکھیں بند کر کے تجارتی مال پر ہاتھ لگایا جاتا اور یہ بات طے کر لی جاتی کہ جس مال پر ہاتھ پڑے وہ اتنی قیمت کا ہوگا۔

۳۔ **بیع حبل الحبلۃ:** مشتری اونٹنی اس وعدہ پر لیتا کہ جب وہ جنے پھر اس کا جو بچہ ہو وہ جنے تب اسکی قیمت ادا کروں گا۔

۴: **بیع صفقہ:** ایام جاہلیت میں عربوں کے تجارتی لوازمات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جب مشتری کوئی چیز خریدتا وہ بائع کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مار کر یہ ثابت کرتا کہ اب بیع مکمل ہو گئی۔ اس وجہ سے اس بیع کو بیع صفقہ کہا جاتا تھا۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا کہ بائع چاہے نہ چاہے مشتری چالاکی سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بیع کر لیتا جو بائع کو مجبوراً قبول کرنا پڑتی تھی۔ صفقہ تالی پیٹنے کو کہتے ہیں۔

۵۔ **بیع محاقلہ:** اناج کی بالیاں پکنے سے پہلے تاجر کھیتوں کی پیداوار خرید کر قبضہ کر لیتے تاکہ بعد میں اناج اپنی من مانی قیمت پر بیچ سکیں۔

۶۔ **بیع مزابنہ:** پکی اور ٹوٹی ہوئی کھجوروں کو درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کے عوض فروخت کیا جاتا تھا۔ جس میں نقصان اور جھگڑا دونوں کے امکانات ہوتے ہیں۔

۷۔ **بیع مصراۃ:** دودھیلے جانوروں کو فروخت سے قبل ان کے تھن دو تین دن باندھ دیتے تاکہ وہ بیچتے وقت زیادہ دودھ دیں اور یوں خریدار کو دھوکا دیا جا سکے کہ جانور زیادہ دودھیلا ہے۔ لہٰذا اسکی قیمت زیادہ ادا کی جائے۔

۸۔ **بیع عریان :** "سائی" اور بیعانہ والے معاملہ کو کہتے ہیں۔ اس قسم کی بیع میں معاملہ یوں طے ہوتا کہ مشتری بائع کو کچھ رقم پیشگی بطور بیعانہ دے دیتا ہے اور شرط یہ ٹھہرتی ہے کہ اگر مشتری وہ مبیع مقررہ وقت کے اندر اندر نہ خرید کر سکے تو بائع (فروخت کرنیوالا) بیعانہ کی رقم بطور حرجانہ ضبط کر لے گا۔ اور اگر بائع مبیع (فروخت کرنیوالی شے) نہ فروخت کرنا چاہے تو بیعانہ کے برابر اور رقم بطور حرجانہ دے۔ جاہلیت کا یہ طریقہ تجارت آج کل بھی مروّج ہے۔

۹۔ **بیع نجش :** ایسی بیع جس میں زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنیکے لئے چالاک بائع (جو عموماً سرمایہ دار ہوتا ہے) یہ حیلہ اختیار کر کے کہ وہ چند اشخاص اس قبیح حرکت کے لئے تیار کرے کہ جب مبیع کی بولی ہو رہی ہو یا قیمت طے پا رہی ہو تو وہ صرف قیمت چڑھانے کے لئے اپنی طرف سے مبیع کے زیادہ دام بتاتے جائیں یا مبیع کی اتنی زیادہ جھوٹی تعریف کریں کہ مشتری زیادہ سے زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہو جائے۔

۱۰۔ **بیع مضطر :** ایسے حاجت مند شخص کی بیع جو اپنی سخت حاجت میں اپنا مال اونے پونے داموں فروخت کرے یا اپنی مجبوری کی وجہ سے انتہائی مہنگے داموں چیز خریدے۔

۱۱۔ **بیع الکالی بالکالی :** اسکو بیع الدین بالدین بھی کہتے ہیں۔ ایسی بیع جس میں دونوں طرف سے اُدھار ہو۔ اسکی کئی صورتیں ہوتی تھیں۔ موجودہ دور کی سٹہ بازی بھی اس کی ایک قسم ہے۔ نہ مال موجود نہ قیمت کا وجود۔

۱۲۔ **بیع غرر :** ایسی بیع کو کہتے ہیں جس میں عوضین (یعنی مبیع یا قیمت ثمن) میں سے ایک کی مقدار یا مدّت یا قیمت متعین اور معلوم نہ ہو۔ مثلاً ہوا میں اُڑتے پرندوں کی بیع، دریا میں مچھلی کی بیع، جانور کے پیٹ میں بچہ کی بیع وغیرہ

مندرجہ بالا اشکالِ تجارت میں سے (۳۔ ۵۔ ۶۔ ۷) مدینہ منوّرہ سے خاص تھیں۔

یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ان اشکال مبادلہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایام جاہلیت کے عرب طلب اور رسد کے فطرتی قوانین سے بخوبی آگاہ تھے۔ احتکار اور اکتناز کے ذریعے مال کو روک کر مصنوعی قلّت پیدا کرنا اور قیمتوں کو بڑھا چڑھا کر وصول کرنا ان کا بھی عام فن تھا۔ وہ تخمین اور سٹہ بازی Speculation میں بھی ماہر تھے وہ شہر کے باہر سے آنیوالے تجارتی کاروانوں سے سامانِ تجارت اور خصوصاً غلہ خرید کرتے اور بازار میں مصنوعی قلت کی حالت پیدا کر کے اپنی من مانی قیمتیں وصول کرتے۔ کسانوں کو (بالخصوص طائف اور مدینہ میں) سودی قرضے دیتے اور ان کی تمام فصل پیداور پر قبضہ کر لیتے۔ گویا تاجر "زیادہ سے زیادہ نفع" Profit Maximization کے استحصالی حربہ کے استعمال میں آج کے سرمایہ داروں سے ملتے جُلتے تھے۔ جو اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ سرمایہ دار کی استحصالی ذہنیت ہر دور میں ایک جیسی رہی ہے۔

دَورِ جاہلیت کے تجارتی میلے

ہماری یہ ساری بحث ادھوری اور غیر دلچسپ رہے گی اگر ہم عربوں کے ان مشہور تجارتی میلوں ——— جنہیں تجارتی منڈیاں کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے ——— کا ذکر نہ کریں جن کے ذریعے عربوں میں ایک معاشی وفاق Economic Unity پیدا ہو گیا تھا۔ یہ تجارتی میلے جزیرۃ العرب کے ہر حصہ میں منعقد ہوتے اور ان میں تقریباً عربستان کے ہر علاقہ کے تجار اپنا سامان لیکر یا خریدار بن کر آتے۔ ان میلوں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ یہاں آنیوالے اشخاص کا جان اور مال محفوظ سمجھا جاتا تھا۔ گویا موجودہ دور کے بین الاقوامی تجارتی امن کا قانون اس دور میں بھی لاگو تھا۔

یہ تجارتی میلے کتنی جگہوں اور کتنی بار لگتے، اس بارے میں مؤرخین کا اسطرح اختلاف ہے جس طرح دیگر اہم امور کے بارے میں ان کا اختلاف ہوتا ہے اور جس کی وجہ غالباً اس

ختلافی موضوع یا چیز کی اہمیت ہوتی ہے۔ مشہور جغرافیہ دان Geographist ہمدانی کی تحقیق کے مطابق ان میلوں اور بازاروں کی تعداد تیس[۳۸] تھی۔

مشہور مؤرخ یعقوبی کے مطابق یہ پہلے دس مقامات پر منعقد ہوتے تھے[۳۹]۔

چند اہم تجارتی میلے ـــ جن کے نام ہم تک پہنچے ہیں ـــ دومۃ الجندل۔ مشقر صحار۔ ریا۔ شحر۔ عدن۔ صنعا۔ رابیہ۔ حضرموت۔ عکاظ۔ ذوالمجاز۔ مجنہ۔ دبا۔ بصرہ وغیرہ کے مقامات پر لگتے تھے[۴۰]۔ پھر طرفہ تماشا یہ کہ ان تجارتی منڈیوں کے انعقاد کی تاریخیں باضابطہ تھیں[۴۱]۔ مثلاً

۱: دومۃ الجندل جو شام، حجاز اور عراق کے مابین ہے۔ اس مقام پر تجارتی میلہ یکم ربیع الاول تا نصف ربیع الاول چلتا تھا۔

۲: مشقر (حضرموت) کا تجارتی میلہ جمادی الاولیٰ کے مہینے میں لگتا۔ یہاں ایران تک کے تجار آیا کرتے تھے۔

۳: صحار (حضرموت) کی منڈی یکم رجب تا ۵ رجب تک لگتی تھی۔

۴: دبا عرب کا اہم ترین تجارتی میلہ رجب کے اواخر میں لگتا تھا[۴۲]۔

---

۳۸ الہمدانی: کتاب صفۃ الجزیرۃ، اسواق العرب۔

۳۹ یعقوبی: تاریخ، ج ۱، عنوان "اسواق العرب"۔

۴۰ محمد حفظ الرحمٰن: اسلام کا اقتصادی نظام، دہلی، ۱۹۵۹ء، ص ۲۵۴۔

۴۱ یہ تمام تفاصیل محمد بن حبیب کی کتاب المحبر مطبوعہ حیدرآباد (ہند) ص ۲۶۳ اور پروفیسر ڈاکٹر یوسف الدین کی کتاب "اسلام کے معاشی نظریے" ص: ۴، ۵، پر درج ہیں۔

۴۲ دبا کی بین الاقوامی منڈی کی مزید تفصیلات باب ۲: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تجارتی اسفار کے حاشیہ میں درج ہیں۔

۸: شحر (مہرہ) کا تجارتی میلہ وسط شعبان میں لگتا۔ یہ میلہ اس پہاڑ کے دامن میں لگتا جس کے اوپر حضرت ہُود علیہ السلام کی قبر بتائی جاتی ہے۔

۹: صنعاء (یمن) کی منڈی وسط رمضان تا آخر رمضان تک لگتی۔

۹: رابیہ (حضرموت) عکاظ (عرفات) ذوالمجاز کے میلے بیک وقت یکم ذوالحجہ تا دس ذوالحجہ تک منعقد ہوتے۔

۱۰: یمامہ یا خیبر کی تجارتی منڈی دس محرم کو لگتی۔

دورِ جاہلیت کا تجارتی سود

ہمارے وہ روشن خیال اسکالرز جو کسی نہ کسی طرح استحصالی تجارتی سود کا جواز تلاش کرنا چاہتے ہیں وہ اپنی اس کوشش کے لئے ایک دلیل ـــــ جو غالباً ان کے نزدیک سب سے وزنی ہے یہ دیتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں تجارتی سُود نہیں پایا جاتا تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں تجارتی قرضوں کا وجود ہی نہ تھا۔ اور جس سود کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے وہ صرف قرضوں پر سُود ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عربوں میں سود کی اس قسم کا رواج تھا۔

ان معزز اسکالرز کی یہ بالکل بھول ہے جو ان کی حقائق سے لاعلمی پر مبنی ہے ورنہ اگر وہ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں اور واقعات کا کھوج لگائیں تو انہیں یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ دورِ جاہلیت میں تجارتی قرضے بھی لئے دیئے جاتے تھے اور ان پر سود بھی ہوتا تھا ہم نے تاریخ اسلام اور سیرت کی کتابوں سے چند ایسے نظائر تلاش کئے ہیں جن سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ زمانہ قبل از اسلام میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے میں بھی (جب تک سود کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی) تجارتی قرضے اور ان پر سود کا وجود ملتا ہے۔

بنو عمرو کا بنو مغیرہ پر سود

قبل از اسلام عرب کے مشہور قبیلہ بنو ثقیف کے خاندان بنو عمرو بن عمیر (عامر) اور قبیلہ بنو مخزوم کے خاندان بنو مغیرہ اپنی تجارتی کاروبار کی بدولت مشہور تھے۔ بنو عمرو بن عامر تجارتی کاروبار کے لئے بنو مغیرہ کو سودی قرضہ دیا کرتا تھا۔ جب اسلام آیا اور اس نے حرمت سود کا اعلان کیا تو مغیرہ کے ذمہ ایک بہت بڑی رقم واجب الادا تھی۔ ابن جریر کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں؛

كانت بنو عمرو بن عامر يأخذون الربو من بني المغيرة وكانت بنو المغيرة يربون لهم في الجاهلية فجاء الاسلام ولهم عليهم مال كثير[۴۳]

ترجمہ: زمانہ جاہلیت میں بنو عمرو بن عامر بنو مغیرہ سے سود لیا کرتے تھے اور بنو مغیرہ انہیں سود دیا کرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو ان (بنو مغیرہ) پر ایک بہت بڑی رقم واجب الادا تھی۔

امام سیوطیؒ نے اس سودی کاروبار کی نوعیت کو یوں واضح الفاظ میں بیان کیا ہے؛

كان ربا يتبايعون به في الجاهلية[۴۴]

ترجمہ: "یہ ایک ربا تھا جس کے ساتھ جاہلیت کے لوگ تجارت کیا کرتے تھے۔"

مفسرین نے پورا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ جب بنو مغیرہ مسلمان ہو گئے اور بنو عمرو بن عامر (عمیر) نے ان سے اپنے سود کا مطالبہ کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اب وہ مسلمان ہو چکے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک سود کا لینا دینا حرام ہے۔ ان کا یہ جھگڑا حضرت عتاب بن

---

[۴۳] ابن جریر طبریؒ ، جامع البیان عن آیات القرآن، ج ۶ : دارالمعارف قاہرہ، ص ۲۲-۲۳

[۴۴] امام سیوطیؒ ، الدر المنثور : ج ۱ : قاہرہ : ص ۳۶۶

اسید کی عدالت میں پہنچا۔ (انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد مکہ کا امیر مقرر کیا تھا۔) انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ لکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعے قرآن مجید کی سورۃ بقرہ کی دو مستقل آیات (۲۷۸-۲۷۹) نازل ہوئیں جن میں یہ واضح ارشاد تھا کہ سود لینا اور دینا حرام ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھ بھیجا کہ سود کا لینا اور دینا بالکل حرام ہے[۴۵]۔

اس روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان دو قبیلوں کا آپس میں سودی لین دین صرفی قرضوں پر نہیں بلکہ تجارتی قرضوں پر تھا۔ اور ان دو قبیلوں کی حیثیت تجارتی کمپنیوں جیسی تھی۔ امام سیوطیؒ کی ایک روایت سے ان دونوں قبیلوں کے بڑے بڑے سرداران کی نشاندھی بھی ہوتی ہے جو تجارتی اغراض کے لئے سودی قرضے لیا کرتے تھے۔

سیوطیؒ لکھتے ہیں:

"ابن ابی حاتمؒ نے مقاتلؒ کے حوالہ سے اور ابو نعیمؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷۸ بنو ثقیف کے سرداران مسعود، ربیعہ، حبیب اور عبد یالیل کے بارے میں نازل ہوئی جو بنو مغیرہ کو تجارت کے لئے سود پر رقم دیا کرتے تھے۔ جب بنو ثقیف کے یہ سرداران اسلام لائے تو انہوں نے سود لینا چھوڑ دیا[۴۶]۔"

بنو ثقیف کے تجارتی قرضے

اسی طرح طائف کا مشہور قبیلہ ثقیف جو تجارتی بازاروں میں اپنی شہرت رکھتا تھا وہ بھی دوسرے قبائل بلکہ حکومتِ وقت سے تجارتی قرضے لیتا اور ان پر تجارتی سود دیتا تھا۔

---

۴۵ بحوالہ ملا علی قاریؒ، عمدۃ القاری: ج ۱۱: ادارۃ طباعۃ منیریہ: قاہرہ: ص ۲۰۱۔

۴۶ امام سیوطی بحوالہ بالا، ص: ۳۶۶

ابن ہشام نے اپنی مشہور کتاب "سیرت ابنِ ہشام" میں ایک سردار جس کا نام درج نہیں ہے کا وہ بیان نقل کیا ہے جو وہ مرتے وقت اپنی اولاد کو وصیت کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بنو ثقیف پر جو میری سود کی رقم ہے اسے وصول کر کے چھوڑنا"۔[۴۷]

حاکم وقت کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ قبیلہ ثقیف کی حیثیت بھی ایک قابلِ اعتبار تجارتی کمپنی کی سی تھی جسے سردار بھی تجارتی کاروبار کے لئے قرض دیتا اور سود وصول کرتا تھا۔

بنو ثقیف کے ذمہ حضرتِ عباس رضی اللہ عنھما کی ایک بہت بڑی رقم سود کی تھی جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑنے کا حکم دیا۔[۴۸]

ابن جریر طبری نے سدی سے نقل کیا ہے کہ عباس بن عبدالمطلب اور بنو مغیرہ کا ایک شخص سودی قرض کا کاروبار کرتے تھے۔ یہ ثقیف قبیلہ کے خاندان بنو عمرو بن عمیر کو سود پر قرض دیا کرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اس نے یہ سود ختم کرا دیا۔[۴۹]

امام قرطبی کی تفسیر : امام قرطبی نے آیۃ "فلہ ما سلف" کی تفسیر میں لکھا ہے۔

ھذا حکم من اللہ لمن اسلم من کفار قریش و ثقیف و من کان یتجر ھنالک[۵۰]

ترجمہ: اللہ کریم کا یہ حکم ان لوگوں سے متعلق تھا جو تجارت پیشہ کفار قریش اور ثقیف میں سے مسلمان ہو گئے تھے۔

---

[۴۷] ابن ہشام، سیرۃ، ج ۱، قاہرہ، ص ۴۲۰

[۴۸] امام سیوطی، حوالہ بالا

[۴۹] طبری حوالہ مذکورہ، ص ۲۳۲۲

[۵۰] قرطبی، حوالہ مذکورہ، ص ۳۶۱

حضرت عباسؓ اور حضرت عثمانؓ کا ایک تاجر پر تجارتی قرضہ

حضرت عباسؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے ایک تاجر کو تجارتی قرضہ دے رکھا تھا اور اس سے اصل مع سود لینے کا مطالبہ کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت کی آیت کریمہ کے پیش نظر انہیں سود لینے سے منع کر دیا۔

امام بغوی نے اس روایت کو بحوالہ عطاءؒ اور عکرمہؒ نقل کیا ہے [۵۱]

ایک دوسری روایت میں حضرت عباسؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ کا شرکت میں کاروبار تھا اور طائف کے مشہور تجارتی قبیلہ بنو ثقیف کے ساتھ ان کا لین دین تھا۔ اور ان کی ایک بھاری رقم بنو ثقیف کے ذمہ واجب الادا تھی [۵۲]

ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان کا تجارتی قرضہ

امام طبریؒ نے تاریخ طبری میں ۲۳ھ کے واقعات میں ہند بنت عتبہ کا واقعہ نقل کیا ہے جو اس حقیقت کا واضح ثبوت مہیا کرتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تجارتی قرضوں کے لین دین کا رواج تھا۔ تاریخ طبری کے الفاظ یہ ہیں:

ان ھند بنت عتبة قامت الی عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ فاستقرضته من بیت المال اربعة الاف تتجر فیھا تضمنھا فاقرضھا فخرجت الی بلاد کلب فاشترت و باعت [۵۳]

---

[۵۱] امام بغوی: تفسیر سورۃ البقرۃ، آیات ۲۷۸۔۲۷۹

[۵۲] خازن، تفسیر، ج ۱، نظارۃ المعارف، قاہرہ، ۱۳۱۷ھ، ص ۲۲

[۵۳] طبری، تاریخ الامم والملوک (اردو) حصہ سوم، ص ۲۷۷، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۷ء

ترجمہ: حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے بیت المال سے چار ہزار (درہم یا دینار) قرض مانگے تاکہ ان سے تجارت کرے اور ان کی (والپسی) ضامن ہو حضرت عمرؓ نے انہیں قرضہ دے دیا وہ بلاد کلب گئیں اور خرید و فروخت کرتی رہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادوں کا تجارتی قرضہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے حضرت عبداللہ اور حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہما ایک بار عراق جہاد کے لئے گئے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ان دنوں بصرہ کے گورنر تھے جب یہ دونوں واپس مدینہ منورہ تشریف لانے کے لئے ابو موسیٰؓ سے ملنے گئے تو انہوں نے کہا میرے پاس بیت المال کی ایک رقم ہے تم اسے لیجاؤ اور خلیفہ حضرت عمرؓ کو دے دینا۔ مگر اس صورت میں کہ میں تمہیں یہ رقم قرض دیتا ہوں تم اس سے راستہ میں تجارت کرنا، نفع اپنے لئے رکھ لینا اور اصل بیت المال کے لئے خلیفہ کے سپرد کر دینا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ ایک لمبا واقعہ ہے جس کا یہاں خلاصہ درج کیا ہے[۵۴]

عصر حاضر سے ایک دلیل: عصر حاضر میں جس کثرت سے سودی کاروبار پھیل چکا ہے اور جس رفتار سے پھیل رہا ہے اس کے اثرات سے کسی ایسے شخص کے لئے بھی بچنا ناممکن ہو گیا ہے جو سود کا لینا دینا حرام سمجھتا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ناپسندیدہ صورتحال کی خبر اپنی پیغمبرانہ بصیرت سے اسوقت دے دی تھی جب سودی کاروبار کے اس کثرت سے شیوع کا خیال بھی امت مسلمہ کو نہیں گذرا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[۵۴] امام مالکؒ: الموطا، کتاب القراض، ص ۲۵۸، عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۳: ص ۴۹، طبع بیروت۔

ارشاد مبارک پر غور فرمائیے :

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لیأتین علی الناس زمان لا یبقی احد الا اکل الربو فمن لم یا کلہ اصابہ غبارہ ۵۵؎

ترجمہ: لوگوں پر ایسا زمانہ ضرور آئے گا جس میں کوئی ایسا شخص باقی نہ رہے گا جس نے سود نہ کھایا ہو۔ اور جو کوئی سود کھانے سے بچ گیا ہو اس تک اس کا غبار ضرور پہنچے گا۔"

اس حدیث پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ اطلاع تجارتی سود کے بارے میں ہے نہ کہ صرف شخصی سود کے بارے میں۔ کیونکہ صرف شخصی سود کتنا ہی عام ہو جائے کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ معاشرہ کا ہر فرد سودی قرضہ لے۔ کیونکہ دین دار اغنیاء نہ سود دیتے ہیں نہ لیتے ہیں۔ (جیسا کہ اللہ کریم کے نیک بندوں کے عمل سے آج بھی ظاہر ہے) پھر ان تک سود کا غبار کیونکر پہنچے گا؟ اور اس صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مہمل نظر رہے گا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سود کے غبار کی خبر دی اس سے مراد تجارتی سود ہی ہے۔ جیسا کہ آج کل ہم دیکھ رہے ہیں کہ معاشیات کا کوئی شعبہ خواہ وہ سرکاری ہو یا نجی تجارتی ہو یا صنعتی، چھوٹے پیمانہ پر ہو یا بڑے پیمانہ پر، ادھار ہو یا نقد، کسان کا ہو یا ملازم کا، ہر ایک سود کے اثرات لئے ہوئے ہے۔ اس حقیقت کو معاشیات کا ایک عام طالب علم بھی جانتا ہے کہ سودی اثرات کس طرح ہر شعبہ میں پائے جاتے ہیں۔ جب پورے معاشرہ میں سودی زر گردش کر رہا ہو۔ کوئی متقی شخص بھی ــــــ خواہ وہ صرفی قرضہ یا سرمایہ کاری کے لئے قرضہ لے یا نہ لے۔ اس کے دھوکے سے نہیں بچ سکتا۔

(اللّٰھم احفظنا منہ)

۵۵؎ ابن ماجہ: السنن، کتاب الربا۔

ان تمام واقعات اور حوالہ جات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تجارتی قرضوں اور ان پر سود کا رواج زمانہ جاہلیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانہ میں بھی تھا۔ جب حُرمتِ سُود کی آیات نازل ہوئیں تو اس قسم کے سود کا لین دین حرام قرار دے دیا گیا۔

البتہ بلا سود تجارتی قرضے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں مروج تھے جیسا کہ ہند بنتِ عتبہ زوجہ ابو سفیانؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں عبداللہ اور عبید اللہ رضی اللہ عنہما کے قرضہ سے ظاہر ہے۔

فصل ۲

زراعت

زمانہ جاہلیت کا مکہ مکرمہ، آج کے مکہ مکرمہ کی طرح بے آب و گیاہ رہا ہے۔ نہ وہاں آج زراعت بطور پیشہ رواج پذیر ہے نہ زمانہ جاہلیت میں تھی البتہ طائف اور مدینہ منورہ (پرانا شہر یثرب) اپنی زمینوں کی زرخیزی، مناسب آب و ہوا اور وافر پانی کی وجہ سے مشہور تھے۔ ان دونوں علاقوں میں زمیندار اور کاشت کار آباد تھے۔

مدینہ منورہ، کسانوں کی بستی: مدینہ منورہ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ وہ کسانوں کی بستی کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں کے اکثر و بیشتر لوگ کاشتکار تھے۔ مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں کھجوروں کے باغات اور نخلستان تھے، جَو، گندم اور جَو کے علاوہ بہت سے پھل مثلاً کیلا، انار، انگور، خوخ (شفتالو) انجیر اور دیگر پیدا ہوتے تھے۔ مدنی اپنی مزارعانہ حیثیت اور مہارت میں مشہور تھے۔ ان کی

اہم پیداوار کھجور اور انگور تھے۔ مدینہ منورہ کی کھجور بالخصوص مشہور تھی۔ یہاں کے تجربہ کار کسان کھجور کی متعدد اقسام پیدا کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے وسیع تجربہ کی بنا پر کھجور کی افزائش کے مختلف طریقے اختیار کر رکھے تھے۔ وہ زیرگی کے فن کے ماہر تھے جس کے ذریعے وہ نر و مادہ کی تمیز اور ان کے زیروں کا استعمال کرتے تھے۔

ان کے باغات کے گرداگرد چار دیواری ہوتی تھی۔ جسے مقامی اصطلاح میں حائط کہا جاتا تھا۔ ذرائع آب پاشی میں بارش، کنوئیں اور نہریں تھیں[۵۶] مدینہ منورہ کے گرد و نواح میں شاداب وادیاں بھی تھیں۔ جو سیلاب کے دنوں میں لبریز رہتیں جن کی وجہ سے زمینوں باغوں اور کھیتوں کی سرسبزی و شادابی برقرار رہتی۔ ان میں سب سے مشہور وادی عقیق تھی، جس کا ذکر کتب حدیث میں بکثرت آیا ہے۔ اس وادی میں پانی وافر مقدار میں رہتا اور باغوں اور کھیتوں کی سیرابی کے کام آتا۔ یہ وادی مدینہ منورہ کی سیرگاہ کے لئے مشہور تھی۔

مدینہ منورہ کے کنویں اپنے پانی کی فراوانی اور شیرینی کی وجہ سے مشہور تھے کھیتوں اور باغوں تک پانی لیجانے کے لئے شراج (نالیاں) مساۃ (پھاوڑوں) کا استعمال کیا جاتا تھا[۵۷]

مدینہ منورہ میں زراعت لگان کے ذریعے ہوتی تھی۔ امام بخاری نے مدینہ منورہ کے نظام لگان کے بارے میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایات پر انحصار کیا ہے۔ مدینہ منورہ کے نظام لگان کے یہ ماہر سمجھے جاتے تھے جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ بقول ان کے مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ کاشت انہی کے ہاں ہوتی تھی[۵۸]

ادائیگی لگان کے تین طریقے مروج تھے جن کی بنیاد غریب کاشتکار (مزارعہ) کے استحصال

---

[۵۶] یاقوت حموی: معجم البلدان، ج ۵، مطبوعہ مصر، ص ۱۶۴۔

[۵۷] بخاری: صحیح، کتاب المساقاۃ۔

[۵۸] صحیح بخاری: کتاب المزارعۃ۔

Exploitation پر رکھی تھی۔ زمیندار اپنی من مانی شرائط پر لگان وصول کرتا اور مجبور مزارعہ اس کی ہر شرط قبول کر لیتا۔ کیونکہ اُسے اپنی اور اپنے خاندان کی معاشی کفالت کے لئے اس زمیندار کی زمین کاشت کرنا پڑتی تھی۔ لگان کے وہ تین استحصالی طریقے یہ تھے:

ا : اگر زمین کی آبپاشی نہر یا نالی کے ذریعے ہوتی تو زمیندار زمین کے اس حصہ کی پیداوار بطور لگان اپنے لئے مخصوص کر لیتا۔ جو نہر یا نالی کے ساتھ ساتھ ہوتا اور باقی خشکی والے حصہ کی پیداوار مجبور مزارعہ کے حصّے میں آتی[59]

ب : دوسرا طریقہ یہ تھا کہ مزارعہ زمیندار سے جو زمین (مثلاً قطعہ ا) کاشت کرنے کے لئے لیتا اس کے عوض (بطور لگان) زمیندار کا دوسرا قطعہ زمین (مثلاً قطعہ ب) کاشت اور برداشت کر کے دیتا[60]

ج : مظلوم مزارعہ سے بعض اوقات یہ مطالبہ بطور لگان کیا جاتا کہ وہ زمین کاشت کرنے کے عوض میں کوئی دوسری قسم کی پیداوار مثلاً کھجور وغیرہ اپنے پاس سے لا کر دے[61]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسانوں کے مظلوم طبقہ کو استحصالی زمینداروں کے استحصال سے رہائی دلانے کے لئے لگان کے مذکورہ تمام طریقوں کو ناجائز قرار دے کر زمین کو اجارہ (نقد لگان) پر دینے کا عادلانہ طریقہ رائج فرمایا۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

" تمام اہلِ مدینہ میں سب سے زیادہ کھیتی ہمارے ہاں ہوتی تھی۔ ہم زمین لگان پر لیا کرتے تھے اور لگان کے طور پر اس زمین کا ایک مخصوص حصّہ زمیندار کے لئے مختص کر دیا جاتا۔۔۔۔

---

[59] صحیح بخاری، کتاب المزارعۃ۔

[60] حوالہ مذکورہ۔

[61] حوالہ مذکورہ۔

اسوقت سونا اور چاندی (نقد روپیہ) لگان میں دینے کا رواج نہ تھا[۶۲]

طائف زرخیز خطہ: طائف عرب کا زرخیز ترین خطہ تصور کیا جاتا تھا۔ وہ اپنی سرسبزی و شادابی اور بہترین آب و ہوا کی وجہ سے مشہور تھا۔

عرب کے تمام دولتمند اپنی گرمیاں یہاں گذارنے آیا کرتے تھے۔ اموی شاعر عمر بن ربیعہ نے اپنی محبوبہ کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے ؎

تشتو بمکۃ نعمۃ ومصیفھا بالطائف

ترجمہ: (وہ ناز پروردہ جاڑے مکہ میں گزارتی ہے اور گرمیاں طائف میں)

یہاں کی زرعی پیداوار میں ہر قسم کے گیہوں۔ پھل، جو وغیرہ شامل تھے۔ یہاں کی زرعی پیداوار بطور تجارتی سامان کے آس پاس کے شہروں اور علاقوں تک جاتی تھی۔

طائف میں زمینداری اور کاشت کاری کا آغاز بڑا دلچسپ مگر انجام استحصال تھا۔ مؤرخین کے مطابق طائف کے اصلی باشندے بنوعامر تھے جن کا پیشہ گلہ بانی تھا۔ طائف کے آس پاس کے علاقہ میں ثقیف کا قبیلہ آباد تھا۔ ان لوگوں نے جب دیکھا کہ بنوعامر طائف کی زرخیز زمینوں سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو یہ لوگ بنوعامر کے پاس گئے اور اُن سے کہا:

"دیکھئے تمہارے خیال میں طائف کی زمین گلہ بانی کے لئے مناسب ہے مگر ہم اس کا ایک بہتر استعمال کرتے ہیں۔ ہم اس میں ہل چلائیں گے۔ اس میں کنویں کھودیں گے اور اس کو ہموار کر کے اس میں فصلیں بوئیں گے اور تمہیں بغیر کسی محنت اور خرچہ کرنے کے آدھا حصہ بھی دے دیا کریں گے۔"

بنوعامر نے اسے نفع کا سودا سمجھ کر اپنی زمینیں ثقیف کے حوالہ کر دیں[۶۳] اور بظاہر

---

[۶۲] صحیح بخاری، کتاب المزارعۃ۔

[۶۳] ابن اثیر: تاریخ الکامل، ج ۱، ذکر غلبۃ الثقیف علی الطائف۔

زمیندار بن گئے۔

ثقیف کے لوگ طائف میں آکر رہنے لگ گئے اور تمام زمینیں آپس میں بانٹ کر کاشت کرنے لگے۔ انہوں نے طرح طرح کی فصلیں اُگا کر خوب کمایا۔ ایک مدت تک بنو عامر معاہدہ پر قائم رہے مگر جب انہوں نے اپنے قدم مضبوطی سے جما لئے اور زمینوں پر پورے طور پر قابض ہو گئے تو خود زمیندار بن بیٹھے اور بنو عامر کو صدقہ وصول کرنیوالے تصور کرنے لگے بنو عامر نے ان سے لگان کی وصولی کا مطالبہ کیا تو صاف مُکر گئے۔ لڑائی ہوئی تو بنو عامر ہار گئے۔ اور یوں طائف طاقتور زمینداروں کے تسلط میں چلا گیا[۱]۔

اہل طائف میں بڑے بڑے زمیندار تھے جن کے وسیع باغات اور مزرع تھے اور دولتِ زراعت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

فصل ۳

صنعت و حرفت

زمانہ جاہلیت کا مکہ مکرمہ جسے تجارت میں بین الاقوامی منڈی کی حیثیت حاصل تھی مگر صنعتی طور پر وہ دنیا کے پسماندہ ترین شہروں میں تھا

مکہ مکرمہ میں زراعت پیشہ کا نام ونشان تک نہیں پایا جاتا تھا۔ زمین سنگلاخ اور بے آب و گیاہ تھی۔ نہ زراعتی پیداوار کے ذریعہ خام مواد میسر آتا تھا نہ ہی کسی ایسے خام مال کو صنعتی

---

[۱] ابن اثیر، تاریخ الکامل، ج ۱، ذکر غلبۃ الثقیف علی الطائف۔

عمل سے گذار کر مصنوعات میں تبدیل کرنے کا اہتمام ہو سکتا تھا۔ مکہ مکرمہ میں صرف ایک قابل ذکر صنعت ترقی پذیر تھی اور وہ تھی کھالوں کی دباغت جس کی وجہ یہ تھی کہ اہالیان مکہ گلہ بان تھے۔ وہ بھیڑ بکریاں اور اونٹ پالا کرتے تھے۔ اہل مکہ آس پاس کے شہروں کے وڈیروں کو ملنے جاتے یا کسی ملک میں سفیر بن کر جاتے تو وہاں کے حکمران کو اپنی صنعتی پیداوار یعنی کھالوں کا تحفہ پیش کرتے اور سامان تجارت کے طور پر انہیں برآمد بھی کرتے مکہ کی کھالیں بہت عمدگی اور مہارت کیساتھ تیار کی جاتی تھیں اور لوگ انہیں بہت پسند کرتے تھے۔

کھالوں کی صنعت کے علاوہ مکہ مکرمہ میں اور چھوٹی قسم کی گھریلو دستکاریاں بھی موجود تھیں۔ مثلاً مٹی کے برتن، لوہاری کے آلات، تیر سازی اور عام استعمال کی معمولی اشیاء تیار کرلی جاتی تھیں۔ ایسی دستکاریوں کا ذکر ہم پیشوں کے عنوانات کے تحت کریں گے۔

طائف کا شہر بھی چرم سازی کے لئے مشہور تھا۔ وہاں دباغت کے کارخانے اسقدر زیادہ تھے کہ آس پاس کا ماحول بدبودار رہتا تھا[۶۵] اسی وجہ سے اسکو بلدالدباغ (دباغت والوں کا شہر) کہا جاتا تھا[۶۶]

طائف کی دوسری مشہور صنعت شراب کشید کرنا تھی جس کی وجہ سے وہاں انگوروں کے باغات تھے۔ طائف میں باقاعدہ شراب خانے بنے ہوتے تھے۔ جہاں قحبہ گری Prostitution بھی ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں یہاں معمولی درجہ کی گھریلو دستکاریاں بھی قائم تھیں۔

مدینہ منورہ کسانوں کی بستی بھی چند صنعتوں کو رواج دیئے ہوئے تھی۔ ان صنعتوں

---

۶۵ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۴، مقالہ "طائف"۔

۶۶ الھمدانی، کتاب صفۃ جزیرۃ العرب۔ مطبوعہ لیڈن، ص ۱۲۰۔

میں پارچہ بافی۔ ہتھیار سازی اور لکڑی کے سامان کی تیاری، خشت سازی اور سنگ تراشی قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ چند دستکاریاں مثلاً سُنارگری، زرگری، لوہاری وغیرہ کا بھی چلن تھا۔ صنعتوں پر یہود کا غلبہ تھا۔ انہوں نے ہی ان صنعتوں کو رواج دیا تھا۔ غالباً انہیں یمن سے اپنے ساتھ لائے تھے۔[۶۷]

فصل ۴

معاشی پیشے

اس عارضی دنیا کی عارضی زندگی گذارنے کے لئے ہر عقلمند کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کرتا ہے تاکہ وہ اللہ کریم کے بے بہا خزائن سے رزق تلاش کر کے اپنی (اور ان افراد کی جن کی پرورش اس کے ذمہ ہے) گذر بسر کر سکے۔ معاشی پیشہ کی تاریخ اور روایت اتنی ہی پُرانی ہے جتنی حضرتِ انسان کی۔ ہر دور اور ہر علاقہ میں لوگوں کے پیشے مختلف رہے ہیں۔ زمانہ جاہلیت کے عرب کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس دور میں مختلف علاقوں کے عربوں نے اپنی معاشی کفالت کے لئے مختلف پیشے اختیار کر رکھے تھے۔

مکہ مکرمہ کے عربوں کا گو بڑا ذریعہ معاش تجارت تھی مگر بعض لوگوں نے تجارت کے ساتھ ساتھ یا جو تاجر نہیں تھے انہوں نے دوسرے پیشے شروع کر

---

[۶۷] مؤرخین کے مطابق اوس اور خزرج کے قبائل کے وہ لوگ جو یمن سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے اور یہاں آ کر یہودی ہو گئے یہ صنعتیں انہوں نے مدینہ منورہ میں شروع کیں۔

کر لیتے تھے۔ مثلاً تجارت کے بعد دوسرا بڑا قانونی پیشہ گلہ بانی تھا۔ جبکہ غیر قانونی اور غیر اخلاقی پیشہ غارت گری بھی تھا جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ مگر چند چھوٹے چھوٹے پیشے بھی رواج پذیر تھے۔ مثلاً بڑھئی۔ لوہار۔ طبیب۔ درزی۔ قصاب۔ پارچہ فروش۔ عطر فروش۔ تیل فروش۔ شراب فروش۔ غلہ فروش۔ مویشی فروش وغیرہ[68]

ابنِ قتیبہؒ کے مطابق ابو طالب عطر اور گیہوں فروش تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پارچہ فروش تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تیر ساز تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے والد محترم حضرت عوام رضی اللہ عنہ درزی تھے جبکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ قصاب تھے۔ حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ بھی قصاب تھے۔ کعبہ کے کلید بردار حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ درزی تھے۔ ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ تیل اور چمڑا فروخت کیا کرتے تھے۔ عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بڑھئی تھے ابو جہل کا بھائی عاص بن ہشام اور ولید بن مغیرہ بڑھئی تھے۔ اُمیّہ بن خلف پھل فروش تھا عقبہ بن ابی معیط شراب فروش تھا۔ عبد اللہ بن جدعان (سخی مکہ مکرمہ) جانور پالتا اور ان کے بچے فروخت کرتا تھا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ لوہار تھے۔ حضرت عباس بن عبد المطلب یمن سے عطر لا کر ایّامِ حج میں فروخت کیا کرتے تھے[69] حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کے والد عاص بن وائل حیوانات کے معالج تھے۔ نضر بن حارث رباب پر گاتا تھا[70]

الغرض مکہ مکرمہ کے باسیوں نے وہ تمام پیشے اپنا رکھے تھے جو اس وقت کے کسی ترقی یافتہ شہر میں ہو سکتے تھے۔

---

[68] مسلم ابن قتیبہ؛ کتاب المعارف، باب مکہ کے پیشے۔

[69] ابن قتیبہ؛ کتاب المعارف، عنوان صناعات الاشراف

[70] حوالہ مذکورہ

طائف میں بھی گمان یہی ہے کہ وہ تمام پیشے رواج پذیر ہوں گے جو مکہ مکرمہ میں تھے طائف میں لوہار اور ترکھان بھی رہتے تھے۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں طائف کے چند غلام حاضر ہوئے جن میں سے ایک "الارزق" نامی تھا۔ وہ رومی الاصل تھا۔ اور لوہاری کے فن سے واقف تھا۔[۱]

طائف چونکہ انگوروں اور پھلوں کی سرزمین ہے لہٰذا بظاہر وہاں انگوروں سے شراب کشید کرنے والے اور فروخت کرنیوالے بھی ہوں گے۔ نیز پھل فروش تو یقیناً ہوں گے۔

طائف میں طبیب بھی رہتے تھے۔ یہاں حارث بن کلدہ الثقفی ایک نامی طبیب رہتا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے ایران میں طب کی تعلیم پائی اور کچھ عرصہ ایران ہی میں مشق بھی کرتا رہا۔ یہ بنی اُمیہ کے ابتدائی ایام تک زندہ رہا۔ علاج کی خاطر اس کے پاس دور دراز کے علاقوں سے مریض آیا کرتے تھے۔[۲]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا اور ناسمجھوں نے آپ کو نعوذ باللہ مجنون کا طعنہ دیا (جو غالباً ہر دور میں حق گوئی کا تمغہ رہا ہے) تو طائف کے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا۔ میں عرب کا سب سے بڑا طبیب ہوں (یعنی آپ کا علاج کر سکتا ہوں)۔[۳]

طائف میں سنار بھی آباد تھے۔ جن کا اندازہ اس تاریخی صداقت سے ہوتا ہے کہ بنو ثقیف کے سرمایہ داران کی عورتیں بہت زیادہ زیورات اپنی امارت کی نمائش

---

[۱] بلاذری : فتوح البلدان، ذکر طائف

[۲] ابن ابی صبعۃ : عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ج ۱، ص ۱۰۹

[۳] طبری : تاریخ، ص ۱۱۴۶

کے طور پہ پہنتی تھیں۔ وہ ظاہر ہے طائف کے سُنار ہی بناتے ہوں گے۔

مدینہ منورہ میں تقریباً وہ تمام پیشے پائے جاتے تھے جو کسی زرعی معیشت Agrarian Economy والے ملک یا شہر میں پائے جاتے ہیں۔

مدینہ منورہ کسانوں کی بستی کے نام سے مشہور تھا مگر وہاں یہودی ساہوکار اور صنعتکار بھی تھے لہٰذا یہاں مکہ مکرمہ اور طائف دونوں کی بہ نسبت زیادہ پیشے موجود ہوں گے۔ بڑھئی لوہار۔ درزی، قصاب، پھل فروش، چھوٹے درجہ کے دوکاندار تو اس کسانوں کی بستی میں ضرور ہوں گے۔ سُنار اس لئے ہوں گے کہ وہ سرمایہ دار یہود کی عورتوں کے لئے زیور تیار کرتے ہوں گے۔ سامانِ اسلحہ تیار کرنیوالے اس لئے ہوں گے کہ جنگ اور غارت گری اس دور کا ایک مقبولِ عام پیشہ تھا۔

عبداللہ بن ابی السلول قحبہ گری Prostitution کا مکروہ دھندہ کیا کرتا تھا[۴]۔ ایک انصاری عورت کا ایک غلام بڑھئی تھا[۵]۔ انصار میں ابوشعیب رضؓ نامی قصاب تھے[۶]۔ مدینہ منورہ کے ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے پچھنے لگائے اور آپ نے اسے ایک صاع (کھجور یا اناج) دینے کا حکم دیا اور اپنے عمال کو ارشاد فرمایا کہ ان کے خراج میں کمی کر دیں[۷] ——— ایک درزی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے پر مدعو کیا[۸]۔

مدینہ منورہ کے پیشوں کی مزید تفصیلات کے لئے بخاری شریف کی کتاب البیوع کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

---

[۴] تفسیر طبری؛ تفسیر بیضاوی، آیت "ولاتکرھوا فتیاتکم علی البغاء" (سورۃ النور)

[۵] بخاری کتاب البیوع۔

[۶] حوالہ مذکورہ۔ [۷] حوالہ بالا۔ [۸] حوالہ بالا۔

فصل ۵

غارت گری

زمانہ جاہلیت کے عربوں کا ایک قابلِ اعتماد مگر غیر اخلاقی ذریعہ معاش غارتگری تھا جس نے تجارت ایسے مہذب اور بابرکت پیشہ کو بھی خطرات سے دوچار کر رکھا تھا۔ قافلے غارت گروں کے ہاتھوں مامون نہیں تھے۔ ان کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک گزرنا محال تھا۔ تجارتی قافلوں کی نقل و حرکت کے لئے باقاعدہ مسلح فوجی دستوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس کی چند مثالیں اس باب میں قریش کے تجارتی قافلوں کے ضمن میں درج کی جا چکی ہیں۔

حیرہ کے عرب بادشاہ اگرچہ شمالی عرب میں صاحبِ اثر و رسوخ تھے مگر ان کا سامانِ تجارت بھی عکاظ کے میلہ تک سخت حفاظتی پہروں کے بغیر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ حج کے مہینے جنہیں تمام عرب متبرک تصور کرتے تھے جن میں لڑائی کرنا وہ اخلاقی جرم سمجھتے تھے۔ مگر اپنے ذریعہ معاش غارت گری کو کسی نہ کسی طور پر جاری رکھنے کے لئے وہ ان مہینوں کو بھی کبھی گھٹا اور کبھی بڑھا لیا کرتے تھے۔ مثلاً کبھی بارہ [۱۲] کے چودہ [۱۴] مہینے بنا لیئے یا حساب میں ایسی گڑبڑ کی کہ جو ذیقعدہ تھا وہ ذوالحجہ بنا لیتے [۷۹] ابوعلی القالیؒ نے

---

[۷۹] قرآن مجید نے اس قبیح حرکت کی طرف اشارہ اس آیت کریمہ میں کیا ہے:

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ۔ (التوبہ: ۳۷)

یہ ہٹا دینا کفر میں اور ترقی ہے، جس سے کفا[ر] گمراہ کئے جاتے ہیں کہ وہ اس (حرام پیشہ) کو کسی سال (نفسیاتی غرض سے) حلال کرلیتے ہیں اور کسی سال (جب کوئی غرض نہ ہو) حر[ام] سمجھتے ہیں تاکہ اللہ کریم نے جو (مہینے) حر[ام] کئے ہیں (صرف) ان کی گنتی پوری کرلیں۔ پھر اللہ کریم کے حرام کئے ہوئے (مہینوں) ...

اپنی کتاب "الامالی" میں لکھا ہے:

وَ ذٰلِکَ لانھم کانوا یکرھون ان تتوالی علیھم ثلاثۃ أشھر لاتمکنھم الاغارۃ فیھا لان معاشھم کان من الاغارۃ ۹۰	"اور وہ یہ حرکت اس لئے کرتے تھے کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان پر تین مہینے متواتر اسطرح گذریں جن میں وہ غارت گری سے باز رہیں کیونکہ ان کا تو ذریعہ معاش ہی غارت گری تھا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ عرب کے جرائم پیشہ لوگوں کے لئے تو موسمِ حج، موسمِ بہار تھا جس میں وہ نہتے حجاج کرام کے قافلوں پر حملے کرتے اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیتے مکہ مکرمہ کے گرد و نواح میں اسلم اور غفار کے قبائل آباد تھے جو حجاج کرام کا زادِ راہ لوٹنے میں ضرب المثل بن چکے تھے۔ ۹۱

قبیلہ طے اگر حاتم طائی ایسے کریم النفس انسان پیدا کر کے ممتاز و معزز تھا تو دزدان طے نے بھی اس کی ناموری میں بڑا رول ادا کیا تھا۔ سلیک، ابن السلکہ اور تابط شرا عرب کے مشہور شعراء تھے لیکن ان کی شاعری کا تمام تر سرمایہ صرف اپنی چوری اور حیلہ گری کے فخریہ کارنامے تھے۔ ۹۲

مثلاً ابو تمام نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "حماسہ" میں "تابط شرا" کی شاعری کا جو عمدہ ترین نمونہ درج کیا وہ بھی اس کی غارت گری کا ایک واقعہ ہے۔ جس میں وہ کہتا ہے کہ میں نے ہذیل قبیلہ کی شاخ بنی لحیان کے شہد کے چھتوں پر حملہ کیا اور شہد نکالنے

---

۹۰ القالی، ابوعلی: الامالی، ج ۱، مطبوعہ مصر، ص ۶

۹۱ صحیح بخاری: ذکر اسلم و غفار

۹۲ شبلی، ندوی: سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲، لاہور، ص ۱۵

میں کامیاب ہوگیا۔ مگر فوراً ہی ان لوگوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے میرا تعاقب کیا۔ میں نے شہد کا مشکیزہ پہاڑ پر انڈیل دیا جس سے پتھر چکنے ہو گئے جن پر میں نے اپنا سینہ رکھا اور تیزی سے گھسٹتا ہوا نیچے اُتر آیا اور وہ لوگ دیکھتے رہ گئے۸۳

ے فوشت لھا صدری فزل عن الصفا ۔ بہ جؤجؤ عبل و متن مخصّر

ترجمہ: (میں نے بچاؤ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے) اپنا سینہ بچھا دیا تو وہ صاف چٹان پر پھسلتا گیا۔ وہ (میرا) سینہ اُبھرا ہوا اور باریک کمر تھا۔

ابو تمام کا "حماسہ" جو زمانہ جاہلیت کی شاعری کا ایک نادر روزگار مجموعہ ہے اس کا آغاز ہی قریط بن انیف نامی شاعر کے اس واویلا سے ہوتا ہے جو وہ اپنے اونٹوں کے لُٹ جانے پر کرتا ہے۸۴

ے لو کنت من مازن لم تستبح ابلی ۔ بنو اللقیطۃ عن ذھل بن شیبانا

ترجمہ، اگر میں مازن (کے بہادر) قبیلہ کا فرد ہوتا تو میرے اونٹ ذھل بن شیبان سے بنو لقیطہ کے لوگ مال مباح سمجھ کر نہ لوٹ کھاتے۔

اس لوٹ کھسوٹ، بدامنی اور غارت گری سے اگر کوئی قبیلہ یا قوم کا مال تجارت اور جان محفوظ تھے تو وہ بیت اللہ کی متولی اور مجاور قوم قریش تھی جسے اللہ کریم نے اپنے گھر کا ہمسایہ ہونے کی وجہ سے حفاظت اور شرافت کا اعزاز عطا فرما رکھا تھا۔ قرآن مجید نے اس انعام کا تذکرہ اس آیت مبارکہ میں کیا ہے:

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ (العنکبوت: ۶۷)	"کیا نہیں دیکھتے ہم نے حرم کو امن کا گہوارہ بنا دیا جب آس پاس کے لوگ اُچکے جاتے ہیں"

۸۳ ابو تمام: الحماسہ، اشعار تأبط شرا

۸۴ حوالہ بالا، اشعار قریط بن انیف

فصل ۶

متفرقات

اس عنوان کے تحت ہم ایسے متفرقات جمع کر رہے ہیں جنھیں کسی ایک عنوان کے تحت بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ موضوعات کسی بھی معاشرہ کی معاشی زندگی کا بڑا حصہ بنتے ہیں۔

۶:۱ میراث:

میراث تقسیم دولت اور گردشِ دولت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے جس کے ذریعے کسی بھی معاشرہ میں معاشی عدل قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ مگر زمانہ جاہلیت میں میراث صرف نوجوان تندرست و توانا مرد کو ملتی جو میدانِ جنگ میں مردانگی کے جوہر دکھا سکتا تھا۔[۸۵] عورتیں اور کمزور بچے اس سے محروم رہتے تھے[۸۶]۔ انہیں میراث میں سے حصہ دینا نادانی اور ظلم خیال کیا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ نہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں اُتر سکتے تھے اور نہ شمشیر زنی کے جوہر دکھا سکتے تھے۔ عورت تو بیچاری خود میراث میں ایک مال تصور کی جاتی تھی اور وارث خود یا جس کے حبالہ عقد میں چاہتا اس بے کس کو باندھ دیتا خواہ وہ ماں ہوتی یا بہن۔

۶:۲ مہر:

اسلامی معاشیات میں مہر بھی گردشِ دولت کا ایک ذریعہ بنتا ہے۔ مہر کی ادائیگی کا نظام زمانہ جاہلیت میں بھی موجود تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے احکامِ الٰہیہ کی روشنی میں اس نظام کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ اس کی اصلاح بھی فرمائی۔

۸۵ؐ طبری، ابن جریر، تفسیر، ج ۴، تفسیر آیت یوصیکم اللہ فی اولادکم

۸۶ؐ حوالہ مذکورہ۔

۶ : ۴ رہن :

رہن معاشی کاروبار میں اعتماد Credit کا ایک ذریعہ ہے۔ رہن بطور ذریعہ کے جاہلیت کے عربوں میں بھی رواج پذیر تھا۔ جب کوئی سرمایہ دار محتاج کو قرض دیتا تو اس کی کوئی قیمتی چیز یا زمین وغیرہ اپنے ہاں رہن رکھ لیتا تھا۔ مدینہ منورہ کے یہودی سرمایہ دار محتاجوں کے بچے اور بیویاں تک رہن رکھ لیا کرتے تھے۔

اس سلسلہ میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور یہودی سردار کعب بن اشرف کا وہ مکالمہ قابلِ توجہ ہے جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ قرض مانگنے کا بہانہ بنا کر اس دشمنِ اسلام کو ٹھکانے لگانے کا ارادہ لیکر گئے تھے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن اشرف سے کہا:

"ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں ایک وسق یا دو وسق غلّہ قرض دے دیں"۔ کعب نے کہا:

"قرض کے لئے اپنی بیویوں کو میرے پاس رہن رکھو"۔

محمد بن مسلمہؓ نے کہا: "تمہارے اس حُسن و جمال کے سبب سے ہمیں اپنی بیویوں پر وفاداری کا یقین نہیں"۔

اُس نے کہا: "اچھا اپنے بچے گروی رکھو"۔

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "اس سے تو تمام عرب میں ہماری بدنامی ہوگی۔ البتہ ہم اپنے ہتھیار گروی رکھیں گے اور آپ جانتے ہیں آج کل ان کی جیسی ضرورت ہے"۔[۸۷]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذرع ایک یہودی کے پاس کچھ غلّہ کے عوض گروی رکھی تھی۔[۸۸]

۶ : ۵ ۔ اجارہ

زمانہ جاہلیت میں اجارہ مالی اور اجارہ محنت دونوں مروّج تھے۔ نبی کریم صلی اللہ

---

۸۷ ۔ صحیح بخاری، کتاب جلد: ۲ قتل کعب بن اشرف۔

۸۸ ۔ حوالہ مذکورہ: کتاب الرھن

علیہ وسلم نے نبوت سے قبل اہل مکہ مکرمہ کی بکریاں چند قیراطوں کے عوض چرائیں[۸۹] سواری کے جانور کرایہ پر لئے دیئے جاتے تھے۔ زمین کی کاشت اور برداشت میں اجارہ کا نظام قائم تھا مگر یہ غریب مزارع کے استحصال کی ایک بدترین صورت تھی جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع قرار دے دیا۔

۵:۶ امانت

امانت معاشی رفاہیت کا ذریعہ بن سکتی ہے، بشرطیکہ امانتدار امین کو حفاظت کی اُجرت دے یا استعمال کی اجازت دے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ معتبر اور قابلِ اعتماد اشخاص کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔ اختلافات کے باوجود بھی کفار اپنی امانتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھتے تھے۔

امانت میں خیانت اس دور میں بھی معیوب سمجھی جاتی تھی۔ امین لوگوں کو معاشرہ میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ جاہلیت کے بعض امناء نے تاریخ انسانی میں اپنا نام ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے درج کرا دیا ہے۔ اس سلسلہ میں "سموئل بن عادیا" کا قصہ ضرب المثل ہے۔

اس کے پاس عرب کے مشہور ترین شاعر امرء القیس نے اپنی زرہیں اور اسلحہ امانت رکھا تھا۔ امرء القیس کی وفات کے بعد کندہ کا بادشاہ حارث بن ابی شمر الغسانی نے سموئل پر حملہ کر کے اس سے وہ زرہیں اور اسلحہ کا مطالبہ کیا۔ سموئل قلعہ بند ہو گیا مگر اس کا لڑکا باہر رہ گیا۔ بادشاہ نے اسے گرفتار کر لیا اور سموئل کو کہلا بھیجا کہ یا تو وہ اوزار واپس کر دیں یا اپنا لختِ جگر قتل کرالیں۔ تو سموئل نے یہ جواب کہلا بھیجا:

ـہ اقتل اسیرك انی مانع جاری[۹۰]

[۸۹] بخاری و ابن ماجہ: کتاب الاجارہ

[۹۰] بحوالہ ڈاکٹر یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظر...

ترجمہ: "تو اپنے قیدی کو موت کے گھاٹ اُتار، میں اپنے پناہ گیر کی حفاظت کرتا رہوں گا۔"

۶:۶ نظام مالیات

کیا زمانہ جاہلیت میں مختلف عرب ریاستوں یا شہروں کے سرداروں نے کوئی نظام مالیات بھی قائم کر رکھا تھا۔ اور اس نظام کے ذرائع کیا تھے اور طریقہ کار کیا تھا؟

اس بارے میں بہت کم معلومات ملی ہیں۔ البتہ ایک بات جو تمام شہروں کے سرداروں کے لیئے قدر مشترک کا درجہ رکھتی تھی وہ یہ تھی کہ وہ تمام اپنے ماتحتوں اور قبیلہ کے لوگوں سے ان کی آمدنیوں کا ایک مخصوص حصہ لیا کرتے تھے۔ پھر ان کے مخصوص علاقہ یا شہر میں کوئی تاجر آتا تو اس سے ٹیکس (مکس) لیا جاتا تھا۔ جنگوں یا لڑائیوں میں اگر مال غنیمت ملتا تو اس کا ایک مخصوص حصہ لیتے اور عموماً عمدہ اور زیادہ حصہ لیتے۔ جاہلیت کا ایک مشہور شاعر عبداللہ ابن عنمہ اپنے سردار کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

~ لك المرباع منها والصفايا وحكمك والنشيطة والفضول

ترجمہ: "اے سردار! تیرے لیئے مال غنیمت کا ¼ حصہ ہے۔ جو مال تقسیم ہونے سے رہ جائے وہ بھی تیرا ہے اور حکم بھی تیرا ہی چلتا ہے۔"

خصوصاً مکہ مکرمہ کے تاریخی واقعات بتاتے ہیں کہ جب اللہ کریم نے قریش کی سیادت "قصی بن کلاب" کو عطا فرمائی تو وہ ہر سال قریش کے کھاتے پیتے لوگوں کی آمدنیوں کے ایک حصہ ان کی رضا و رغبت سے وصول کرتے اور اسطرح جمع شدہ مالیات سے حجاج کرام کی خدمت کرتے۔ جا بجا پانی کی سبیلیں لگواتے۔ ان کے لیئے کھانا تیار کرا کے انہیں کھلاتے اور جن حجاج کا زاد راہ ختم یا فنا ہو جاتا انکی مدد کرتے تھے[91]

مکہ مکرمہ کے نظام مالیات کا دوسرا ذریعہ لاوارث ترکہ تھا جو "قصی بن کلاب"

۹۱۔ ابن ہشام: سیرۃ، ج۱، ذکر قصی بن کلاب۔

کو دے دیا جاتا کہ وہ حجاج کرام کی فلاح پر خرچ کریں۔[۹۲]

اس نظامِ مالیات کا ایک اور ذریعہ درآمدی محصولات بھی تھے۔ جو تاجر مکہ مکرمہ کی بین الاقوامی منڈی میں اپنا مال لاتا وہ "قصی بن کلاب" کو ایک مخصوص ٹیکس دیتا۔[۹۳]

درآمدی محصول کا یہ نظام جاہلی عرب کے دوسرے شہروں میں بھی رائج تھا۔ مثلاً طائف اور مدینہ منورہ۔ اور یہ محصول عموماً مالیت کا ۱/۱۰ حصہ ہوتا تھا۔[۹۴]

عرب میں لگنے والے تجارتی میلوں میں مال لانے والے تجار اس علاقہ کے سردار کو خراج یا محصول دیا کرتے تھے۔ مثلاً قبیلہ "ہوازن" کا دستور تھا کہ وہ "عکاظ" کے میلہ میں شرکت کے لئے ہر سال وہاں کے سردار زہیر بن حذیمہ کو محصول ادا کرتے۔[۹۵]

۶ : ۷ تقسیمِ دولت

جاہلی عرب کا نظامِ معاشیات موجودہ دور کے زمیندارانہ یا سرمایہ دارانہ نظام سے ملتا جلتا تھا۔ ایک طرف بڑے امیر، زمیندار اور سرمایہ دار تھے تو دوسری طرف غُرباء اور محتاج تھے۔ مدینہ منورہ کے یہودی سرمایہ دار "اوس" و "خزرج" پر غالب تھے اور غالباً ان مخالفانہ جذبات کا اثر ان کے دعوتِ اسلام کے قبول کرنے میں یہود پر پہل کی صورت میں بھی نکلا۔

مکہ مکرمہ میں قریش کے چند وڈیرے شہر کی تمام دولت پر قابض تھے۔ ولید بن مغیرہ، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، ابو العاص بن الربیع، عبداللہ بن جدعان، حضرت عباس

۹۲ے حمید اللہ ڈاکٹر، عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی، ج ۱، جامعہ ملیہ، دھلی، ص ۵۷

۹۳ے ارزقی : اخبارِ مکہ، ۱۰۷ بحوالہ ڈاکٹر یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے، ج ۱، کراچی ۱۹۷۴، ص ۹۶

۹۴ے حمید اللہ : حوالہ مذکورہ، ص ۵۷، یوسف الدین : اسلام کے معاشی نظریے، ص ۹۷

۹۵ے ابن اثیر : کامل، ج ۱، ص ۲۱۱ بحوالہ یوسف الدین، ص ۹۷

رضی اللہ عنہ، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ، اُمیہ بن خلف بہت دولت مند اور لکھ پتی افراد میں شمار ہوتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں امارت اور غربت کے اتنے بڑے تفاوت کے باوجود بظاہر امیر اور غریب کی آویزش کے آثار بالکل ہی نہ ملنے کے قابل ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ غرباء کی کثیر تعداد غلاموں پر مشتمل تھی اور جو آزاد رہ کر بھی مفلس و محتاج تھے، وہ اپنے حقوق کے لئے منظم ہو کر آواز بلند کرنے کے قابل ہی نہ تھے۔ دوسرا مکہ مکرمہ کے امراء کی ایک کثیر تعداد عادلانہ مزاج تھی اور وہ اپنی اپنی قوم کے محتاجوں کی کفالت کا خیال کیا کرتے تھے۔

طائف میں تقسیم دولت کی کیفیت مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے مختلف نہ تھی۔ یہاں بھی چند وڈیرے تمام دولت اور ذرائع دولت پر قابض تھے۔ قبیلہ ثقیف کے چار بھائی مسعود، عبدیالیل، حبیب اور ربیعہ تمام دولت کے مالک تھے[۹۶]۔

من حیث المجموع طائف کی پوری آبادی غریب اور امیر دو طبقوں میں تقسیم تھی۔ قبیلہ ثقیف کے دو طبقے تھے ایک احلاف دوسرا بنو مالک۔ احلاف زمیندار اور دولت مند تھے۔ مگر بنو مالک میں بھی جذبہ اتحاد تھا۔ لہٰذا وہ منظم ہو کر رہتے تھے، البتہ جس کی لاٹھی اُسی کی بھینس کے مطابق احلاف نے لڑجھگڑ کر بنو مالک کو طائف سے نکال دیا[۹۷]۔

۸:۶ آجر و مزدور کے تعلقات

آجر اور مزدور کے تعلقات میں اس دور میں بھی ناخوشگواریاں موجود تھیں مزدوروں کی کمزور جماعت کا ہمیشہ کی طرح جاہلی عرب میں بھی استحصال ہوتا رہا ہے۔ اس دور کے غریبوں اور کمزوروں کے اسلام کی دعوت قبول کرنے میں پہل کرنے کی سعادت پانے

۹۶؎ طبری، تفسیر، ج ۳، آیت "وذروا ما بقی من الربوٰ"۔

۹۷؎ ابن اثیر، الکامل، ج ۱، ذکر غلبۃ الثقیف۔

کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اسلام انسانی مساوات، ہمدردی اور بھائی چارہ کا داعی تھا (اور ہے) اور سرمایہ داروں اور وڈیروں کے اسلام نہ قبول کرنے یا تاخیر سے قبول کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ غریب اور امیر، مزدور اور سرمایہ دار برابر سمجھے جائیں۔ یہ بحث انشاء اللہ آگے آئے گی۔

زمانہ جاہلیت میں اُجرت پر خدمت لینے کا عام رواج تھا۔ دورانِ ہجرت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مُشرک عبداللہ بن اُرَیقِط کی خدمات راہ دکھانے کے لیئے اُجرت پر لیں[۹۸]۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کی بکریاں اُجرت پر چرائیں۔ ہر بکری چرانے کی اُجرت صرف ایک قیراط ہوا کرتی تھی[۹۹]۔

واقعہ بدر کے بعد جب قریش نے اپنے تجارتی قوافل کا شامی راستہ غیر محفوظ سمجھ کر عراقی راستہ اختیار کیا تو قبیلہ بکر بن وائل کے ایک راہ شناس فرات بن حیان کو رہبری کے لئے اُجرت پر رکھا[۱۰۰]۔

مویشی چرانے کے لئے ملازم اُجرت پر رکھے جاتے تھے۔ طبریؒ نے ایک واقعہ اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی کا نقل کیا ہے[۱۰۱]۔

مزدوروں پر ظلم کی داستانیں بھی اس دور کی ملتی ہیں۔ جو اس مظلوم طبقے کی بے لبسی اور سرمایہ دارانہ طبقہ کی بالادستی کا پتہ دیتی ہیں۔ قریش کے ایک شخص نے آل بنی ہاشم

---

[۹۸] بخاری: واقعہ ہجرت

[۹۹] طبری: تاریخ۔ ص ۴، ۵۱۳

[۱۰۰] ابن ماجہ: السنن، ج ۲، باب الصاعات

[۱۰۱] طبری: تاریخ، ص ۱۱۲۷

کے ایک مزدور کو صرف ایک رسّی (ڈوری) کے بدلے میں قتل کر دیا تھا۔ اس کی اطلاع ابوطالب کو ہوئی تو انہوں نے دو اونٹ اور اڑتالیس (۴۸) قریشیوں کے اپنی بے گناہی کی قسم کھانے پر یہ معاملہ قتل طے کر دیا۔ بخاری شریف میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ درج ہے[۱۱۲] وہاں دیکھا جا سکتا ہے۔

الغرض یہ مختصر بیان ہے جاہلی عرب کے معاشی نظام کا۔ بظاہر اس نظام میں زمیندارانہ نظام Feudalism اور سرمایہ دارانہ نظام Capitalism کی تمام خرابیاں موجود تھیں جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکاماتِ الٰہیہ کی روشنی میں اصلاح فرمائی۔

---

[۱۱۲] بخاری: کتاب القسامت، بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ

باب ۲

ولادت باسعادت تا آغاز نبوت آپ کی زندگی کے معاشی حالات

۲ : ۱۔ وِلادت باسعادت کے وقت والدین کی مالی حالت

وہ سعادت مند بچہ جس کی ولادت کے مبارک موقع پر انسانیت کے خزاں دیدہ گلشن میں ایمان کی بہار آئی۔ کفر کے ایوانوں میں خاک اُڑنے لگی اور ھدایت کی محفلیں جمیں۔ ایوانِ کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے، آتش کدۂ فارس بُجھ گیا۔ اور دریائے سادہ خشک ہوگیا۔ جس بچہ نے آگے چل کر خاتم النبیّن، سردارِ رُسل، شافعِ محشر، شاہِ حرم اور شہنشاہِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) بنتا تھا۔ وہ جب عالمِ قدس سے عالمِ امکان میں تشریف لایا تو والدین مالی اعتبار سے مُفلس تھے۔

والد عبداللہ بن عبدالمطلب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش سے قبل ہی وفات پا گئے تھے۔ یوں غربت کے ساتھ یتامت کا بندھن آپ کے اس جہانِ رنگ وبُو میں جلوہ افروز ہونے سے پہلے ہی بندھ گیا۔

والد نے وراثت میں صرف پانچ آوارِک[1] اونٹ، چند بھیڑیں اور ایک لونڈی

---

[1] آوارک اُن اونٹوں کو کہتے ہیں جو درخت آوارک (پیلو) کے پتے کھا کر گذارہ کرتے ہیں۔

اُمِّ ایمن (جن کا اصل نام برکتہ تھا) چھوڑی[۲]

یتیم کا والد اپنی وفات کے بعد اگر کوئی قابلِ ذکر جائیداد چھوڑ جائے یا والدہ مالدار ہو تو یتامت کی تلخیاں کچھ کم ہو جاتی ہیں۔ مگر حکیم کی حکمت کو کون جانے، یہاں تو معاملہ ہی مختلف تھا۔ باپ کی وراثت اتنی نہ تھی جسے استعمال کر کے یہ معصوم بچہ اپنے بلوغ کی حدود میں داخل ہو جاتا اور والدہ کی مالی حالت کو کسی طور آسودہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

۲:۲ رضاعت

شرفاءِ مکہ کا یہ طریقہ تھا کہ ان کے شیر خوار بچے دیہاتوں اور صحراؤں میں دودھ پلانے کے لئے بدّؤوں کے پاس بھیجے جاتے۔ تاکہ ان میں پل بڑھ کر وہ فصیح عربی سیکھیں اور شہر کا سوقیانہ انداز نہ اپنائیں۔

حضرتِ آمنہ چاہتی تھیں کہ اس کا یتیم بھی دیہاتی بدّؤوں کے پاس پلے اور فصاحت کے جوہر پیدا کر لے۔ اس مفلس کی یہ چاہت اس مہربان ماں کی طرح تھی جو اپنے لختِ جگر کو سب سے بڑا اور اچھا دیکھنا چاہتی ہے مگر یہاں اُسے دولت مند کی خواہمخواہ پذیرائی اور غریب سے بے اعتنائی کے تلخ تجربے سے گذرنا پڑا، جب قبیلہ بنی سعد بن بکر کی دس عورتیں مکہ مکرمہ کے شرفاء کے بچوں کو دودھ پلانے کی غرض سے لینے آئیں[۳] ان کے ساتھ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ان تمام عورتوں کا گذر آمنہ کے دُرِّ یتیم بھی ہوا۔ اور ان سب پر آپ کو پیش بھی کیا گیا مگر آمنہ کے لال کو اس کی یتامت اور ظاہری غربت کی بناء پر کوئی بھی لینے کے لئے آمادہ نہ ہوئی۔ اس بے مہربان

---

[۲] ابن سعد، محمد: الطبقات الکبریٰ، ج ۱، بیروت، ص ۱۰۱۔

[۳] ابن سعد، طبقات، ج ۱، رضاعت، ص ۱۱۰۔

ماں کے درد بھرے دل پر کیا گذری ہوگی۔ اس کے بیان سے کاغذ کا سینہ اور قلم کی نوک دونوں عاجز ہیں۔ شاید اس کا اندازہ وہ شخص کر سکے جو صرف اس لئے بے وقعت سمجھا گیا ہو کہ وہ غریب ہے اور اس کے سامنے دولت مند کی عزت افزائی صرف اس لئے کی جا رہی ہو کہ وہ امیر ہے۔

حلیمہ سعدیہؓ کے الفاظ پڑھیئے:

قالت حلیمة سعدیة (رضی اللہ عنہا): فقدمنا مکة فو اللہ ما علمت منا امرأة الا وقد عرض علیها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قیل انہ یتیم ترکناہ۔ قلنا: ماذا عسیٰ ان تصنع الینا أمہ؟ انما نرجو المعروف من أب الولد فاما امہ فماذا عسیٰ ان تصنع الینا؟ ۔ فو اللہ ما بقی من صواحبی امرأة الا اخذت رضیعا غیری ۔ فلما لم نجد غیرہ واجمعنا الانطلاق قلت لزوجی الحارث بن عبد العزی: واللہ انی لاکرہ ان ارجع من بین صواحبی لیس معی رضیع، لانطلقن الی ذلک الیتیم فلاخذنہ ۔ قال: فخلیک ان تفعلی فعسی ان یجعل اللہ لنا فیہ برکة فذھبت فاخذتہ " [۲]

ترجمہ: حضرت حلیمہ سعدیہ (رضی اللہ عنہا) کہتی ہیں: ہم (چند عورتیں) مکہ مکرمہ پہنچیں، اللہ کریم کی قسم! ہم میں سے مجھے کسی ایسی عورت کا پتہ نہیں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نہ کیا گیا ہو۔ مگر جب یہ کہا جاتا کہ آپ یتیم ہیں، تو آپ کو چھوڑ کر آگے چلی جاتیں۔ ہم کہتیں: اس بچے کی والدہ ہمارے ساتھ کیا احسان کریں

---

[۲] ابن کثیر: البدایة والنہایة، مکتبہ المعارف، بیروت ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء، ص ۲۷۳

گی" اللہ کریم کی قسم! میرے سوا میری ساتھی عورتوں میں سے کوئی ایسی نہ رہی جسے دودھ پلانے کے لئے کوئی بچہ نہ مل گیا ہو۔ پھر جب مجھے کوئی بچہ نہ مل سکا اور ہم واپس روانگی کے لئے اکٹھی ہوئیں تو میں نے اپنے خاوند حارث بن عبدالعزیٰ سے کہا؛ دیکھئے مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ میں اپنی ساتھ والیوں کے درمیان بغیر بچے کے جاؤں۔ میں تو اسی یتیم بچے کو لینے جاتی ہوں۔ میرے خاوند نے کہا، تمہیں ایسا کر لینا چاہیئے۔ شاید اللہ کریم اس بچے کو ہمارے لئے برکت کا موجب بنا دے۔ میں گئی اور بچے کو لے آئی۔"

صحیح روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۶ سال کی عمر تک حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رہے۔

۲.۳ والدہ کی وفات اور دادا کی کفالت:

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چھ۶ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ محترمہ آپ کو آپکے ننھیال بنی نجار سے ملانے مدینہ منورہ لے گئیں، ساتھ ساتھ ان کے دکھیا دل میں یہ بھی آرزو تھی کہ بچہ اپنے بچھڑ جانے والے ان دیکھے باپ حضرت عبداللہ کی قبر دیکھ کر اپنی ترستی ہوئی آنکھیں ٹھنڈی کر لے گا۔ اُم ایمن بھی ساتھ تھیں۔

مدینہ منورہ سے واپسی پر راستہ میں حضرت آمنہ بیمار ہوئیں اور مقام "ابواء" پر پہنچ کر انتقال فرما گئیں۔ یوں اللہ کریم نے آپ سے آپ کا مخلص ترین سہارا چھین لیا اور عبداللہ کے مفلس دُرِّ یتیم کی قبا میں درد کا ایک اور پیوند لگ گیا۔

حضرت آمنہ کی وفات کے بعد آپ کی معاشی کفالت آپ کے دادا عبدالمطلب نے اپنے ذمہ لی۔ عبدالمطلب نے یہ مقدس فریضہ کس طرح انجام دیا، اس کی تفصیلات نہیں مل سکیں۔ البتہ ابنِ سعدؒ نے یہ لکھا ہے کہ آپ یتیم پوتے کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ عبدالمطلب کی

کی یہ نوازشات صرف ۲ سال تک باقی رہیں جب آپ کی عمر آٹھ سال ہوئی تو وہ بھی انتقال کر گئے۔ اسوقت ان کی عمر ۸۲ سال تھی۔ ان کی وفات سے مکہ مکرمہ کی سیادت اور بیت اللہ کی صیانت خاندان بنوہاشم سے بنوامیہ کی طرف منتقل ہوگئی۔ ان کے بیٹے حضرت عباسؓ کے ساتھ صرف سقایہ (حجاج کرام کو پانی پلانے) کی سعادت باقی رہ گئی۔

۴:۲۔ ابوطالبؓ کی کفالت ؛

عبدالمطلب کی وفات کے بعد ان کے بیٹے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب نے آپ کی کفالت کی ذمہ داری قبول کی۔ عبدالمطلب کے دس بیٹوں میں ابوطالب ہی آپ کے حقیقی چچا تھے۔ اب چونکہ سیادت اور اقتدار بنوامیہ کے پاس منتقل ہوگیا تھا اور ابوطالب کثیر العیال اور قلیل المال تھے[ه] لہٰذا آپ کی کفالت اسطرح نہ ہوسکی ہوگی جس کے آپ مستحق تھے۔ پھر بھی وہ آپ کو اپنی اولاد سے عزیز تر سمجھتے تھے۔ سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتے سونے، کھانے میں شریک رکھتے۔ قرآن مجید نے ابوطالب کے اس کریمانہ سلوک کو اللہ کریم کے احسان کے طور پر ذکر کیا ہے۔

"اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ؛ کیا تمہیں نہ پایا یتیم، پھر ٹھکانا دیا"

(الضحیٰ ۶:)

ه ابوطالب کی کثیر العیالی اور قلیل المالی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے ان کے بیٹے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی کفالت حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمہ لی۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر کا علاج اللہ کریم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے مال سے کیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کفالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمائی۔

اس طرح حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے اسباب تجارت کو شام لے جانے کے لئے ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ترغیب دی تو جس سبب پر سب سے زیادہ زور د ... وہ ان کی مالی پسماندگی تھی۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اس شفیق چچا نے اپنے یتیم بھتیجے کی معاشی کفالت، نصرت وحمایت اور تکریم وتجمیل میں اپنی بساط کے مطابق کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

قادر کریم کی قدرت کاملہ کی نیرنگیاں بھی ملاحظہ کیجئے کہ جو بظاہر دوسروں کی کفالت کا محتاج نظر آتا ہے۔ وہ کفالت کرنیوالے چچا اور تمام اہل مکہ کی معاشی خوشحالی کا سبب بھی بنتا ہے۔ جن دنوں آپ ابوطالب کی کفالت میں تھے مکہ مکرمہ میں ایک عرصہ تک بارش نہ ہوئی۔ مکہ مکرمہ جو قدرتی طور پر ہی بے آب وگیاہ آبادی ہے اس کی خشکی اور بے کیفی کی کیا حالت ہوگی؟ مکمل قحط کا دور دورہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بالغ تھے۔ ابوطالب نے اہل مکہ کے ساتھ مل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا اور بیت اللہ کے دروازے پر لاکھڑا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیٹھ بیت اللہ کی دیوار کیساتھ لگائی اور عاجزی اور الحاحت کے انداز میں اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی۔ اور عرش کے کریم سلطان سے بندوں کے لئے وہ رزق طلب کیا جو آسمانوں میں بندوں کے لئے رکھا ہے:

فی السّماء رزقکم و ما توعدون۔ (الذٰریٰت ۲۲)

"آسمانوں میں تمہارا رزق ہے اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔"

آن کی آن میں آسمان بادلوں سے ڈھک گیا، موسلادھار بارش ہوئی۔ انسان وحیوان سیراب ہوئے اور یوں قحط وتنگی کے آثار ختم ہوگئے۔ اس مبارک موقع پر ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ کہا تھا۔ ایک شعر پڑھیئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غرباء ومساکین کے لئے فکری پرواز کا اندازہ لگائیے۔

؎ وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْہِہٖ

ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِلْاَرَامِلِ

ترجمہ: "اور وہ روشن چہرے والے (صلی اللہ علیہ وسلم) جن کے منور چہرہ کی برکت سے بارش کی دعا کی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کا ملجا وماویٰ اور بیوگان کیلئے ذریعہ عزت وعصمت ہیں۔"

نہ جانے ابوطالب کی قیافہ شناسانہ حس کس قدر قوی تھی، یا قادر و کریم کی حکمت تھی کہ ابوطالب سے اس حقیقت کا اظہار قبل از وقت کرا دیا جس کا انتظار کارکنان قضا و قدر کو بھی ایک مدت تک کرنا پڑا۔ غالباً یہ غریبوں اور بے کسوں کے لئے آپ کے نظام کفالت کا دیباچہ تھا جسے ابوطالب نوشتہ دیوار سمجھ کر پڑھ رہے تھے۔

۵:۲۔ گلہ بانی :

حکیم کی حکمت کو کون جانے کہ تقریباً تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام سے بکریاں چروائیں۔ لیکن بکریاں چرانے والوں میں چند ایسی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں جو عام انسانوں میں نہیں ہوتیں۔ بکریوں کا چرواہا جفاکش، نرم دل اور بردبار ہوتا ہے۔ بکری فطرۃً تیز اور طبعاً نہایت کمزور ہوتی ہے۔ اگر ڈھیلا چھوڑ دیا جائے تو کہیں سے کہیں نکل جائے اور اگر غصہ میں آ کر لاٹھی ماریں تو جوڑ بند ٹوٹ جائے۔ لہٰذا اس کے چرواہے کو بڑی سمجھداری، ہوشیاری اور بُردباری سے کام لینا پڑتا ہے۔ ھدایت سے خالی انسان بکری سے کہیں زیادہ آوارہ اور ناصح کی نصیحت سے دور بھاگنے والا ہوتا ہے۔ نبی (علیہ السلام) کو ایسے انسانوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے بکریوں کے چرواہے کا کام کرنا پڑتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دس بارہ برس کے ہوئے تو بکریاں چرانا شروع کیں۔ یہ انسانیت کی گلہ بانی کا دیباچہ تھا۔ حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من نبی الا وقد رعی الغنم۔ قیل و انت یارسول اللہ! قال: وانا، انا رعیتھا لاھل مکۃ بالقراریط[۱]

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی نبی ایسے مبعوث نہیں ہوئے جنہوں نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ دریافت کیا گیا کیا آپ نے بھی یارسول اللہ؟ فرمایا ہاں میں نے

---

[۱] بخاری صحیح، کتاب الاجارۃ۔

بھی ۔ میں اہل مکہ کی بکریاں قراریط[۵] پر چراتا تھا۔

ایک دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[۵] قراریط کی تحقیق میں اختلاف ہے۔ ابن ماجہ کے استاد سوید بن سعیدؒ کی رائے ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے۔ قیراط درہم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک اس حدیث کی رُو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُجرت پر اہل مکہ کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ان معانی کی دوسری دلیل یہ ہے کہ امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو باب الاجارۃ میں نقل کیا ہے۔

ابراہیم حربیؒ کی تحقیق کے مطابق قراریط ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کے محلہ اجیاد کے قریب ہے۔ ابن جوزیؒ نے اس قول کو پسند کیا ہے۔ علامہ عینیؒ نے اس حدیث کی شرح میں تمام مختلف اقوال نقل کر کے قوی دلائل سے ابن جوزیؒ کی رائے کو درست قرار دیا ہے۔

(علامہ عینیؒ: شرح عینی، ج ۶، ص ۶۳۱)

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چرائیں تو یہ آپ کی عظمت کی دلیل ہے۔ بھلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون غیور، خود دار اور اپنے دستِ بازو سے اللہ کریم کا حلال رزق کمانے والا ہو گا؟ پھر بکریاں چرانا عربوں میں ایک قابلِ قدر پیشہ تھا۔ بڑے بڑے شیوخ اور امراء کے بیٹے بکریاں چرایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے معزز ترین منصب پر فائز ہوئے تو کئی بار آپ نے بکریاں چرانے کا تذکرہ خوش ہو کر کیا۔

ایک دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ جنگل تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام جھڑ بیریاں توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو خوب سیاہ ہوتے ہیں وہ زیادہ مزیدار ہوتے ہیں۔ یہ میرا اس زمانہ کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں یہاں بکریاں چرایا کرتا تھا۔

(طبقات ابن سعدؒ، ج ۱، بخاری کتاب الاجارۃ)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

"موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے وہ بھی بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ داؤد علیہ السلام مبعوث ہوئے تو وہ بھی بھیڑ بکریاں چراتے تھے۔ میں مبعوث ہوا تو میں اجیاد میں اپنے لوگوں کی بکریاں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

یہ بات قرین قیاس ہے کہ آپ نے اپنے غریب چچا ابو طالب کا مالی تعاون کرنے کے لئے اُجرت پر بکریاں چرانا قبول فرما لیا ہو۔ جب آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت لیکر شام لیجانے پر تیار ہو گئے تھے تاکہ اپنے چچا کا فقر کم کر سکیں تو ان ہی کے فقر کو دور کرنے کے لئے بکریاں اُجرت پر چرانا کیونکر معیوب ہوتا؟ علاوہ ازیں کیا بکریاں اُجرت پر چرانا شانِ نبوّت کے خلاف ہے؟ اگر خلاف سمجھا جائے تو اس وقت آپ پر باقاعدہ وحی آنا شروع نہیں ہوئی تھی۔ مگر میری رائے میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اپنی اُمّت کو محنت کر کے کمانے کی ترغیب دی ہے۔ وہ لوگ جو کمانے کو شانِ نبوّت یا شانِ علم کے خلاف سمجھتے ہیں یہ ان کی بہت بڑی بھول ہے اور اس کا خمیازہ آج پوری انسانیت بھگت رہی ہے۔ علمائے اسلام اور دینی شخصیتوں کی معاشی پسماندگی اور نتیجتہً معاشرہ میں اُن کی بے اثری کی وجہ یہی ہے کہ علمائے کرام معاشی طور پر مضبوط نہیں۔ وہ اپنی حاجات اصلیہ کی تکمیل کے لئے بھی بسا اوقات سرمایہ داروں اور عام لوگوں کے محتاج نظر آتے ہیں۔ ان کی اس محتاجی اور بے اثری کا نتیجہ یہ ہے کہ دین اور دینداروں کا غلبہ ختم ہو گیا ہے جس کی سزا میں پوری انسانیت دین کی برکات سے محروم ہے۔ یہ نکتہ خوب سمجھنے کی ضرورت ہے کہ حُبِّ مال Mamonism اور ضرورتِ مال میں فرق ہے۔ مجھے اس موقع پر حضرت سفیان ثوریؒ کا قول نقل کر کے روحانی خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ فرماتے ہیں :

قال کان المال فیما مضیٰ یکرہ فاما	"آپ نے فرمایا، اگلے زمانہ میں مال ناپسندیدہ
الیوم فھو ترس المؤمن وقال لو لا	شے تھا۔ اور اس زمانے میں مال مومن کی آبرو

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو:

چرایا کرتا تھا شہ

۲:۶۔ تجارتی شغل:

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوان ہوئے تو آپ نے تجارت کو معاشی ذریعہ بنایا۔ اس انتخاب کی وجوہ میں سے نمایاں وجہ یہ تھی کہ آپ کے خاندان بنو ہاشم اور قریش مکہ تجارت پیشہ تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد تجارت ہی کی وجہ سے شہرت رکھتے تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ تجارت ہی کی غرض سے شام تشریف لے گئے اور واپسی پر مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور وہیں انتقال کر گئے۔

اس کی دوسری وجہ مکہ مکرمہ کی زمین کا سنگلاخ اور بے آب وگیاہ ہونا ہے۔ ایسی زمین کا باسی تجارت یا صنعت کے علاوہ اور کونسا پیشہ اختیار کر سکتا ہے؟

اس کی ایک تیسری وجہ یہ بھی ہے وہ حکمتِ الٰہیہ ہے۔ جس حکیم نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بکریاں چروا کر اس میں بُردباری، ہوشیاری اور سمجھداری کی صفات پیدا کرنا تھیں، اسی ذاتِ کریم نے انہی صفاتِ عالیہ کی تکمیل تجارتی تجربات کے ذریعے کرائی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

هٰذہ الدنانیر لتمندل بما هٰؤلاء الملوك – وقال من كان في يده من هٰذه شيئ فليصلحه فانه ... ما ان احتاج كان اوّل من يبذل دينه۔ (مشکوۃ)

کیلئے ڈھال ہے۔ آپ نے مزید فرمایا۔ اگر یہ دنانیر (ہمارے پاس) نہ ہوتے تو یہ بادشاہ (سرمایہ دار) ہمیں رومال (بے وقعت) بنا لیتے۔ مزید فرمایا جس شخص کے پاس کچھ مال ہو وہ اسکی اصلاح (بڑھانے کی کوشش) کرے۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں کوئی محتاج ہوگا تو سب سے پہلے اپنے دین کو اپنے ہاتھوں گنوائیگا۔"

شہ ابن سعد، طبقات، ج ۱، ص ۱۲۶۔

تجارت انسان میں قائدانہ صلاحیتیں پیدا کرتی ہے تجارتی اسفار کے دوران خطرات سے بچاؤ اور دفاع کی تراکیب، خرید و فروخت میں فرزانگی، معاملہ فہمی، بات چیت کا ڈھنگ، اپنی بات دلائل سے منوانے کا سلیقہ، مختلف علاقوں اور ممالک کی سیاحت اور ان کی احوال و اخبار کا علم، لوگوں کی طبائع کا اندازہ بے شمار خوبیاں ہیں جو انسان میں تجارت کے ذریعے پیدا ہوتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام صفات اپنے اندر بدرجہ اتم پیدا کر لی تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ رہ کر اور ان کے ساتھ بعض تجارتی سفر کر کے تجارتی معاملات کا تجربہ حاصل کر لیا تھا۔ آپ کے تجارتی اخلاق کا ہر شخص گرویدہ تھا تجارتی کاروبار میں جو صفت سب سے زیادہ تجار اور گاہکوں کی توجہ کسی تاجر کی طرف مبذول کراتی ہے وہ صدق اور امانت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو گویا ان صفات کے موجد تھے۔ امین کے لقب سے تو آپ دشمنوں میں شہرت پا چکے تھے۔ لوگ اپنا سامانِ تجارت آپ کے سپرد کرنے یا آپ کی حصہ داری کے لئے بے چین رہتے تھے۔

تجارتی معاملات میں "معاملات کی صفائی" آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر تجارت کی تھی۔ جب یہ مسلمان ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے سامنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی۔ حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے کہا:
"واہ! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم حضرات سے زیادہ جانتا ہوں۔ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جائیں۔ آپ میرے شریکِ تجارت تھے۔ آپ ہمیشہ معاملہ صاف رکھتے تھے" [۹]

عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "زمانہ جاہلیت میں میں آپ کا شریکِ تجارت تھا۔

---

[۹] ابوداؤد: السنن، ج ۲، مطبع محمدی، ص ۳۱۷۔

جب اسلام قبول کرنے کے بعد حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے سوال کیا۔ مجھے پہچانتے بھی ہو؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں "۔

كنت شريكي فنعم الشريك لا تداری ولا تماری[۱۰]	آپ تو میرے شریک تجارت تھے اور کیا ہی اچھے شریک تھے۔ نہ کسی بات کو ٹالتے تھے نہ ہی تکرار کرتے تھے "۔

ایک اور صحابی حضرت قیس بن سائب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زمانہ قبل از نبوت میں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر تجارت کی :

وكان خير شريك لا يماری ولا يشاری[۱۱]	"آپ بہت ہی اچھے شریک ہوتے تھے نہ تکرار کرتے نہ جھگڑتے "۔

تجارتی معاملات میں وعدہ کی پاسداری تاجر کی بہت بڑی خوبی سمجھی جاتی ہے جو کہ کاروبار تجارت کی کلیدِ کامیابی بھی ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایفائے عہد کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔

ایک صحابی حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء رضی اللہ عنہ نے نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تجارتی معاملہ کیا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں :

" میرے اور آپ کے درمیان کچھ لین دین طے ہو چکا تھا اور کچھ طے ہونا باقی تھا۔ میں وعدہ کر کے گیا کہ واپس آتا ہوں۔ مگر میں بھول گیا اور تین دن تک مجھے وعدہ یاد نہ آیا تیسرے دن جب میں اس مقام پر پہنچا۔ دیکھا تو آپ وہاں موجود تھے۔ مگر آپ ناراض نہ ہوئے صرف اتنا فرمایا : " تم نے مجھے انتظار کی زحمت دی میں یہاں تین دن سے ہوں "۔[۱۲]

---

[۱۰] اصابہ فی تعریف الصحابہؓ : عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ۔

[۱۱] ایضاً ، ترجمہ قیس بن سائب رضی اللہ عنہ۔

[۱۲] حوالہ بالا۔ ترجمہ عبداللہ بن ابی الحمساء ۔ ابو داؤد : السنن ج ۲ باب العِدَہ

۲.۷ حلف الفضول کی معاشی دفعات

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۲۰ سال ہوئی تو آپ نے حلف الفضول میں شمولیت فرمائی[۱۳] جو امن بقائے باہمی اور معاشی استحصال کے خاتمہ کے لئے ایک مخلصانہ کوشش تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ملنے کے بعد بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے اس قسم کے معاہدہ کی طرف آج بھی دعوت دی جائے تو میں بخوشی شامل ہونے کو تیار ہونگا[۱۴]

عربوں میں لوٹ کھسوٹ اور جنگ وجدل کا سلسلہ تو نہ تھمنے والا تھا۔ مگر حرب الفجار[۱۵] کے بعد جرہم اور قطورا قبیلہ کے تین نیک طینت بزرگوں فضل بن قضالہ، فضل بن وداعہ اور فضیل بن حارث نے ایک معاہدہ ترتیب دیا جو انہی کے نام پر "حلف الفضول"[۱۶] مشہور ہوا۔ اس معاہدہ کا مقصد ظلم و تعدی اور معاشی استحصال کا خاتمہ تھا۔ یہ معاہدہ کچھ عرصہ چلا مگر بعد میں شر پسند مزاجوں اور خوگر ظلم طبیعتوں نے اسے پس پشت ڈال دیا۔

ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی نوعیت خالصاً معاشی ظلم کی تھی۔ اس نے "حلف الفضول" کی تجدید کی ضرورت محسوس کرائی۔ یہ ذیقعدہ یا شعبان ۲۰ قبل از نبوت کی بات ہے قبیلہ زبید کا ایک شخص اپنا سامانِ تجارت لے کر مکہ مکرمہ کی عالمی منڈی میں پہنچا۔ عاص بن وائل نے اس کا سامان تجارت خریدا مگر ادائیگی قیمت سے مکر گئے وہ عبدالدار، مخزوم، جمح، سہم اور عدی بن کعب کے پاس گیا اور ان سے اپنے مال کی

---

[۱۳] ابن کثیر: البدایۃ والنہایۃ، بیروت، ج ۲ ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء، ص ۲۹۱

[۱۴] ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، ج ۱، بیروت، ص ۱۲۹

[۱۵] حرب الفجار: یہ معرکہ قریش اور آل قیس کے درمیان پیش آیا۔ اوّل قیس اور بعد میں قریش غالب آئے مگر جنگ کا خاتمہ صلح پر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت ابن ھشام کے قول کے

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

قیمت کی وصولی کے لئے مدد چاہی۔ مگر یہاں اُسے اور بھی آثار نظر آئے جب اس نے اپنا مال ڈوبتا دیکھا تو طلوع آفتاب کے وقت "جبل ابی قیس" پر چڑھ کر پکارنے لگا۔ اس وقت قریش بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔

؎ یاآل فهر لمظلوم بضاعتہ ببطن مكة نائی الدار والنفر

ترجمہ: "اے آلِ فہر! ایسے مظلوم کی پکار سنو، جس نے اپنا سامان تجارت مکہ مکرمہ میں لٹا لیا۔ وہ اس گھر کی مدد کی پکار کرتا ہے"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے قریش مکہ کو اس کی مدد کو کہا اور انہیں یہ ترغیب بھی دی کہ وہ حلف الفضول کی بھی تجدید کریں۔

زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر بنوہاشم، بنوالمطلب، بنواسد، بنوتمیم اور بنوزہرہ عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے۔ انہوں نے سب کا کھانا تیار کیا۔ اس وقت سب نے مل کر حلف الفضول کے عہد کو تازہ کیا۔ اس معاہدے کی بڑی بڑی دفعات مندرجہ ذیل تھیں: ۱: ہم ملک سے بے امنی کا قلع قمع کریں گے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

مطابق ۱۴ سال تھی اور محمد بن اسحاق کی تحقیق کے مطابق ۲۰ سال تھی۔ (دیکھئے سیرت ابن ہشام عنوان "حرب الفجار")

۱۱۱ حلف الفضول: حلف الفضول کے لغوی معنی ہیں فضول کی قسم۔ اس معاہدہ کے تمام مؤیدین کے ناموں کا آغاز فضل سے ہوتا ہے فضل کی جمع فضول ہے لہٰذا اس معاہدہ کا نام "حلف الفضول" پڑا لیکن امام سہیلیؒ نے اس نام کی وجہ یہ فرمائی ہے کہ اس معاہدہ میں یہ الفاظ تھے "ترد الفضول علی اهلها" (فضول افضل نامی اشخاص) حقوق (ان کے) حقداروں کو واپس دلائیں گے) گویہ معاہدہ بیکار گیا اور کسی کو یاد بھی نہ رہا اور قریش کو اسکی تجدید کرنا پڑی مگر اسکے بانیین کی نیک نیتی کی قدردانی کے طور پر اللہ کریم نے ان کے نام کی یادگار کو دوام بخشا۔

۲: ہم مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے۔

۳: ہم غریبوں کی امداد کیا کریں گے۔

۴: ہم طاقتور کو کمزوروں کا استحصال کرنے سے روکیں گے"[۱۷]

زبیر بن عبدالمطلب نے اپنے دو شعروں میں ان دفعات کا یوں ذکر کیا ہے۔

إن الفضول تعاهدوا و تحالفوا — الا یقیم ببطن مکة ظالم

أمر علیه تعاقدوا و تواثقوا — فالجار والمعتر فیهم سالم[۱۸]

ترجمہ ۱: فضول (فضیلت والے بزرگوں) نے عہد کیا اور قسم کھائی کہ مکہ مکرمہ میں کوئی ظالم نہیں رہ سکے گا۔

۲: انہوں نے اس بات پر عقد اور پختہ عہد کر لیا ہے کہ اب ہمسایہ اور مسافران کے درمیان امن وسلامتی سے رہیں گے۔

ہر شخص جو قومی اور بین الاقوامی معاشیات کے معاملات کی ادنیٰ سوجھ بوجھ بھی رکھتا ہے وہ جب اس معاہدہ کی دفعات پر طائرانہ نگاہ ڈالے تو اُسے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ ان دفعات کا تعلق معاشی مسائل کے حل سے ہے مثلاً بے امنی ہی کو لیں وہ قومی اور بین الاقوامی اقتصادیات پر کیا اثر ڈالتی ہے۔ بدامنی کے دنوں میں قومی معیشت سکڑ کر رہ جاتی ہے معاشی سرگرمیاں رک جاتی ہیں یا کم از کم ہو جاتی ہیں۔ کارخانوں میں کام رُک جاتا ہے۔ پیداوار کم ہو جاتی ہے قیمتیں چڑھ جاتی ہیں اور بے روزگاری میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ بدامنی کے زمانہ میں بیرونی سرمایہ کاری رک رک کر آتی ہے۔ بیرونی تاجر ملکی منڈیوں میں دلچسپی لینا کم کر دیتے ہیں جس کے ملکی معیشت پر بُرے اثرات پڑتے ہیں۔

---

[۱۷] سہیلی، عبدالرحمن: روض الانف (شرح سیرۃ ابن اسحاق) عنوان "حلف الفضول"

[۱۸] ابن کثیر: البدایہ والنہایۃ، ج ۲، ص ۲۹۱ - ۲۹۲۔

غریبوں کی مدد کرنا اس معاہدہ کی شق ہے جو ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے کہ غریب کی مدد کرنا حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گویا فطرتی مزاج تھا کہ نبوت ملنے سے قبل آپ ایسے معاہدہ میں شریک ہونے کے لئے تیار رہتے جو غریب کے معاشی حقوق کا تحفظ کرے جس کے نتیجہ میں غریب طبقہ خوشحال ہو اور وہ قوم کے معزز فرد اور ملک کے باوقار شہری بن کر رہیں۔ یہ شق اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ غریب کی مدد کرنا کسی بھی معاشرہ کی خوشحالی اور بھلائی کی بنیادی شرائط ہونے کا اعتراف واقرار انسانی تاریخ کے ہر دور میں ہوتا آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے لائے ہوئے دین اسلام نے اپنے زمانہ عروج میں غریب کی معاشی مدد کے فکری اعتراف کو عملی شکل دے دی وہ معاشرہ کبھی خوشحال اور پُرامن نہیں ہوسکتا جس کے غُرباء معاشی پریشانی کا شکار ہوں۔

اس معاہدہ کی آخری دفعہ طاقتور کے ہاتھوں غریب اور کمزور کا استحصال نہ ہونے دینا۔ یہ دفعہ قومی معیشت میں امیر کے ہاتھوں غریب افراد اور بین الاقوامی معیشت میں امیر اور ترقی یافتہ اقوام کے ہاتھوں غریب اور ترقی پذیر اقوام کے معاشی استحصال کے خاتمہ کا درس دیتی ہے اور حلف الفضول کے تجدید کی وجہ بھی بظاہر یہ معاشی استحصال ہی تھا جب عاص بن وائل نے ایک زبیدی تاجر کا سامانِ تجارت خرید کر اس کی قیمت ادا کرنے سے انکار کیا تھا اور یوں معاشی استحصال کا ارتکاب کیا۔ (واللہ اعلم)

اس معاہدہ میں ایسی ہی خیرات کی بدولت آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

"معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھے سُرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ بدلتا"[19]

اس معاہدہ کے شرکاء نے اللہ کریم کی قسم کھا کر کہا:

"لنکونن مع المظلوم حتی یؤدی جب تک دریا میں صوف بھگونے کی

---

[19] حاکم: مستدرک، ج ۲، ص ۲۲۰

الیہ حقہٗ ما بلّ بحر صوفۃ، وفی التاسی فی المعاش [۲۰] — صفت باقی ہے (یعنی ہمیشہ ہمیشہ) ہم مظلوم کا ساتھ دیں گے یہاں تک کہ اس کا حق ادا کیا جائے اور معاش میں ہم خبر گیری اور مواسات بھی کریں گے۔"

اگر ہم شرکاء معاہدہ کی اس قسم پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ حلف الفضول کا لُبِّ لُباب غریب اور مقہور کے معاشی حقوق کا تحفظ تھا (واللہ اعلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تجارتی اسفار

شام کی طرف تجارتی سفر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف دو بار سفر کیا۔ پہلی بار آپ نے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ سفر کیا۔ گو یا یہ سفر بھی تجارتی تھا گو کہ آپ بحیثیت تاجر کے اس سفر پر نہیں تھے۔ مگر اس سفر میں آپ نے تجارتی تجربات ضرور سیکھے۔

شام کا دوسرا سفر آپ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا سامانِ تجارت لیکر کیا [۲۱] یہ مضاربت سے زیادہ اجارہ کی صورت تھی، کیونکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو متعین اُجرت دی تھی۔ اس بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم شام کی مشہور منڈی بصریٰ

---

[۲۰] ابن سعد: طبقات، ج ۱، ذکر حلف الفضول۔

[۲۱] حضرت خدیجہ بنت خویلد مکہ مکرمہ کی سب سے زیادہ مالدار خاتون تھیں۔ ان کا کاروانِ تجارت اہلِ مکہ کے کاروانِ تجارت کے برابر ہوتا تھا۔ انہوں نے جب امین مکہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت اور معاملات کی صفائی کے واقعات سُنے تو ان کے دل میں چاہت پیدا ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا سامانِ تجارت لیکر جایا کریں۔ تاکہ انہیں زیادہ سے زیادہ نفع ہو۔ اور وہ آپ

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو:

تشریف لے گئے اور اُجرت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ایک اونٹ دیا۔

یمن کا سفر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا سامانِ تجارت لیکر جرش (یمن) دو بار تشریف لے گئے۔ علامہ ذہبیؒ نے اس کی تصدیق کی ہے[۲۲]

بحرین کا تجارتی سفر

آپ تجارتی غرض سے بحرین بھی تشریف لے گئے مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حضرت خدیجہؓ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر اشخاص سے دوگنا حصہ یا اُجرت دیں گی۔ ابو طالب کے کان میں بھنک پڑی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا: بھتیجے! میں ایک بے مال آدمی ہوں۔ زمانہ ہم پر سخت گذر رہا ہے۔ یہ تمہاری قوم کے تجارتی قافلے ہیں جن کے شام جانے کا وقت آگیا ہے خدیجہ بنتِ خویلد (رضی اللہ عنہا) تمہاری قوم کے بعض اشخاص کو اپنے تجارتی سامان کیساتھ بھیجا کرتی ہیں۔ اگر تم اپنے آپ کو ان پر پیش کرو تو وہ تمہیں سب سے زیادہ پسند کریں گی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا (جو کہ موقع کی تلاش میں تھیں)، کو جب ابو طالب کے اس مشورہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے خود ہی ابتداء کر کے کہا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی قوم کے دیگر اشخاص سے دوگنا معاوضہ دینے کو بھی تیار رہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا سامان لیکر شام روانہ ہو گئے۔

[۲۲] نور النبراس فی شرح ابن سید الناس، شبلی نعمانی: سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۱، ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور، ص ۱۹۱، حدود سفر۔

کا سامان لیکر گئے یا اپنا سامان تجارت تھا۔ جب قبیلہ عبد القیس کے لوگ اسلام لانے کی غرض سے مدینہ منورہ آپ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان کے ملک کے بارے میں بڑے تفصیلی سوالات دریافت کئے۔ مثلاً فلاں سردار کیا ابھی تک زندہ ہے؟ فلاں مقام اب کس حال میں ہے؟ فلاں شخص کا کیا حال ہے؟ تو ان لوگوں نے تعجب سے دریافت کیا "یارسول اللہ! آپ تو ہمارے ملک کے بارے میں ہم سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں"؟ آپ نے فرمایا۔ میں کافی عرصہ قبل تمہارے ملک میں رہ چکا ہوں یا اس کا سفر کر چکا ہوں۔ غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کے بعد حضرۃ خدیجۃ الکبریٰ رضی کا سامان تجارت لیکر مشرقی عرب بھی گئے ہوں۔ غالباً اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحرین جاکر دبا[۲۲] کے بین الاقوامی تجارتی میلہ میں شرکت کر سکیں اور زیادہ نفع کما سکیں۔ گمان ہے کہ آپ نے وہیں چینی تاجروں سے ملاقات کی ہوگی۔ اور ان کی ریشمی مصنوعات یا دیگر مصنوعات یا ان کے فن اور طرزِ کلام سے متاثر ہو کر اسے سیکھنے کے

۲۲ے دبا: دبا جزیرہ نمائے عرب کی دو اہم ترین بندرگاہوں میں ایک تھی۔ یہاں ہر سال ایک عالمی منڈی لگتی تھی جس میں شرکت کے لئے ایران۔ سندھ۔ ہندوستان۔ چین اور سمندر پار کے دیگر ممالک سے تاجر آیا کرتے تھے۔ جب بحرین فتح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہر کی تجارتی حیثیت کے پیش نظر یہاں ایک گورنر مقرر فرمایا جس کی ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل تھا کہ وہ تاجروں کے ممکنہ تنازعات کا فیصلہ بھی کیا کرے۔

(محمد بن حبیب البغدادی، کتاب المحبر، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد (الہند) ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲م، ص ۲۶۵، ابن حنبل (مسند ابن عباس میں بھی یہ واقعات مذکور ہیں) ڈاکٹر محمد حمید اللہ! خطبات بہاولپور، جامعہ اسلامیہ بہاولپور، پہلا ایڈیشن، ص ۲۶۶)

لئے اُمت کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

اطلبوا العلم ولو کان بالصین ۰ علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے۔"

مسند امام احمد بن حنبلؒ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چینیوں سے بھی ملاقات کی۔ "حبشہ" آپ کا تشریف لے جانا بھی مذکور ہے۔

۲: ۹۔ غریبِ مکہ اُمراءِ قریش کا ثالث بنا۔

جب قریشِ مکہ بیت اللہ کی تعمیرِ ابراہیمی کو شہید کر کے انہی بنیادوں پر بیت اللہ کی تعمیرِ جدید اُٹھا چکے[۲۴] اور حجرِ اسود کے نصب کرنے کا وقت آیا تو ان میں سخت تنازعہ کھڑا ہوا۔ کیونکہ ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت اس کے حصہ میں آئے اور قریب تھا

---

[۲۴] بیت اللہ کی تعمیرِ ابراہیمی صرف قدِ آدم تھی جس پر چھت بھی نہ تھی۔ یہ مبارک عمارت شہرِ مکہ کے وسط میں نشیبی جگہ پر قائم تھی۔ لہٰذا بارش کے دنوں میں تمام پانی یہاں بھر جاتا تھا۔ اس کی روکاوٹ کے لئے بند بھی بنایا گیا مگر وہ بھی بار بار ٹوٹا جس سے اس مقدس عمارت کو نقصان پہنچتا۔ لہٰذا یہ طے پایا کہ تعمیرِ ابراہیمی کو شہید کر کے اس کی بجائے نئے سرے سے عمارت تعمیر کی جائے۔ کریم کی قدرت کی کرشمہ سازیاں ملاحظہ کریں۔ انہی دنوں ایک جہاز جدّہ کی بندرگاہ آکر ٹوٹ گیا۔ اس کے تختے خرید کر لائے گئے تاکہ انہیں دروازوں کے لئے استعمال کریں۔ اسی جہاز میں ایک رومی معمار باقوم بھی تھا۔ ولید اُسے بھی ساتھ لایا۔ تمام قریش نے ملکر تعمیرِ کعبہ میں حصہ لیا۔ جب حجرِ اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو چونکہ ہر قبیلہ بلکہ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ حجرِ اسود نصب کرنے کی سعادت اسی کی حصہ میں آئے۔ لہٰذا اس پر سخت تنازعہ کھڑا ہوا۔ اور قریب تھا کہ تلوار کی کاٹ اس مقدس عمارت کی تعمیر کے تمام پاکیزہ جذبات اور اس شہر کے کریم مالک کی رضا اور ثواب کی تمام امیدوں کو قطع کر دے اور خوں ریزی آپس کے تعلقات کو کاٹ کر

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو

کہ تلواریں سونت لی جاتیں اور نیزے تن جاتے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرزانگی نے جنگجو قوم قریش کی دیوانگی پر غلبہ پایا اور معاملہ خوش اسلوبی سے طے پاگیا مگر "عزت و قیادت صرف مالداروں اور سرمایہ داروں ہی کا حق ہے" کا نظریہ رکھنے والوں کو کون سمجھائے۔ یہاں بھی محسنِ انسانیت کی تعریف و توصیف کرنے یا اس کے لئے تشکر و امتنان کے جذبات کا اظہار کرنے کی بجائے اس کے حکم (ثالث) بننے اور اہل مکہ کے مالدار سرمایہ داروں کا اس غریب کے فیصلہ کو قبول کرلینا تعجب و حیرانی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرِ اسود نصب فرما چکے تو نجد کے ایک بڑے شخص نے قریش کو مخاطب ہوکر کہا:

"تعجب ہے ایسے لوگ جو اہلِ شرافت ہیں، اہل سن ہیں، صاحب مال و جاہ ہیں اپنے وسیلۂ کرامت اور بزرگی میں ایسے شخص کو سردار بنانے میں راضی ہوگئے جو عمر میں سب سے چھوٹا اور مال و دولت میں بھی ان سب سے کمتر ہے۔ گویا کہ یہ تمام اس کے خادم بن گئے ہیں، سن لو! اللہ کریم کی قسم یہ شخص سب سے بڑھ جائے گا اور سعادت و خوش بختی ان سب سے بانٹ لے گا۔"[25]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

رکھدے یہ طے پایا کہ جو شخص کل سب سے پہلے حرم میں داخل ہوگا وہی ثالث قرار پائے گا۔ قدر دان اللہ کریم کی قدر دانی اور نوازشات کا اندازہ کیجئے اگلے دن لوگوں نے جس ہستی کو حرم میں داخل پایا وہ سیّد المخلوق جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کو ایک چادر میں رکھا اور تمام قبائل سرداروں کو کہا کہ وہ چادر کے کنارے پکڑلیں اور یوں حجرِ اسود کو اٹھا کر اس کے مقامِ نصب تک لے چلیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اُٹھا کر اسے بیت اللہ کے کونے میں نصب کردیا یوں یہ تنازعہ تیر و تفنگ اور انگو ٹھے کی آویزش کی بجائے صلح و صفائی سے طے پاگیا۔

[25] ابن سعد: طبقات، ج ۱، بیروت، ص ۱۴۶ - ۱۴۷

۲: ۱۰۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا) سے نکاح اور آپ کی معاشی پریشانیوں کا علاج

گو غریب کو اپنانے والا دن کے وقت چراغ لیکر ڈھونڈیں تب بھی مشکل ملتا ہے لیکن اگر غریب عظمتِ کردار کا مالک ہے تو اس کی غربت وجہ حقارت نہیں رہتی۔ گرچہ سرمایہ دار غریب کو ہمیشہ حقیر اور کمتر سمجھتا ہے۔ مگر عظمت کردار کا مالک غریب بازارِ اعتبار میں بسا اوقات متمول سرمایہ دار سے کہیں زیادہ قابل اعتماد اور قابل عزّت ہوتا ہے[۲۶]۔ عظمت و کردار کا سکہ بازارِ اعتبار میں کیونکر چلتا ہے۔ اس کی عملی صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غریبوں کو حوصلہ دلانے اور امراء کو سبق سکھانے کے لئے چھوڑی ہے۔

مکہ مکرمہ کی امیر ترین خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا) دو تین بار تجارتی معاملات کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کردار کا اندازہ کر چکی تھیں۔ انہوں نے تمنّا کی

---

[۲۶] عظمت کردار کا سکہ صرف ایک خیالی دُنیا کی کوئی شئے نہیں، نہ ہی کوئی ادبی اصطلاح ہے بلکہ اسلامی معاشرہ میں عظمت کردار کے مالک غریبوں نے صرف اپنی معاشرتی ساکھ اور قدر وقیمت کو بازار کاروبار میں لاکر بڑے بڑے کاروبار کیئے ہیں۔ لوگوں نے ان کی دیانت و امانت پر اعتماد کر کے انہیں اپنا سرمایہ فراہم کیا اور انہوں نے اس سرمایہ سے نفع و نقصان کی بنیاد پر کاروبار کر کے اپنی معاشی بدحالی کا علاج کیا ہے۔ اصطلاح فقہ میں ایسے کاروبار کا نام "شرکت وجوہ" یعنی "کردار کا اعتبار کے ذریعے شراکت" رکھا ہے۔ فقہاء احناف نے اس "شرکت وجوہ" کے مسائل بالتفصیل بیان کئے ہیں۔
(دیکھیئے فقہائے احناف کی کتب فقہ میں کتاب الشرکۃ، باب شرکۃ الوجوہ)

کہ ایسے با اعتبار صاحب کردار شخص کو رفیقِ حیات بنایا جائے تو کیا ہی اچھا ہو۔ انہوں نے نفیسہ بنت منیتہ کو وکیل کا کردار ادا کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے دریافت کیا:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، آپ نے اب تک کہیں نکاح کیوں نہیں کیا؟

آپ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس مال و اسباب نہیں جس کے ذریعے کہیں نکاح کرسکوں۔

نفیسہ نے عرض کیا:

اگر اس کا انتظام ہو جائے اور آپ کو مال و منال اور جمال و کمال کی طرف دعوت دی جائے تو کیا آپ قبول فرمائیں گے؟

آپ نے فرمایا: وہ کون ہے؟

نفیسہ نے عرض کیا: وہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) ہیں!

آپ نے فرمایا: بھلا کیونکر ممکن ہے؟

نفیسہ نے کہا: "یہ میری ذمہ داری ہے"

آپ نے فرمایا: "مجھے بھی انکار نہیں" [۲۷]

جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں تو اس باوفا بیوی نے اپنا نہ صرف مال اور سرمایہ آپ کے قدموں میں ڈال دیا بلکہ قریشِ مکہ کی طرف سے تمام خطرات اور پریشانیوں میں آپ کے شانہ بشانہ چلتی رہیں۔ یوں اللہ کریم نے اپنا کرم کرکے اپنے محبوب ترین بندہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ظاہری فقر کا علاج کر دیا۔ اور آپ کو استغناء سے مالا مال کر دیا۔ مفسرین کرام کا اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں آپ کی اسطرح سے آسودہ حالی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ   اور آپ کو مفلس پایا پھر غنی کر دیا۔ سورۃ الضحیٰ: ۸

[۲۷] ابن سعد: طبقات، ج ۱، ص ۱۳۱۔

باب ۳

بعثت مبارک تا ہجرت مدینہ منورہ کے معاشی حالات و واقعات

۳:۱ بعثت مبارک کے بعد آپ کی طمانیت کے لئے پہلی تسلی کے معاشی پہلو:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا کی تنہائیوں میں مصروفِ غور و فکر تھے کہ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ کو پکڑ کر لپٹایا اور پہلی وحی کی پانچ آیات[1] پڑھا کر واپس چلے گئے۔ وحی کا نزول اور فرشتہ کی آمد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک نیا اور عجیب و غریب تجربہ تھا۔ ایک اہم ترین اور اعلیٰ ترین ذمہ داری کا احساس تھا۔ آپ گھبرا گئے اور گھر واپس تشریف لائے۔

---

[1] اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

(سورۃ العلق ۱-۵)

"پڑھیئے اپنے پروردگار کے نام سے جس نے (مخلوق کو) پیدا کیا جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھیئے اور آپ کا پروردگار تو بہت ہی بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

اپنی محرمِ راز حضرۃ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا) کو سارا ماجرا کہہ سُنایا اور نئے تجربہ میں اپنی ہلاکت کا خطرہ محسوس فرمایا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تمام واقعات اور آپ کے ذاتی احتمالات سُن کر بڑے اعتماد کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلّی دیتے ہوئے فرمایا:

"کَلَّا وَاللّٰہِ مَا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَ تَحْمِلُ الْکَلَّ وَ تَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَ تَقْرِی الضَّیْفَ وَ تُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ"[1]

ترجمہ: ہرگز نہیں، اللہ کریم کی قسم! اللہ کریم آپ کو کبھی ذلیل ورسوا نہ کریگا (کیونکہ) آپ صلہ رحمی کرنیوالے ہیں۔ دوسروں کا بوجھ اٹھانیوالے ہیں، محتاجوں کے کام آتے ہیں، مہمانوں کی خاطر مدارت کرنیوالے ہیں۔ اور راہِ حق کی تکالیف اور مشکلات میں مددگار بنتے ہیں"۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی یہ تسلّی صرف دل بہلانے کا ذریعہ نہیں تھی بلکہ ایک شہادت تھی جو اس مُبارک خاتون نے اپنے مایۂ ناز خاوند صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دی۔ اس شہادت میں کہیں بھی آپ کو یہ نظر نہیں آتا کہ آپ کوہِ "حراء" کی چوٹی پر غار میں بیٹھ کر اپنے کریم کی عبادت کرتے ہیں یا آپ بیت اللہ کے بہت زیادہ طواف کرتے ہیں[2] بلکہ یہ کہہ کر تسلّی دی کہ آپ کو اللہ کریم، جو بخشش کرنیوالا ہے، قدر دان ہے۔ کیونکر رُسوا ہونے دے گا۔ آپ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔ جن کا کوئی کمانیوالا نہیں، انہیں کما کر کھلاتے ہیں، مہمان نواز ہیں۔ یعنی مسافروں کو کھانا کھلاتے ہیں اور جہاں حق کا معاملہ ہوتا ہے وہاں مددگار بن جاتے ہیں خواہ اُس کی خاطر کتنی ہی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ بھلا ان خوبیوں کا مالک کبھی کبھی رسوا اور ذلیل ہوتا ہے؟ حاشا وکلّا۔

---

[1] صحیح بخاری، باب کیف کان بدأ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔

[2] حاشا وکلا۔ اس سے یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ اس طرح سے ان عبادات کی اہمیت کم کرنا ہے۔

اگر آپ فلاحی معیشت Welfare Economics, کے بارے معمولی معلومات بھی رکھتے ہیں تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس دورِ جہالت کی اس طاہرہ رضی اللہ عنہا ـــــ جو نہ تو جدید ریاستی معیشت State Economy کی ماہر تھیں نہ ہی اس نے فلاحی ریاست Welfare State کا سیاسی اور انتخابی نعرہ سُنا تھا ـــــ نے وہ تمام خصوصیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی میں دیکھ لیں جنہیں اپنا کر کسی بھی دور کے حاکم اور معیشت دان کسی بھی ریاست اور معاشرہ میں کفالتِ عامہ Social Security, کا نظام قائم کر سکتے ہیں، جس کی خاطر آج کل تمام ممالک (خواہ وہ سرمایہ دارانہ نظام کے حامی ہوں یا اشتراکی نظریات کے پیروکار) کی حکومتیں اپنے عوام کو مطمئن کرنے کے لئے پریشان ہیں۔ لیکن اسلام کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ صفات روزِ اوّل ہی سے موجود تھیں۔ گویا کہ ان کا لایا ہوا اور چلایا ہوا نظام ہی غرباء، کمزوروں اور بے نواؤں کی معاشی کفالت کا ضامن ہو سکتا ہے۔

اس پر طُرّہ یہ کہ یہ خصوصیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اسوقت موجود تھیں جب ابھی اسلامی ریاست کی تاسیس ہی نہ ہوئی تھی نہ ہی اسلام کی معاشرتی تعلیمات کا ابھی نزول ہوا تھا۔

آپ نے دوسرے باب میں پڑھا ہے کہ جب ابوطالب آپ کو بیت اللہ میں بارش کی دُعا کرانے لے گئے اور آپ کی دُعا پر ابرِ رحمت اُمنڈ آیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جو شعر کہا تھا[۴] اس کا بھی لُبِ لباب یہی تھا کہ آپ کمزوروں اور بیواؤں کے دستگیر ہیں۔

---

[۴] وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ۔ ثمال الیتامی عصمة للارامل

ترجمہ: وہ روشن و سفید چہرے والے جن کی بدولت ابرِ رحمت کی دعا کی جاتی ہے وہ یتیموں کے ملجا و ماوٰی ہیں اور بیوگان کے لئے ذریعہ عفت و عصمت ہیں۔

اس سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج ہی کمزوروں، یتیموں، بے کسوں اور بے نواؤں کا ہاتھ تھامنا اور ان کی معاشی خبر گیری کرنا تھا۔ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کریم نے پیدا ہی آخری نبی (علیہ السلام) بنا کر کیا تھا اور آپ کا معاشی نظام ہی رہتی دنیا تک انسانوں کے لئے بہترین نظامِ کفالتِ عامہ ہونا تھا۔

۲:۳۔ امراء قریش کا آپ کی نبوۃ کے انکار کا معاشی سبب

غریب کی باتیں کتنی ہی حکیمانہ اور مفید کیوں نہ ہوں انہیں سرمایہ دار سُننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اور امیر یا امیر کا بیٹا احمقانہ کلام بھی کرے تو غریب کان لگا کر سنتے ہیں اور کہے جاتے ہیں دیکھیں "میاں صاحب" کتنی عمدہ بات کہہ رہے ہیں۔ سرمایہ دار کی احمقانہ باتوں کو حکیمانہ قرار دے کر اس کی عزت افزائی کرنا اور غریب کی حکیمانہ باتوں کو بھی فضول قرار دے کر اس بے چارے کی حوصلہ شکنی کرنا اور امیر کی خرمستیوں کو بہادری اور جوانمردی کہہ کر اسپر داد و ستائش کے ڈونگرے برسانا اور غریب کی ہمتِ مردانگی اور جرأت مندی کو اس کا پاگل پن اور دیوانہ حرکت قرار دینا امارت اور بے چارگی کی تاریخ کا بہت قدیم باب ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام انسانیت کے گُل سرسبد، بندگانِ خدا میں سے مخلص ترین اور عاقل ترین انسان ہوتے ہیں۔ مگر امیر کی پذیرائی اور غریب کی بے وقعتی کا احمقانہ قانون ان کے لئے بھی تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں کل تک اہلِ مکہ مکرمہ امین اور صادق کے مؤقر القاب سے یاد کر رہے تھے۔ جب انہوں نے اپنی نبوت کا اعلان کیا جس کا مطلب امراء قریش کے مقابلہ میں اپنی اللہ کریم کی عطا کردہ عظمت اور قیادت کا اعلان تھا۔ امراء قریش جن کی سرمایہ دارانہ ذہنیت کے احمقانہ قانون میں نبوت اور قیادت کا شرف بھی صرف کسی وڈیرے سرمایہ دار کے لئے ہی مخصوص تھا۔ ان کی رائے میں بھلا عبداللہ کا یتیم اور

مکہ کا غریب محمد (فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم) جسے چند دن ہوئے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی دولت کا کچھ حصہ ملا ہے وہ کیونکر نبوت اور قیادت کے اعلیٰ ترین منصب کا مستحق بن سکتا ہے؟ اس منصب کا اہل تو مکہ مکرمہ کا وڈیرا ولید بن ربیعہ یا طائف کا سودی کاروبار کا مشہور سرمایہ دار ابو مسعود ثقفی ہونا چاہئیے تھا۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۔ (سورۃ زخرف : ۳۱)

"اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر اس قرآن کو اترنا ہی تھا تو ان دو بڑے شہروں (مکہ مکرمہ اور طائف) میں سے کسی رئیس اعظم پر اُترتا"۔

قریش کے ایک نامور وڈیرے ولید بن مغیرہ نے تو برملا کہا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ مجھے اور ابو مسعود ثقفی کو چھوڑ کر (بظاہر) غریب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قرآن اُترے؟

والولید بن المغیرۃ قال : أینزل علی محمد و اترک انا کبیر قریش و سید ھا؟ او ابو مسعود عمرو بن عمیر الثقفی سید ثقیف؟ فنحن عظیما القریتین ؂

" اور ولید بن مغیرہ نے تو کہہ دیا کیا قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہو اور میں خاندان قریش کا وڈیرا اور اسکا سردار چھوڑ دیا جاؤں اور ایسطرح عمرو بن عمیر ثقفی کو بھی (چھوڑ دیا گیا) جو خاندانِ ثقیف کا سردار ہے۔ ہم ہی تو دو بڑے شہروں کے وڈیرے ہیں (اگر قرآن نے اترنا ہی تھا تو پھر ہم ہی پر اُترتا)"۔

اور ان سردارانِ مکہ مکرمہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معجزات طلب کئے ان کے ان بیہودہ مطالبات سے بھی سرمایہ دارانہ ذہنیت کی بُو آتی ہے۔ قرآن مجید نے ان مطالبات کا یوں ذکر کیا ہے:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ

اور انہوں نے کہا کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لائینگے

؂ ابن ہشام، سیرۃ، ج ۱، ص ۳۸۵

لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۚ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

(سورۃ بنی اسرائیل : ۹۰ - ۹۳)

تا وقتیکہ تو ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کردے یا خود تیرے اپنے لئے ہی کوئی باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اور اس کے درمیان تو نہریں جاری کر دکھائے یا تو آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دے جیسے کہ تیرا گمان ہے یا تو اللہ کریم اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لاکر کھڑا کردے۔ یا تیرے اپنے لئے سونے کا گھر ہو جائے یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تو تیرے چڑھ جانے کا بھی اس وقت تک یقین نہیں کریں گے جب تک کہ تو ہم پر کوئی کتاب نہ اُتار لائے جسے ہم خود پڑھ لیں۔ تو آپ جواب دیں کہ میرا پروردگار پاک ہے میں تو صرف ایک انسان ہوں جو رسول بنایا گیا ہوں۔"

اِس معاشی وجہ کا دوسرا پہلو یہ بھی تھا کہ امراءِ قریش جنہوں نے کعبہ کی تولیت کے بڑے بڑے مناصب سنبھال رکھے تھے جو ان کی اقوامِ عالم میں معاشی ساکھ اور ان کی معاشی خوش حالی کی کلید کا درجہ رکھتے تھے۔ اگر وہ مکہ مکرمہ کے غریب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و قیادت کا اعتراف کر لیتے تو ان کی معاشی عظمت و امارت اور سیاسی سطوت و اقتدار کا طلسم ان کی آنکھوں کے سامنے ٹوٹتا نظر آرہا تھا۔

یہ بیت اللہ کی تولیت کے مختلف مناصب ہی کی برکت تھی کہ قریش کے تجارتی قوافل بلا روک ٹوک اور بلا خوف و خطر آس پاس کے ممالک میں دن رات سفر کرتے پھرتے۔ اقوامِ عالم ان کے تجارتی قافلوں کو وقعت و عزت کی نگاہ سے دیکھتیں۔

انہیں تمام سہولتیں فراہم کرنا اعزاز و افتخار کا ذریعہ خیال کرتیں جبکہ دیگر اقوامِ عالم کے قافلے کہیں مامون و محفوظ نہ تھے۔ ان کا گھر بار بامن اور بحفاظت تھا جبکہ ہمسایہ علاقوں کے لوگ لُٹنے پٹنے کے ڈر سے پریشان رہتے تھے۔ قرآن مجید نے اس احسان کا بیان خاص طریقہ پر کیا ہے۔ جس کی طرف باب اوّل میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

اگر سرداران مکہ مکرمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت تسلیم کر لیتے تب بھی انہیں یہ معاشی فوائد حاصل رہنا تھے۔ مگر یہ وڈیرے بھلا ایک غریب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّۃ وقیادت تسلیم کر کے چھوٹا بننا پسند کیوں کرتے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لانے سے تو انہیں دنیا و آخرت کی سیادت ملنا تھی۔

ع ایں سعادت بزورِ بازو نیست

وہ کفارِ مکہ جو نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلّم کی مخالفت میں پیش پیش تھے وہ یا تو معاشی طور پر خاندان قریش کے وڈیرے تھے یا بیت اللہ کی تولیت کا کوئی منصب رکھتے تھے یا دونوں رکھتے تھے۔ مثلاً ابوجہل ولید بن مُغیرہ کا بھتیجا اور اپنے قبیلہ کا سردار تھا۔ ولید بن مغیرہ خاندانِ قریش کا رئیس اعظم تھا اور بیت اللہ کا قبہ یعنی خیمہ و خرگاہ کا انتظام اور سواروں کی افسری اس کے پاس تھی۔ ابوسفیان مکہ مکرمہ کے امیر تاجر تھے اور بیت اللہ کا منصب عقاب یعنی علم برداری ان کے ذمّہ تھی۔ صفوان بن اُمیہ بیت اللہ کے منصب ازلام والیسار یعنی محکمہ مال کا انتظام کا انچارج تھا۔ عاص بن وائل بھی نہایت دولت مند، کثیرالاولاد اور نہایت صاحب اثر شخص تھا۔ [۶]

جب یہ قریش مکہ مکرمہ کے سرداران اپنی تمامتر مخالفتوں کے باوجود اس استقلال کے پہاڑ اور عظیم ترین رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ حق سے باز نہ رکھ سکے تو پھر آپ کو

---

[۶] عقدالفرید، ج ۲، ص ۳۱۔

راہِ حق سے ہٹانے کے لئے معاشی لالچ کا حیلہ استعمال کیا اور عتبہ بن ربیعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے آکر کہا : بھتیجا ! اگر تمہاری اس دعوتِ دین کا مقصود مال و دولت ہے تو ہم تمہارے لئے مال و دولت کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ اگر مقصد عزت و ناموری ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں ؎ اگر تم پر جادو کا اثر ہے تو ہم پوری فیاضی سے اپنا مال خرچ کر کے تمہارا علاج کر دیتے ہیں۔

عتبہ بن ربیعہ کو اپنے اس حربہ کی کامیابی کا پورا پورا الیقین تھا لیکن جب وہ سب کچھ کہہ چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب مجھ سے سُنیئے :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے سُورۃ حٰمٓ سجدہ کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ جہاں سجدہ کی آیت آئی آپ اپنے سلطان کریم کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ عتبہ بن ربیعہ نے یہ کیفیت دیکھی اور آیات سنیں تو وہ عتبہ نہ رہا جسے قریش مکہ مکرمہ نے حیلہ ساز بنا کر بھیجا تھا۔ اس نے قریش سے واپس جا کر کہا :

اے قریش ! اللہ کریم کی قسم ! مُیں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام سُنا۔ وہ نہ شعر ہے نہ کہانت ہے بلکہ کوئی اور ہی چیز ہے۔ بہتر ہو گا کہ تم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ عرب پر غالب آگئے تو تم بھی ان کے ساتھ عزت والے بن جاؤ گے ورنہ عرب اُنہیں خود فنا کر دے گا۔"

اُمراء قریش نے کہا : "اندازہ ہوتا ہے تم پر بھی اس کا جادو چل گیا ہے۔"
عتبہ بن ربیعہ نے کہا : "یہ میری رائے ہے، آگے تمہاری مرضی۔"؎

؎ سرداری کی پیشکش اسوقت کی جب ان جہاندیدہ سرداران قریش نے یہ بخوبی اندازہ لگالیا تھا کہ اگر اسطرح سردار بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاموش کر لیا تو خیر ہے ورنہ انہوں نے ہمارے باطل نظام کو پاش پاش کر کے ایک دن سردار بننا ہی ہے حالانکہ قریش مکہ کی یہ سرداری کی پیشکش محض ایک فریب تھا۔

؎ سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۹۳، ۲۹۴۔

سرداران قریش نے اپنی اس تدبیر کی ناکامی کے بعد ایک دوسری چال چلی۔ اس چال کے پسِ پردہ بھی وہی سرمایہ دارانہ ذہنیت کارفرما تھی کہ غریب مگر ثابت قدم اور مستقل مزاج شخص کو لالچ دیا جائے جب وہ لالچ کو پائے حقارت سے ٹھکرا دے تو پھر حراساں اور پریشان کیا جائے۔

سرداران قریش جن میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، نضر بن حارث، ابوالبختری بن ہشام، الاسود بن مطلب، زمعۃ بن اسود، ولید بن مغیرہ ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن ابی اُمیہ، عاص بن وائل، بنیہ بن الحجاج، منبہ بن الحجاج اور اُمیہ بن خلف وغیرھم تھے، غروبِ آفتاب کے بعد خانہ کعبہ میں جمع ہوئے اور مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلا کر اُن سے بات کی جائے۔ آپ کو بلایا گیا۔ آپ نے یہ سمجھ کر کہ شاید دولتِ اسلام قبول کرلیں، فوراً تشریف لائے۔

سردارانِ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ نے تمام قوم میں انتشار پھیلا دیا ہے۔ ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہا ہے، ہمارے بزرگوں کی توہین کی ہے۔ مگر ان سب کے باوجود اگر آپ کا مقصد مال و دولت ہے تو ہم اس کے ڈھیر لگا دیتے ہیں اور اگر عزت و شرف چاہو تو وہ بھی دینے سے ہمیں انکار نہیں ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ اگر حکومت چاہتے ہو تو وہ بھی دینے سے ہمیں انکار نہیں۔ اور اگر کسی بھوت پلیت کا اثر ہے تو اس کا علاج کرانے کو تیار ہیں۔ ان کی باتیں سُن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو کچھ تم نے گمان کر رکھا ہے مجھے اُن میں سے کوئی چیز لاحق نہیں، مجھے تمہارے مال و منال کی ہرگز ضرورت نہیں، نہ ہی یہ میرا مقصد ہے بلکہ میں تو اللہ کریم کا رسول ہوں اگر تم میری بات مان لوگے تو دنیا و آخرت میں عزت والے بن جاؤ گے اور اگر انکار کرو گے تو میں صبر سے کام کرتا رہوں گا۔ حتیٰ کہ اللہ کریم میرے اور آپ کے درمیان فیصلہ فرمادے۔"

اس پر سردارانِ قریش نے کہا: اگر تم ہماری بات نہ مانو گے تو اس شہر (مکہ مکرمہ) میں

تمہارے لئے رہنا مشکل ہو جائے گا...... اور تمہاری تو یہ حیثیت ہے کہ تُو تو بازاروں میں چل پھر کر روزی کماتا ہے اور معاش کا محتاج ہے......!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ نہایت استقلال اور متانت کے ساتھ جواب دیا:

"میں تو اللہ کریم کا رسُول ہوں۔ اگر تم میری بات مان لوگے تو دنیا و آخرت میں عزت والے بن جاؤ گے۔ اور اگر انکار کرو گے تو میں صبر کروں گا حتّٰی کہ اللہ کریم میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے[۹]"

۲:۲۔ اوّلین مسلمانوں کی اکثریت غرباء پر مشتمل تھی:

اللہ کریم کی نازل کردہ آسمانی تعلیمات کی نمایاں ترین خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان میں غرباء اور دُکھیاروں کے لئے سامانِ تسلی بھی ہے اور ان کے معاشی غموں کا علاج بھی ہے۔ یہ آسمانی تعلیمات سب سے پہلے اور سب سے زیادہ معاشی طور پر پسماندہ لوگوں کی دلچسپی اور توجہ کا مرکز بنی ہیں۔ اور اُنہیں امراء سے پہلے انہیں قبول کرنے اور اپنانے کی

۹ے حضرت نوح علیہ السلام کے پیروکار غریب تھے اور ان کا اسوقت کے معاشرہ میں کوئی مقام نہ تھا۔ کفّار نے ان کے بارے میں علانیہ کہا تھا:

وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ وَ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ۝ (سورة هود: ۲۷)

"اور ہم تو بظاہر یہی دیکھتے ہیں کہ تیرے پیروکار ہمارے کمین لوگوں کے سوا اور کوئی نہیں۔ اور ہم تو تم میں کوئی برتری نہیں پاتے بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو۔"

خیال کیجئے غریب اگر حق پر ہے تب بھی سرمایہ داروں کی نگاہ میں تو وہ جھوٹا ہی ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہنے والے کمزور اسرائیلی تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ماہی گیر تھے۔

سعادت نصیب ہوئی ہے ۔ ؎۱۲

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا اعلان کیا ، اپنے پر نازل شدہ آسمانی تعلیمات لوگوں کے سامنے پیش کیں تو جو لوگ سب سے پہلے مسلمان ہو گئے ان میں سے اکثریت کمزوروں غریبوں اور معاشی غموں کے مارے ہوئے انسانوں کی تھی اور ان میں سے زیادہ تر غلام اور لونڈیاں تھیں ، جو امراء قریش کے ظلم و استبداد اور معاشی استحصال سے تنگ آ چکے تھے گو اسلام قبول کرنے سے ان کی پریشانیاں اور تکالیف کہیں زیادہ بڑھ گئیں مگر انہیں عرش کے کریم آقا کے سچے وعدوں پر یقین تھا اور انہیں یقین تھا کہ ظلم و ستم کی اندھیری رات ختم ہو جائے گی اور آزادی و خوشحالی کی صبح ضرور طلوع ہو گی ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان بے کسوں کو لیکر حرم پاک تشریف لے جاتے تو سرداران قریش انہیں دیکھ کر آوازے کستے اور انہیں کمتر سمجھ کر ٹھٹھا کرتے اور کہتے :

اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۔ (الانعام ۵۳) " کیا وہ یہی ہیں جن پر اللہ کریم نے ہمیں چھوڑ کر فضل کیا ہے ؟

جب اسلام کی رحیمانہ تعلیمات کا نور پھیلتا گیا اور لوگ سرداران مکہ مکرمہ کی روکاوٹوں کے باوجود تمام تکالیف کو آسان سمجھ کر حلقہ اسلام میں داخل ہوتے تو قریش کے غصے کا سارا زور ان غرباء پر ہی ٹوٹتا ۔ قریش کے وڈیروں کی بے لبسی دیدنی ہوتی تھی جب ان کے ظلم کا بادل کھل کر برس کر بھی ان ناتوانوں کے ایمان کی کھیتیاں نہ ڈبو سکتا ۔ ان کی بے لبسی اس وقت ان کا منہ چڑاتی نظر آتی جب وہ ان بے سہاروں کو سخت سے سخت مار مار کر یا تکلیف دے کر یا نقصان پہنچا کر یہ دریافت کرتے کہ کیا اب بھی اللہ کریم کی بات مانوں گے اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرو گے ؟ اور ان کا جواب یہ ہوتا " ہاں اور پہلے سے بڑھ کر ۔

؎۱۲ ابن ہشام ، سیرۃ ، ج ۱ ، مطبع حجازی ، قاہرہ ؛ ص ۳۱۴ ـ ۳۱۷

یہ یاسر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ یہ یمن کے رہنے والے تھے، غلام بنا کر مکہ مکرمہ لائے گئے۔ ابو حذیفہ مخزومی نے انہیں خریدا اور اپنی کنیز سمیہ (رضی اللہ عنہا) سے ان کی شادی کر دی۔ انہی سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ سرمایہ داران قریش انہیں ایمان لانے کی سزا کے طور پر اسقدر مارتے کہ بے چارے مار کھا کھا کر شہید ہو گئے۔[۱] رضی اللہ عنہ

سمیہ رضی اللہ عنہا اسلام لے آتی ہیں۔ ابو حذیفہ مخزومی نے انہیں مار پیٹ کر دین سے برگشتہ کرنا چاہا مگر نہ مانیں۔ ایک دن کبھی جنگی چلی جا رہی تھیں۔ ابوجہل نے کہا:

"نیا دین چھوڑ دے"!

کہنے لگیں: "مر کر بھی نہیں"

اس ملعون نے جھلا کر شرم گاہ میں برچھی ماری، وہیں شہید ہو گئیں۔ مؤرخین کے مطابق یہ اسلام میں پہلی شہادت تھی۔

آل یاسر کے تیسرے فرد حضرت عمار رضی اللہ عنہ تھے۔ والدین کے ساتھ انہیں بھی اذیت ناک تکلیفیں دی جاتیں مگر پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی ان کے گھر کے پاس سے گذرتے اور انہیں اندوہناک تکالیف برداشت کرتے دیکھتے تو دل پسیج جاتا اور فرماتے:

اصبروا یا آل یاسر! ان موعدکم الجنۃ "اے خاندانِ یاسر! صبر کرو تمہارا وعدہ جنت ہے"

بعض اوقات حضرت یاسر رضی اللہ عنہ جواب میں عرض کرتے "اے اللہ کریم کے رسول!

---

[۱] یہ اور باقی تمام واقعات ظلم و ستم کی تفصیل کے لئے دیکھیں طبقات ابن سعد تذکرۃ بلال و عمار و یاسر و خباب بن الارت و سمیہ و صہیب رضی اللہ عنہم۔ ابن الاثیر ـــــــ

ذکر تعذیب المسلمین۔ شبلیؒ۔ ندویؒ: سیرۃ النبیؐ، ج ۱، عنوان "مسلمانوں پر ظلم کے طریقے"۔

سیرۃ ابن ہشام، مطبع حجازی، قاہرہ، ج ۱، ص ۳۳۹ - ۳۴۳ ذکر عدوان المشرکین علی المستضعفین ممن اسلم بالأذی والفتنۃ۔

کیا یہی ہے دُنیا"؟

صہیب رُومی (رضی اللہ عنہ) غلام تھے انہیں عبداللہ بن جدعان نے خرید کر آزاد کر دیا مگر غربت اور مسکنت سے آزادی نہیں ملی تھی۔ یہ حضرت عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہی اسلام لائے۔ سردارانِ قریش اس جرم میں انہیں اسقدر مارتے کہ بیچارے حواس باختہ ہو جاتے۔ جب مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت کر کے جانے لگے تو قریش نے ان کی بے نوائی پر ترس کھانے کی بجائے انہیں پکڑ لیا اور کہا: "اپنا سارا مال و متاع ہمیں دے کر جاؤ۔ کیونکہ تم غلام تھے ہم نے تمہیں آزاد کیا اور اس آزادی کی بدولت تم مال و متاع کے مالک بن گئے"۔

انہوں نے کہا: "بڑی آسان شرط ہے سارا مال لے لو مگر مجھے مدینہ جانے دو"۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنہیں مؤذن رسُول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی سعادت ملی اُمیّہ بن خلف کے غلام تھے۔ ان بیچاروں کو اسلام لانے کے جرم کی سزا میں مکہ مکرمہ کی گلیوں میں گلے میں رسّی ڈال کر لڑکے کھینچتے، دوپہر کے وقت اُمیّہ انہیں تپتی ریت پر چت لٹا دیتا اور سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کر سکیں۔ ان سے ایک ہی بات کہی جاتی کہ:

"اسلام چھوڑ دو ورنہ یونہی اذیتیں اُٹھاتے رہو گے"۔

یہ ایک ہی جواب دیتے " اَحد اَحد (اللہ کریم تو ایک ہی ہے اُس کی مان کر تمھاری کیسے مانوں"؟

ایک دن اُمیّہ اور ان کے خاندان بنو جمح کے لوگ انہیں تکلیفیں دے رہے تھے کہ ورقہ بن نوفل ان کے قریب سے گذرے۔ جب دیکھا کہ کفّار تو مارے جا رہے ہیں اور بلال رضی اللہ عنہ اَحد اَحد کہہ رہے ہیں۔ کہنے لگے واہ واہ بلال! کیا کہا "اَحد اَحد"۔ پھر ورقہ بن نوفل اُمیّہ اور ان کے خاندان کے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے:

"اگر تم اس شخص کو اسی طرح تکالیف دیتے رہے اور یہ یونہی اَحد اَحد کہتے کہتے مر گئے

تو اِن کی قبر بھی مرجع خلائق بن جائے گی۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گھر بھی بنو جمح کے محلہ میں تھا۔ وہ اُمیہ بن خلف کو کہتے : اِس مسکین پر کب تک ظلم وستم توڑتے رہو گے ؟

اُمیہ کہتا "تو نے ہی تو اسے بگاڑ دیا ہے ، اسے آزاد کرا لو۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک تندرست و توانا غلام دے کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدلے میں لے کر آزاد کر دیا۔

حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ صفوان بن امیہ کے غلام ہیں۔ گھر بار کا سارا کام کرتے اور خوشحال آقا کے ساتھ خوشحالی کی زندگی گذار رہے تھے مگر دفعتہً بطحا کی سنگلاخ پہاڑیوں سے آفتاب نبوت طلوع ہوا۔ اور انہوں نے اپنے سرمایہ دار آقا کی اجازت کے بغیر ہی آفتابِ ھدایت سے فیض پاکر اللہ کریم کو ایک مان لیا۔ سرمایہ دار آقا کو پتہ چلا تو پاؤں میں رسّی باندھ دی ۔ لوگوں سے کہا اسے گھسیٹتے لے جائیں اور سورج میں جھلستی زمین پر چت لٹا دیں۔ پاس سے ایک گبریلا گذر رہا تھا۔ اُمیہ نے پوچھا کیا تیرا اِلٰہ یہی تو نہیں؟ انہوں نے متانت سے جواب دیا :

"تیرا اور میرا دونوں کا اِلٰہ تو اللہ کریم ہے۔"

اُمیہ اپنے مقابلہ میں ان دیکھے کریم کی سرداری کا اپنے ہی غلام کی زبانی سُن کر آگ بگولا ہو گیا۔ اور حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ کا گلا اسقدر زور سے گھونٹا کہ لوگوں نے خیال کیا کہ جان نکل گئی ۔ ایک دن ایک بھاری پتھر سینہ پر رکھدیا ، دباؤ سے زبان نکل پڑی مگر یہ استقلال کے پہاڑ خاموش برداشت کئے رہے۔

یہ خباب بن ارت تمیمی رضی اللہ عنہ ہیں ۔ یہ اُمّ انمار کے غلام تھے ان سے بھی یہی جُرم ہو گیا کہ اپنی مالکہ کی مرضی کے خلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان کر اللہ کریم اکیلے ہی کو اپنا پروردگار ، حاجت روا اور سجدہ کے لائق تسلیم کر لیا۔ گویا سردارانِ قریش کے

تین سو ساٹھ (۳۶۰) خداؤں کا انکار کر دیا۔ ایک غریب غلام نے اتنی جرأت کیونکر کر لی؟ سرداران قریش کو اس غریب پر تو غصہ آنا ہی تھا۔ کوئلے جلا کر انہیں اوپر چیت لٹا دیا اور چھاتی پر پاؤں رکھ دیا کہ حرکت بھی نہ کر سکیں۔ یہاں تک کہ کمر کے لہو اور پیپ سے کوئلے ٹھنڈے ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک دن جب ان کی کمر دیکھی تو فرمایا: "واللہ! کتنی خوبصورت کمر ہے!"

یہ زمانہ جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتے تھے۔ جب اسلام لائے تو کفار کے ذمہ ان کے کچھ بقایاجات تھے۔ جب یہ ان سے مطالبہ کرتے تو وہ کہتے خبّاب! (حضرت) محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کر دو اور اپنے قرضے واپس لے لو۔ یہ جواب میں کہتے "جب تک تم مر کر پھر جیؤ نہیں۔"

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی لونڈی تھیں۔ اسلام لانے کی سزا میں ابوجہل نے ایک دن اسقدر بے رحمی سے مارا کہ بیچاری کی آنکھیں جاتی رہیں۔ سرداران قریش انہیں تنگ کرنے کے لئے کہتے: "اس کی آنکھیں لات و عزیٰ نے چھین لی ہیں۔" یہ نہایت اطمینان سے کہتیں: "بھلا لات و عزیٰ کیونکر میری آنکھیں چھین سکتے ہیں۔ وہ تو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ اللہ کریم نے اپنا کرم کر کے ان کی بینائی لوٹا دی۔ رضی اللہ عنہا۔

حضرت نھدیہ اور ان کی بیٹی رضی اللہ عنہما بنو عبدالدار کی ایک امیر عورت کی لونڈیاں تھیں۔ انہوں نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان کر صرف اللہ کریم ہی کو اپنا پروردگار تسلیم کر لیا۔ ان کی مالکہ کو ان کے اس جرم پر سخت غصہ تھا۔ وہ ان سے تمام دن چکی پسواتی اور کہتی جاتی کہ تمہیں کبھی آزاد نہیں کروں گی۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک دن ان کے قریب سے گذرے اور انہیں چکی پیستے اور مالکہ کی انہیں آزاد نہ کرنے کی دھمکیاں سن کر کہنے لگے: حِلٌّ یَا اُمَّ فُلَانٍ " اے

فلاں کی ماں انہیں اپنی قسم سے نکال دے۔ یعنی نہ آزاد کرنے کی قسم توڑ کر انہیں آزاد کر دے"۔ اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا "تو نے ہی تو انہیں بگاڑ دیا ہے لہٰذا انہیں آزاد کرا لے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں بھاری قیمت دے کر خرید ا اور آزاد کر دیا۔

یہاں اس واقعہ اور پچھلے واقعات میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ جب کبھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کسی مظلوم غلام کے آقا کو اس کے اسلام لانے کے جرم میں اذیت دینے سے روکتے تو وہ کہتا: "تو نے ہی تو اسے بگاڑا ہے" دراصل اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے بے نواؤں اور کمزوروں کے تاجر بن گئے تھے۔ خریدتے اور انہیں بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کریم کی بندگی میں داخل کر دیتے۔ ان کے والد ابو قحافہ نے کہا: بیٹا تم نے غلام خرید خرید کر آزاد کرانے ہی ہیں تو قوی اور تندرست کو کرایا کریں تاکہ بوقت ضرورت تمہارے کام بھی آسکیں۔ یہ کمزور اور دُبلے پتلے بھلا کس کام کے؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اباجان! میں تو انہیں صرف اللہ کریم کی رضا کی خاطر آزاد کراتا ہوں، نہ کہ اپنی ضرورت کے لئے۔" رضی اللہ عنہ

"تو نے ہی تو اسے بگاڑ رکھا ہے۔" کا طعنہ ایک نہایت عظیم الشان حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب تک اُمت کے اغنیاء بے کسوں اور بے نواؤں کا سہارا بن کر رہیں گے (جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان مظلوم غلاموں کا سہارا بن گئے تھے جنھیں اسلام قبول کرنے کے جرم میں قریشِ مکہ تکلیفیں دیتے تھے) تو کمزور طبقہ وڈیروں اور سرمایہ داروں کے ظلم سہہ کر بھی اسلام کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن اگر اُمت کے اغنیاء ان بیکسوں کی مدد کرنے کی اپنی ذمہ داری پوری نہیں کریں گے تو غریب اور محتاج اسی نظریہ و طریقہ کے پیروکار بنیں گے جس پر انہیں وڈیرے چلائیں گے۔ یہ نکتہ غور طلب ہے۔

حضرت لبنیہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کنیز تھیں اسلام لانے کے جرم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ (اسلام لانے سے قبل) انہیں اذیت ناک تکلیفیں دیتے۔ جب

مارتے مارتے تھک جاتے تو اس بے نوا کو چھوڑ دیتے اور کہتے : "میں نے تمہیں ترس کھا کر نہیں چھوڑا بلکہ اس لئے چھوڑا ہے کہ میں تھک گیا ہوں" یہ نہایت استقلال و متانت سے جواب دیتیں "عمر اگر اسلام نہیں لاؤ گے تو اللہ کریم اس کا بدلہ لے گا"۔

حضرت لبنیہؓ کے جواب سے دو حقیقتیں واضح ہوتی ہیں ۔ پہلی یہ کہ " اللہ کریم اس کا بدلہ لے گا" یعنی میں یا میری طرح کے دوسرے بیکس و ناتواں غلام اور کمزور تو بڑے لوگوں سے اپنی زیادتیوں کا کیا بدلہ لیں گے ، اللہ کریم ہی ہیں جو ہمارے لئے بدلہ لیں گے"۔ دوسری یہ کہ "اگر اسلام نہ لاؤ گے"۔ بتاتا ہے کہ اگر اسلام لے آؤ گے تو ہمارا کوئی بدلہ نہیں بلکہ ہماری سزاؤں اور مصیبتوں کا تو حاصل ہی یہ ہے کہ تم اسلام قبول کر لو"۔

یہ غریب اور کمزور لوگ کتنے عظیم انسان تھے کہ تمام مصائب برداشت کر رہے تھے اور اذیت ناک سزائیں دینے والوں کے خیر خواہ بھی تھے کہ اگر وہ وڈیرے اسلام قبول کر لیں تو اُن سے کسی زیادتی کا بدلہ نہیں لیں گے ۔

ان کی غربت اور تنگدستی کا یہ حال کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ظلم سے مارے ہوئے مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کی اجازت دی تو یہ بے کس اتنا مال بھی نہیں رکھتے تھے کہ زادِ راہ لیکر مکہ مکرمہ سے بھاگ کر حبشہ پناہ لے لیں ۔ حبشہ کی ہجرت اوّل اور ثانی دونوں کے مہاجرین کی فہرست میں ان ستم کے ماروں کا کہیں نام نظر نہیں آتا گویا مار بھی کھا رہے ہیں اور ٹلتے بھی نہیں یا قریش کے سرمایہ داروں کی بے بسی کا مذاق اڑا رہے تھے کہ تم نے جتنا مارنا ہے مار لو ، ہم ہارنے والے نہیں ۔

۳:۴۔ قریش کی بنو ہاشم سے قطع تعلقی در اصل معاشی مقاطعہ تھا۔

ظالم سرمایہ دار قوم ہو یا فرد وہ بے رحم اور جابر ہوتا ہے ۔ اس کی سرمایہ دارانہ ذہنیت اسے اپنی من مانی کرنے اور اپنی بات منوانے والا بنا دیتی ہے ۔ جب کوئی غیر تمند غریب

(قوم یا فرد) اس کی گندی سوچ کے خلاف چلے یا اس کی بات نہ مانے تو وہ اسے سزا دینے اور اطاعت شعار بنانے کے لئے اس کا معاشی مقاطعہ کرتا ہے[11]

قریش مکہ مکرمہ نے جب یہ دیکھا کہ ان کی تمام بے رحمانہ اور سفاکانہ سزاؤں اور زیادتیوں کے باوجود غریب و بے کس اسلام کے سایۂ عاطفت میں پناہ لیتے جا رہے ہیں اور ان کی آہوں اور دعاؤں کے نتیجہ میں ان سزا دینے والوں میں سے کچھ اسلام کی نعمت سے سرفراز ہو کر ان غریبوں کے معاون بنتے جا رہے ہیں[12] تو قریش نے تہیہ کر لیا کہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے خاندان بنو ہاشم کا معاشی مقاطعہ کر کے اس خاندان ہی کو صفحہ ہستی سے ہٹا دیا جائے چنانچہ بنو ہاشم کو چھوڑ کر دیگر تمام قبائل قریش نے مل کر ایک معاہدہ ترتیب دیا۔ اس ظالمانہ معاہدہ کی عبارت منصور بن عکرمہ العبدری نے لکھی، اللہ کریم نے اس کا ہاتھ شل کر دیا۔ اس معاہدہ کو بیت اللہ کے دروازہ پر لٹکا دیا گیا[13]

اس معاہدہ کی عبارت طبری، ابن سعد، ابن اثیر اور مواہب لدنیہ میں چند الفاظ کے اختلاف سے مذکور ہے۔ معاہدہ کی یہ عبارت تقریباً تمام کتب تاریخ میں ملتی ہے:

---

[11] آج کل سرمایہ دارانہ نظام میں ظالم سرمایہ دار اور وڈیرے غریبوں کیساتھ روزانہ ایسی احمقانہ حرکات کرتے ہیں بین الاقوامی سطح پر امریکہ نے بارہا اس ظالمانہ معاشی حربہ کو استعمال کیا ہے۔

[12] مثلاً حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما وغیرہما۔

[13] پھر ستم بالائے ستم کہ یہ معاہدہ لٹکایا بھی اسی دروازہ پر گیا جس کے نام کی سربلندی کے لئے کوشش کرنے کے وہ مجرم ہیں جن کا مقاطعہ کیا جا رہا ہے۔ قریش کس قدر نادان تھے۔ انہیں اسقدر بھی خیال نہ آیا کہ اللہ کریم کے بندوں کو بھوکا رکھ کر مارنے کا معاہدہ تحریر کر کے لٹکایا اس کریم کے دروازہ پر جا رہا ہے جو ان ظالموں اور ان بے نواؤں دونوں کا پروردگار ہے۔ قریش کے ظالم وڈیروں کو اتنی سمجھ بھی نہ تھی کہ جنہیں اس معاہدہ کے ذریعے وہ بھوکا رکھنا چاہتے ہیں وہ تو [illegible] ہی وہ لوگ (یا ان کے معاونین ہیں)

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

"بنو ہاشم سے نہ کوئی میل جول کرے گا، نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا،
نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا۔"

بنو ہاشم نے مجبوراً اپنے موروثی درہ شعب ابی طالب میں پناہ گزینی اختیار کی اور تین سال کا طویل زمانہ نہایت تنگدستی اور پریشانی میں گذارا۔ ایک زمانہ ایسا بھی گذرا کہ طلح کے پتّے کھائے جاتے اور پانی پی کر گذر بسر کی جاتی۔ چھوٹے بچے بھوک سے بلک بلک کر روتے رہتے۔ مگر سنگدل قریش کا زہرہ گداز نہ ہوتا۔ معاشی مشکلات کے پہاڑ ٹوٹتے رہے۔ بے نواؤں کی آہیں اور بھوکوں کی سسکیاں بطحا کی سنگلاخ پہاڑیوں میں گم ہو کر رہ جاتیں۔ اگرچہ بیت اللہ بالکل قریب ہی تھا جہاں عظیم و جلیل پروردگار کا جلال قرآن نازل ہو رہا تھا۔ جس کے سامنے بڑے بڑے جابروں کی گردنیں بھی جھک جاتی ہیں۔ وہ چاہتا تو سردارانِ قریش کی گردنیں مروڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع و فرمانبردار کر دیتا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو ان بے نواؤں کی عظمت کو چار چاند کیسے لگتے جو سب کچھ سُن اور سہہ کر بھی اس پر قائم رہنا چاہتے تھے جسے حق سمجھ کر قبول کر چکے تھے۔ اس کریم و حلیم کا کرم اور حلم بھی اتر رہا تھا مگر خطہ ارضی کے ان باسیوں نے یہ قسم کھا رکھی تھی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسلام کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔ جو غریب اور امیر کو برابر کرتا ہے اور جس کا داعی عبداللہ کا یتیم بیٹا اور مکہ مکرمہ کا ایک غریب نوجوان ہے نہ کہ مکہ مکرمہ یا طائف کا کوئی وڈیرا یا ثقفی سردار۔

جب قریشِ مکہ کی قساوت قلبی حد سے بڑھ گئی تو رحمت الٰہیہ کو جوش آیا اور قریش کے اس ظالمانہ اور مضبوط معاہدہ کو توڑنے کے لئے اپنی حقیر اور کمزور مخلوق دیمک کو مقرر فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

جو اسی بیت اللہ کے عظیم و جلیل مالک کی خاطر بھوکے رہ کر خوش ہیں۔ قریش کے نادان وڈیروں کو کون سمجھاتا کہ دیوانوں کا علاج جس احمقانہ طریقہ پر وہ کرنا چاہتے تھے اس سے تو ان شمع حق کے پروانوں کا جنون اور بڑھے گا۔

جس نے ”باسمک اللّٰھم“ کے سوا معاہدہ کی ساری عبارت چاٹ لی اور اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کرم فرمائی سے مطلع بھی کر دیا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کو اس کی خبر دی۔ انہوں نے اپنے دوسرے بھائیوں کو بتایا اور وہ تمام مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی خبر کی تصدیق کے لئے حرم کی طرف چل پڑے۔ ابوطالب نے سرداران قریش کو یہ خبر سنائی اور انہیں کہا اگر میرا بھتیجا اس خبر میں سچا ہے تو پھر تمہیں اپنے ظلم سے باز آجانا چاہیئے اور اگر وہ (نعوذ باللہ) اس خبر میں سچا نہیں ہے تو انہیں میں تمہارے حوالے کر دوں گا۔ تم جو چاہو ان کے ساتھ سلوک کر لینا۔

قریش مکہ نے کہا: ہمیں یہ بات تسلیم ہے۔ پھر جب معاہدہ دیکھنے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دیمک نے ساری ظالمانہ عبارت چاٹ لی ہے اور صرف اللہ کریم کا ہمیشہ باقی رہنے والا مبارک نام ”باسمک اللّٰھم“ باقی رہ گیا ہے[۱۴۱]

مغروران قریش کے سر ندامت سے جھک گئے۔ اب مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعۃ بن الاسود، ابوالبختری بن ہاشم اور زھیر بن ابی امیہ ہتھیار لگا کر نکلے اور شعب ابی طالب سے ان وفا کے محترم قیدیوں کو نکال کر لائے۔ یوں سرمایہ داران قریش اوران کے متمرد سرداران ایک بار پھر ہار گئے اور خاک نشین اہل صدق و وفا جیت گئے گویا۔

ع ہیں گرفتارانِ وفا زنداں سے گھبرائیں گے کیا؟

۵:۲۔ آپ کے دو معاشی سہارے چھن گئے!

متمردانِ قریش کے معاشی مقاطعہ سے چھٹکارا پا کر آپ مکہ مکرمہ کے متمدن معاشی شہر میں تشریف لے آئے۔ آپ اور آپ کے باوفا غریب ساتھیوں اور معاونین نے معاشی تعاون کی برکات سے استفادہ فرمانا شروع کیا ہی تھا کہ آپ کے وہ دو قابل

[۱۴۱] ابن سعد: طبقات، ج ۱، بیروت، ص ۲۰۹

اعتماد سہارے چھن گئے جن کی معاشی خوشحالی یا غیر تمندانہ فقر سے آپ متمتع ہوتے تھے ہماری مُراد یہاں ابوطالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہے۔ ابوطالب گو زیادہ خوشحال نہ تھے مگر آپ کے مخلص معاون تھے۔ انہوں نے سرمایہ دارانِ قریش کے معاشی مقاطعہ کے چند ہی روز بعد رمضان یا شوال ۱۰ھ نبوی میں وفات پائی۔ ان کے تین یا پانچ دن کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا داغِ مفارقت دے گئیں[۱۵]

آپ کے مالی مددگار اور غمگسار دونوں اُٹھ گئے فقر و تنگدستی اور متکبرین قریش کے مفلس اور بے کسی کے طعنے پھر سُننے اور سہے گئے۔ دیگر مسلمان بھی خوشحال نہیں تھے بلکہ ہر کوئی اپنی اپنی حالت میں مُبتلا تھا۔ یہ دَور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے مشکل ترین تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عسرت اور پریشانی کے زمانہ کو عام الحزن (غم کا سال) قرار دیا تھا[۱۶]

۳ : ۶ سرداران طائف کے انکار کا سبب انکی معاشی خوشحالی تھا۔

اللہ کریم کے اس قطعہ خاکی جسے زمین کا نام دیا گیا ہے پر ایسے مواقع نہایت قلیل اور شاید بالکل ہی نہ ہوں گے جب بیوقوف سرمایہ داروں اور وڈیروں نے داناء اور مخلص غریبوں کی نصیحت پر کان دھرے ہوں۔ اللہ کریم اپنی حکمتِ کاملہ کو خود ہی بہتر سمجھتے ہیں کہ سوائے دو تین کے جتنے انبیاءِ کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے وہ سب کے سب غریب تھے اور ان کے مخالفین نادان سرمایہ دار تھے۔ ان ظالم وڈیروں تک دعوتِ حق

---

[۱۵] زرقانی: مواہب لدنیہ، ج ۱، ص ۲۹۱ - ۲۹۶ - ان کی عمر ۶۵ سال تھی مقام حجون میں دفن ہوئیں اسوقت تک نمازِ جنازہ شروع نہ ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دفنانے کے لئے خود قبر میں اُترے۔

[۱۶] مواہب لدنیہ، حوالہ بالا۔

پہنچانے میں انبیاءِ کرام علیہم السّلام اور ان کے مخلص پیروکاروں نے لرزہ خیز تکالیف اٹھائیں، حوصلہ شکن لمحات گذارے اور دلخراش طعنے سُنے جن کا زیادہ تر حصّہ اس تلخ حقیقت پر مبنی ہوتا تھا کہ یہ اہلِ حق و فاشعاری، تعلق باللہ اور اخلاص کے بادشاہ تھے مگر دنیوی مال و متاع ان کے دربار میں بار نہیں پاسکا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سردارانِ طائف کو دعوت دینے کا واقعہ مذکورہ بالا حقیقت کی تائید کرتا ہے۔

قریشِ مکہ مکرمہ کی اسلام کے بارے میں بے قدری حد سے بڑھنے لگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں رویّہ اذیّت ناک حد تک بگڑ گیا تو آپ نے اُمراءِ طائف[۱۸] اور وہاں کے عوام الناس سے ملنے اور انہیں دنیا و آخرت کی کامیابی کا طریقہ سکھلانے کے لئے طائف کا سفر اختیار فرمایا۔ طائف میں ثقیف کا قبیلہ آباد تھا۔ جن میں عمیر کا خاندان

---

[۱۸] طائف کا شہر اپنے جغرافیائی محلّ وقوع، شہری اہمیت اور کثرتِ آبادی کی وجہ سے مکہ مکرمہ کے بعد جزیرہ عرب کا اہم ترین شہر تھا۔ یہاں قبیلہ ثقیف کے لوگ آباد تھے جو صاحبِ جائیداد اور جاگیردار تھے ان کے بڑے بڑے باغات تھے جن کے پھل تجارتی منڈیوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ کثرتِ دولت نے اہلِ طائف کو مغرور اور متمرد بنا دیا تھا۔ بھلا یہ وڈیرے ایک بظاہر فقیر و مسافر (درحقیقت سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات کیونکر مان لیتے۔ وہ قرآنِ مجید کی اس آیت کا مصداق بن چکے تھے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝

(سورۃ سباء : ۳۴-۳۵)

"اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے امیر لوگوں نے کہا کہ جو کچھ تم لیکر آئے ہو ہم تو اس کے منکر ہیں اور کہنے لگے کہ ہم بہت زیادہ مالوں والے اور اولادوں والے ہیں اور ہم کو تو عذابِ الٰہی آ ہی نہیں سکتا۔"

تمام خاندان ثقیف کا سردار تھا۔

طائف تشریف لے جا کر آپ نے پہلے قبیلہ عمیر کے تین سرداروں عبد یالیل مسعود اور حبیب سے ملاقات کا ارادہ فرمایا تاکہ ان سرمایہ داروں کو بتا دیں کہ ان کا حق سے بغاوت کرنا نہ صرف انہی کی تباہی کا موجب بنے گا بلکہ ان کے سرمایہ دارانہ تسلّط سے غریب بھی اپنا انجام خراب کرلیں گے اور ان کا اسلام کے دین عدل کو قبول کر لینا ان کی دنیا و آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنے گا۔ اور ان کی سرمایہ دارانہ ذہنیت کا خاتمہ کر کے ان کے ذریعے سے غریبوں پر جو ظلم ہو رہا تھا اسے عدل و انصاف اور احسان میں بدل دیگا۔

مگر ان تینوں ظالم وڈیروں میں سے کسی نے بھی بظاہر فقیر و مسافر (اور درحقیقت سرورِ کونین) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور عزّت دلانے والی بات کو نہ سُنا بلکہ اُلٹا مذاق اُڑایا۔ ان میں سے ایک نے کہا "میں کعبہ کے سامنے داڑھی منڈوا لوں گا اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اگر اس نے تجھے نبی بنا کر بھیجا ہے تو پھر خانہ کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے"۔ دوسرے کا جواب اس سے بھی زیادہ حوصلہ شکن تھا۔ اس نے کہا:

"کیا اللہ تعالیٰ کو تیرے سوا کوئی ملا ہی نہیں، تجھے تو سواری بھی میسّر نہیں"

تیسرے نے کہا: میں بہر حال تجھ سے بات نہیں کر سکتا، تو اگر سچا ہے تو تجھ سے بات کرنا خلافِ ادب ہے اور اگر جھوٹا ہے (نعوذ باللہ) تو گفتگو کے قابل نہیں"[19]

ان احمق سرمایہ داروں نے صرف اس اپنے نازیبا رویّہ پر ہی بس نہیں کیا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مالدارانہ ذہنیت سے کام لیتے ہوئے کہا کہ آپ ان کے شہر (طائف) سے نکل جائیں۔ جب روانہ ہونے لگے تو ان ظالموں نے شہر کے لڑکوں اور اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ وہ آپ پر پتھر برسائیں اور گالیاں دیں ان وڈیروں کے کہنے پر آپ پر سنگ باری کا سلسلہ جاری ہوا۔ مگر آپ سراپا تحمل و بُردباری بن کر سہتے

رہے۔ جب تھک کر بیٹھ جاتے تو آپ کو کھڑا کر دیا جاتا۔ تاکہ ظالم وڈیروں کا کوئی پتھر ایسا باقی نہ رہ جائے جو آپ کے جسمِ اقدس پر لگ نہ چکا ہو۔ آپ کے باوفا صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (جو اس مبارک سفر میں آپ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کر رہے تھے) جو پتھر آتا اُسے اپنے جسم پر لیتے اور آپ کے مُبارک جسم کو بچانے کے لئے ڈھال بن بن جاتے یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا اگرچہ وہ بھی لہو میں نہا گئے مگر تاریخِ وفا میں اپنا نام درج کرالیا۔

اِن ظالموں سے بچ بچا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے باغ میں پناہ لی۔ یہ باغ طائف کے قریب مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیانی راہ پر تھا پتھروں کی تکلیف ابھی باقی تھی، خون بہہ بہہ کر جسم نڈھال ہو گیا تھا۔ اہلِ طائف جن سے بھلائی کی توقع کر کے آپ تشریف لائے تھے ان کا دلخراش برتاؤ بار بار یاد آرہا تھا۔ دل میں درد اُٹھا۔ یہ ایسا موقع تھا جہاں انسان فطرۃً اپنے غمگساروں کو یاد کرتا ہے کہ اس کا دل بہلائیں اور غم گساری کریں۔ ابوطالب اور خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا) تو زمین اوڑھ چکے تھے۔ ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) مکہ مکرمہ میں تھے۔ دردِ دل سُناتے تو کس کو؟ صرف زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) پاس تھے جو خود بھی زخمی تھے اور اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ طائف کے متمرد سرمایہ داروں کے کہنے پر اوباش اور نادان لڑکوں نے پتھر مار مار کر دل کے ارمان پورے کر لئے تھے مگر ایک اللہ کریم کی ذات تھی جو ہر وقت اور ہر آن آپ کے ساتھ تھی۔ جو حکیم بھی ہے اور قدردان بھی مگر غالباً اپنے محبوب ترین بندہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس قسم کے زہرہ گداز واقعات سے گذار کر رہتی دنیا تک کے انسانوں کو یہ سکھانا تھا کہ حق کی خاطر تکالیف سہنا پڑتی ہیں اور آوازۂ حق ہے ہی ایسا کہ اس پر پتھر کھانا پڑتے ہیں۔ اور کچھ کرنے والوں کو یہ سکھانا تھا کہ مد رگڑ کے بغیر چمک نہیں؛

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دردِ دل سنانے کے لئے اس قدر دان سلطان کریم کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے جس کی کرم کرنا پُرانی عادت ہے اور جس کی کریم ذات سے ہم ہمہ

کی خیر کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اپنے کریم آقا سے جو دُعا کی اس کے مبارک الفاظ مظلوم کی بے کسی اور اس کی تمام عقلمند چالوں کے بھی جابر سرمایہ داروں کے سامنے ناکام ہو جانے اور ایک بے سرو سامان مگر عزم بالجزم والے داعی کے حوصلہ کا کا بہترین بیان ہیں۔ اگر آپ نے بھی اللہ کریم کی اس زمین پر اپنی پریشانیوں کے باوجود سرمایہ داروں اور وڈیروں کا مقابلہ کرنا ہے تو اس مبارک دُعا کو حفظ کر کے پڑھیئے بلکہ اس سے اپنے مشن کے اصول بھی وضع کر لیجئے کہ تمام مشکلات کے باوجود بھی اللہ کریم کے دین کا کام کرنا ہے۔ ظالمانہ معاشی نظاموں کے مقابلہ میں اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کو ترویج دینی ہے اور پھر بھروسہ بھی صرف اور صرف اللہ کریم آقا کی ذات پر کرنا ہے جو اس قابل ہے کہ اس پر اعتماد کر لیا جائے۔ دعا کے کلمات پڑھیئے:

اللّٰهم الیك اشكو ضعف قوتی
و قلة حیلتی و هوانی علی الناس
یا ارحم الراحمین! انت رب
المستضعفین، الی من تكلنی
الیٰ بعید یتجهمنی، ام الی عدو
ملكته امری؟ ان لم یكن بك
غضب علیّ فلا ابالی غیر ان
عافیتك هی اوسع لی۔ اعوذ
بنور وجهك الذی اشرقت
له الظلمات وصلح علیه امر
الدنیا والاٰخرة من ان ینزل
بی غضبك او یحل علیّ سخطك۔

اے اللہ کریم! تیری ذات کریم سے ہی اپنی
کمزوری اور تدبیر کی کمی اور لوگوں میں بے توقیری
کی فریاد کرتا ہوں اے تمام رحم کرنے والوں سے
بڑھ کر رحم کرنے والے! تو ہی تو درد کے ماروں
اور عاجزوں کا مالک اور سہارا ہے (میرے کریم)
تو مجھے کس کے حوالے کرے گا؟ کسی ایسے
بیگانہ کے جو مجھ سے تُرش روئی سے پیش
آئے یا ایسے دشمن کے سپرد کر دیں گے جسے
آپ نے میرے معاملات پر قابو دے رکھا ہو
(میرے کریم) اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے
تو مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے (کیونکہ آپ
میری حفاظت فرمائیں گے) کیونکہ تیری عافیت

لك العتبى حتى ترضى ولا حول ولا قوة الا بك۔ ٢٠ه

میرے لئے بہت وسیع ہے میں تیرے (مبارک) چہرہ کے نور کی پناہ میں آتا ہوں جس سے تمام ظلمتیں چھٹ گئیں اور دنیا و آخرت کی بگڑیاں بن جاتی ہیں کہ تیرا غصہ اور ناراضگی مجھ پر اترے۔ اصل مقصد تو تجھ ہی کو منانا ہے حتیٰ کہ تو (اپنا کرم کر کے) راضی ہو جائے۔ بندہ کا کسی شر سے اجتناب کرنا اور خیر کو اختیار کرنا اُتنا ہی ہے جتنا تیرے کرم سے ہو۔"

عُتبہ اور شیبہ نے آپ کو باغ میں داخل ہوتے وقت دیکھا اور پہچان لیا کہ جسے پتھر ملے گئے ہیں وہ انہی کے خاندان کا ایک غریب مگر پاکیزہ مرد ہے جس کا قصور صرف یہ ہے کہ یہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کریم کی بندگی میں داخل کرنا چاہتا ہے دنیا کے ظالمانہ نظاموں سے چھٹکارا دلا کر اسلام کے عادلانہ اور منصفانہ نظام کی طرف پھیرنا چاہتا ہے اور بندوں کو دنیا کی تنگیوں سے بچا کر آخرت کی وسیع نعمتوں کا یقین دلاتا ہے۔ عتبہ کافر ہونے کے باوجود شریف النفس تھا۔ سوئی ہوئی انسانیت جاگ اُٹھی، خاندانی رگِ حمیّت پھڑک اُٹھی۔ اپنے غلام عداس رضؓ سے کہا کہ وہ انگوروں کا ایک بڑا خوشہ طباق میں رکھ کر آپ کے پاس لے جائے۔

ثابت قدمی اور مشن سے لگن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھیے۔

پتھر کھا کھا کر پاؤں زخمی ہیں، جوتیاں خون سے بھری ہوئی ہیں، نڈھال ہیں، چلنے سے عاجز ہیں (بلکہ ایک روایت کے مطابق حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کمر پر لاد کر یہاں تک لائے) مگر مقصد سے لگاؤ کا یہ حال ہے کہ جب عداس رضی اللہ عنہ نے انگور سامنے رکھے تو اُسی کا پیارا نام لیکر کھانا شروع کئے جس کے نام لینے پر اتنی بے دردی

٢٠ه ابن اسحاق و طبرانی

سے پٹ چکے تھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا اور کھانا شروع کیا۔

عداس رضی اللہ عنہ نے کہا: "اللہ کریم کی قسم! اس علاقہ کے لوگ تو یہ پیارا نام کھاتے وقت بالکل نہیں لیتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: تم کون ہو؟ کہاں کے ہو؟ تمہارا مذہب کیا ہے؟ اس نے کہا: "میں نینوئی (موصل کا شہر) کا رہنے والا ہوں اور مذہباً عیسائی ہوں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا وہی نینوئی جہاں کے یونس بن متی علیہ السلام تھے؟ عداس رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا آپ یونس بن متی علیہ السلام کو کیونکر جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ میرے بھائی نبی تھے میں بھی نبی ہوں اور نبی جب کھانا کھائے تو اللہ کریم کا نام لیکر شروع کرتا ہے۔

عداس رضی اللہ عنہ نے آپ کی مبارک پیشانی کو چوم لیا اور فرطِ عقیدت سے اپنا منہ آپ کے قدموں میں رکھدیا۔ اور کہا: "اشھد انک عبد اللہ و رسولہ[21]"

عتبہ اور شیبہ دونوں نے یہ رُوح پرور نظارہ دیکھا۔ جب عداس رضی اللہ عنہ واپس لوٹے تو دونوں نے پوچھا: کم بخت تجھے کیا ہو گیا، تُو تو اس شخص کا سر اور پاؤں چُوم رہا تھا؟ عداس رضی اللہ عنہ نے کہا: "آج اللہ کریم کی زمین پر ان سے بہتر کوئی انسان نہیں انہوں نے مجھے ایسی بات بتائی جو صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔" دونوں نے کہا مگر کہیں یہ تیرا دین نہ بگاڑ دے کیونکہ تیرا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔[22]

مگر جسے اللہ کریم پیدا ہی بننے کے لیئے فرمائے وہ بگڑے کیونکر؟ حضرت عداس رضی اللہ عنہ جو غلام تھے وہ اس سفر میں بن گئے اور متمول سرمایہ دار اور ان کے پیروکار

---

[21] ابن سیدالناس: عیون الاثر، ج ۱، واقعہ سفرطائف۔

[22] حوالہ بالا، ص: ۱۳۴۔

بگڑے ہی رہے۔ اللہ کریم ہی اپنی حکمتوں کو جانتے ہیں۔ جن کی خاطر سفر کیا وہ بڑے ہونے کے گھمنڈ میں خالی رہ گئے۔ اور جس نے صرف ترس کھا کر انگور پیش کئے اور کان لگا کر دردِ دل سن لیا وہ دنیا و آخرت کی عزت پا گیا۔

یہاں سے چل کر آپ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ وادی نخلہ سے ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ کے قریب حراء تک پہنچ گئے۔ اب یہاں چرخ کہن کی بوڑھی آنکھ ایک ایسا نظارہ دیکھ رہی تھی۔ اور کارکنان قضا و قدر ایک ایسا تلخ تجربہ ملاحظہ کر رہے تھے جس سے زہرہ گداز ہوتا ہے۔ اللہ کریم کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو سیّد المرسلین سرورِ کونین فخرِ موجودات اور وجہ کائنات تھا اس کو مکہ مکرمہ میں داخلہ کے لئے کسی مشرک کی پناہ اور ضمانت کی ضرورت تھی۔ دراصل ان دنوں قریش مکّہ کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی شخص کوئی شہر چھوڑ کر دوسرے شہر آباد ہو جاتا تو پہلے شہر سے اس کی شہریت ختم ہو جاتی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے طائف تشریف لے گئے تو قریش نے مکہ مکرمہ سے آپ کی شہریت ختم کر دی۔ اب آپ کو وہاں کے کسی وڈیرے کی کفالت کی ضرورت تھی حضرت زید بن حارثہ نے آپ سے عرض کیا، آپ کیونکر مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے، قریش نے تو آپ کی شہریت ختم کر دی ہے؟ آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو تسلّی دیتے ہوئے فرمایا:

یا زید ان اللہ جاعلٌ لما ترىٰ فرجاً و مخرجاً و انّ اللہ ناصر دینه و مظهر بنبیّه[۲۳]	"اے زید جو پریشانی تجھے محسوس ہو رہی ہے اللہ کریم ضرور اس سے کوئی رہائی کی صورت پیدا فرمائے گا۔ یقیناً اللہ کریم کی ذاتِ کریم ہی

اپنے دین کی مددگار ہے اور وہی اپنے نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو غلبہ عنایت فرمائے گا۔"

[۲۳] ابن سعد، طبقات، ج ۱، ص ۲۱۲۔

یہاں آپ نے ثابت قدمی، بلند حوصلگی اور اللہ کریم کی ذات پر اعتماد کی وہ مثال قائم فرمائی جو "کچھ کرنے" والوں کے لئے مینارۂ نُور اور ذریعہ تسلّی ہے۔ آپ نے خزاعہ قبیلہ کے ایک شخص کو ایک دینار دے کر سرداران قریش میں سے اخنس بن شریق کے پاس بھیجا کہ وہ آپؐ کو اپنی پناہ میں مکہ مکرمہ میں داخل کرلے۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ آپ نے اُسی خزاعی کو کہا کہ اب ڈیڑھ دینار لے لو اور سہیل بن عمرو کے پاس میرا یہ پیغام لے جاؤ کہ کیا وہ مجھے اپنی پناہ میں لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا موقع فراہم کرنے کو تیار ہے؟ مگر سہیل نے بھی انکار کر دیا۔ خزاعہ قبیلہ کے شخص نے آکر اطلاع دی تو آپ نے دل برداشتہ ہونے کی بجائے اسے کہا، کیا تم دو دینار لیکر تیسری بار پھر میرا پیغام لیکر جانے کو تیار ہو؟ اُس نے کہا ہاں۔ آپ نے اُسے مطعم بن عدی کے پاس پناہ کی طلب کے پیغام کے ساتھ بھیجا۔ مطعم بن عدی کے مقدر میں اللہ کریم نے یہ سعادت لکھی تھی۔ اُس نے کہا "میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دی اور اپنے لڑکوں کے ساتھ ہتھیار لگا کر آپ کو حرمِ پاک میں لے گیا اور آپ مکہ مکرمہ میں رہنے لگے۔

۷:۳۔ معراج کے معاشی مضامین

اللہ کریم نے اپنی حکمتِ بالغہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو قابلِ اعتماد معاشی سہاروں (ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا) کو آپ سے علیحدہ کر دیا۔ ان دونوں کی وفات کے بعد سردارانِ قریش کو آپ کے تنہا اور بے سہارا ہونے کا احساس زیادہ ہو گیا اور انہوں نے دل کھول کر آپ کو ستایا۔ آپ ان متمول سرمایہ داروں کے رویّہ سے دل برداشتہ ہو کر طائف اس اُمید پر تشریف لے گئے کہ قبیلہ ثقیف کے امراء اور دیگر لوگ آپ کی بات کو شرافت سے سنیں گے مگر وہاں جواب میں پتھر برسائے گئے۔ واپسی پر مکہ مکرمہ میں داخلہ غیر ممکن بنا دیا گیا۔ ایک مشرک کی ذمہ داری میں بلد امین میں

داخلہ کی اجازت ملی۔ تبلیغ و تقریر پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ آنے جانے والوں اور ملنے جُلنے والوں پر آنکھ رکھی جانے لگی، زندگی سراپا دکھ اور درد بن گئی۔ مگر سلطان کریم جل شانہٗ کے قربان جائیں۔ وہ کتنا کرم کرنیوالا اور قدردان ہے (انّ ربّی لغفورٌ شکورٌ) اس نے اپنے اس دُکھ کے مارے ہوئے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بلا کر دلداری کی، گویا یہ بتا دیا کہ آپ تنہا نہیں ہیں۔ ہم آپ کی ثابت قدمی اور کفّار کی ناقدری دیکھ رہے ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

معراج کے دوران آپ نے کیا دیکھا، کیا سُنا، عرشؐ کے کریم سے کیا کیا مانگا، کیا راز و نیاز ہوا؟ یہ تمام امور اللہ کریم جانیں یا ان کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں واپس آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبریں سُنائیں ان میں سے بیشتر کا تعلق معاشیات سے ہے ان میں سے اہم کا ذکر ہم یہاں کئے دیتے ہیں:

۱: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو نہر میں تیر رہا تھا اور پتھر کو لقمہ بنا بنا کر کھا رہا تھا۔ آپ نے جبریل امین سے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ جبریل امین نے جواب دیا، "یہ سود خور ہے"۔[۲۴]

۲: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی جماعت کو دیکھا جو ایک ہی دن میں بیج بوتے اور اُسی دن فصل کاٹ بھی لیتے اور کاٹنے کے بعد فصل پھر ویسی ہی ہو جاتی جیسے پہلے تھی۔ آپ نے جبریل امین سے دریافت فرمایا یہ کون ہیں؟ جبریل امین نے جواب دیا: "یہ لوگ اللہ کریم کی راہ میں (اپنے مالوں سے) جہاد کرنیوالے ہیں۔ ان کی ایک نیکی کا بدلہ سات سو نیکی سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ جو کچھ بھی (اللہ کریم کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اللہ کریم اس کا بہتر بدلہ عطا فرما دیتا ہے"۔[۲۵]

---

[۲۴] اخرجہ ابن مردویہ عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ

[۲۵] زرقانی: مواہب لدنیہ، ج ۶، ص ۴۱ ۔ الخصائص الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۷۲

اس منظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انفاق فی سبیل اللہ کا اجر و ثواب دکھایا گیا ہے جس کا مقصد آپ کی اُمت کے اغنیاء کو اس کی ترغیب دینا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت اسلامی معاشیات میں مسلّم ہے۔ اس کے ذریعے دولت امراء سے فقراء کی طرف گردش کرتی ہے۔ ارتکاز اور اکتناز دولت کا خاتمہ ہوتا ہے۔ تکافل اجتماعی کے لئے فنڈز فراہم ہوتے ہیں اور معاشی و سماجی عدل کی راہیں آسان ہو جاتی ہیں۔

۱۳: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک ایسی قوم کے پاس سے ہوا جن کی شرمگاہ پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے۔ وہ اونٹ اور بیل کی طرح چرتے تھے، ضریع اور زقوم (جہنم کے کانٹے دار درخت) کھا رہے تھے۔ آپ نے جبریل امین سے دریافت کیا: یہ کون ہیں؟ جبریل امین نے جواب دیا: "یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں میں سے زکوٰۃ نہیں نکالتے تھے"[۲۶]

اس نظارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کا مکروہ اور قابل نفرت انجام دکھایا گیا کہ اپنا مال جسے وہ اپنی دنیوی ترقی، بہتری اور زینت و زیب کیلئے کماتے اور بچاتے ہیں اور اس میں فقراء و مساکین کا حق واجب (زکوٰۃ) بھی نہیں نکالتے صرف اس ڈر سے کہ ان کا مال کم نہ ہو جائے ان کا انجام یہ ہے کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کے لئے انہیں کپڑا تک نصیب نہیں یعنی وہ مالدار ہونے کے باوجود دل کے مفلس اور فقیر ہی رہیں گے اور ان کا انجام بھی بدترین فقیری اور ناداری کی صورت میں ہوگا کہ انہیں دیکھنے والوں کو اُن سے نفرت اور کراہت ہوگی۔ یعنی جو دنیا میں اپنی دولت کے بل بوتے پر عزت والے تھے اور دنیا میں غرباء کے لئے خوشنما بن رہے تھے وہ آخرت میں ذلیل و رسوا ہوں گے۔

---

[۲۶] الخصائص الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۷۲۔

۴: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک ایسی لکڑی کے پاس سے ہوا جو سر راہ واقع ہے جو کپڑا اور چیز بھی اسے چھولے اُسے چیر پھاڑ دیتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین سے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ جبریل امین نے جواب دیا: یہ آپ کی اُمت کے اُن لوگوں کی مثال ہے جو راستہ میں چھپ کر بیٹھ جائیں اور گذرنے والوں کا مال لُوٹ کر کھالیں[۲۷]۔ بے رہزنی اور ڈاکہ معاشی بدامنی کی بدترین شکلوں میں سے ایک ہے جسے جب تک ختم نہ کیا جائے وہ راہ گذر پر واقع نوک دار اور ترچھی لکڑی ہے جو گذرنے والوں کے کپڑے پھاڑے ان کے سامان کو نقصان پہنچائے اور ان کی سواریوں اور دیگر مواشی کو زخمی کرے۔ راہزن اور ڈاکو معاشی سامان کی نقل و حمل کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہوتے ہیں اور معاشی بدامنی پھیلا کر معاشی ترقی کی راہ پر پتھر بن جاتے ہیں جن کی تکلیف دہ صورت کا آپ نے معراج کے دوران مشاہدہ فرمایا۔ قرآن مجید نے ایسے ڈاکوؤں اور رہزنوں کے لئے سخت ترین سزا تجویز کی ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۔ (المائدہ (۵) : ۳۳)	”بلاشبہ ان لوگوں کی سزا جو اللہ کریم اور اس کے رسُول کریمؐ سے نبرد آزما رہتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا سولی چڑھا دیا جائے کہ ان کے ہاتھ اور پاؤں بالمقابل سمت سے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں زمین (ملک) بدر کر دیا جائے یہ تو ان کی دنیوی رسوائی ہو اور آخرت میں ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہوگا۔“

---

[۲۷] البیہقی، واقع معراج، رواہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ۔

۵ : آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسا شخص دکھایا گیا جس نے لکڑیوں کا ایک بڑا بھاری گٹھا اکٹھا کر رکھا ہے جسے وہ اٹھا نہ سکتا تھا مگر اس پر اور لکڑیاں لا لا کر ڈالتا جا رہا تھا اور بوجھ زیادہ کرتا جا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین سے دریافت کیا یہ کون شخص ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: یہ آپ کی قوم کا وہ شخص ہے جس پر (معاشی اور دیگر) حقوق کا بار ہے جنہیں وہ ادا نہیں کرتا۔ البتہ اس کی حماقت ہے کہ اس بوجھ میں مسلسل اضافہ کر رہا ہے[۲۸]

اس مشاہدہ میں ایک مسلمان کی تمام قسم کی ذمہ داریوں کے ضمن میں اس کی معاشی ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جنہیں ادا کرنا ضروری ہے اور اگر وہ ادا نہیں کریگا تو خود بخود تو ادا ہوں گی نہیں۔ مگر تعجب تو اس شخص پر ہے جو اپنی موجودہ معاشی ذمہ داریوں کو تو کما حقہا ادا نہ کر سکے مگر ان میں اضافہ کرتا جائے۔

حقیقت معراج پر جب کفار مکہ نے اعتراضات شروع کئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے محسوس ہونے والے شواہد میں سے جو مشاہداتی دلیل دی اس کا تعلق بھی معاشیات ہی سے ہے۔ وہ مشاہداتی دلیل یوں ہے:

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمانوں سے واپسی ہوئی تو آپ بیت المقدس آکر اترے پھر وہاں سے براق پر سوار ہو کر صبح صادق سے پہلے پہلے مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور قریش کو اپنے سلطان کریم کی تمام کرم فرمائیوں کی روداد کہہ سنائی۔ متکبر سرمایہ داران قریش جو زمین کے محسوس حقائق کو تسلیم کرنے کو بھی تیار نہیں تھے بھلا وہ یہ کیونکر تسلیم کر لیتے کہ ایک (بظاہر غریب) نبی (علیہ السلام) آسمانوں کی سیر کر آئے۔ اپنے کریم آقا سے مل کر آئے اور صرف ایک ہی رات میں، مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک اور پھر سات آسمانوں کی سیر کر کے طلوع فجر سے

---

۲۸ البیہقی: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الخصائص الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۸۰

پہلے واپس مکہ مکرمہ بھی پہنچ جائے اور وہ مکہ مکرمہ یا طائف کا سردار بھی نہ ہو۔کسی نے سر پر ہاتھ رکھا، کسی نے تالیاں بجائیں، کسی نے آوازے کسے۔غرضیکہ جس کسی نے دلآزاری کا جو طریقہ زیادہ مؤثر سمجھا وہ استعمال کیا۔مگر ایک ہی سچا اور سُچا دل تھا جو سب کچھ سُن کر اور سہہ کر استقلال اور عزم سے لبریز تھا۔جن لوگوں نے بیت المقدس دیکھا تھا۔انہوں نے صادق اور امین سے بیت المقدس کی علامات دریافت کرنا شروع کیں حتیٰ کہ مسجد اقصیٰ کی چھت کی کڑیاں تک گنوالیں، تو کہنے لگے کوئی بات بتائیے۔آپ نے فرمایا: راستہ میں فلاں مقام پر میں نے ایک تجارتی قافلہ دیکھا جو شام سے مکہ مکرمہ واپس آرہا تھا۔اس کا ایک اونٹ گم ہوگیا جو بعد میں تلاش کرنے پر مل گیا۔میرے کریم نے چاہا تو وہ تمہیں تین روز تک مکہ مکرمہ کی گلیوں میں آملے گا۔اس کے آگے آگے ایک خاکستری رنگ کا اونٹ ہوگا جس پر دو بورے لدے ہوں گے۔

اللہ کریم کے کرم سے وہ قافلہ تیسرے روز اسی شان سے مکہ مکرمہ پہنچ گیا اور اس کے جو جو واقعات صادق اور امین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بتائے تھے وہ قافلے والوں نے اپنی زبان سے بھی سُنا دیئے [29]۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ اطاعت و عقیدت سے گردنیں جھک جاتیں اور ایمان و ایقان کے مظاہرے دیکھنے میں آتے مگر وڈیرہ وڈیرہ کیونکر رہے اگر وہ کسی غریب مُصلح کی عظمت کو تسلیم کرلے۔

ولید بن مغیرہ نے جب آپ کی صداقت کے تمام مشاہدات دیکھ اور سُن لیئے تو جھلّا کر بولا: "یہ سب جادو کا کھیل ہے"۔ بھلا اس وڈیرے کی بات کا رد کرنے کی مجال کسے تھی۔سب نے کہہ دیا "ولید سچ کہتا ہے" [30]۔

---

[29] زرقانی: مواہب لدنیہ، ج ۶، ص ۱۲۶۔ [30] ایضاً

۸:۴ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تجارتی مراکز اور مجامع کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا محور بنایا۔

طائف سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم مطعم بن عدی کی ضمانت میں مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تو ہو گئے مگر اس زمانہ کے قانونِ شہریت کی رُو سے مکمل شہری نہ تھے اور آپ ایک آزاد شہری کی طرح آزادی تحریر و تقریر کے حق سے محروم تھے لہٰذا آپ نے تجارتی میلوں اور ایام حج کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا محور بنایا۔ کیونکہ شہر مکہ مکرمہ سے باہر نکل کر غالباً آپ کو تبلیغ کی اجازت تھی۔ تجارتی میلوں کا عرب میں عام رواج تھا۔ یہ تجارتی میلے سالانہ یا ششماہی ہوتے اور مقررہ تاریخ پر لگتے تھے۔ ان میلوں میں سے عکاظ، مجنۃ اور ذوالمجاز کو تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ ان میلوں میں عرب کے تمام قابلِ ذکر قبائل شریک ہوا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اس اجتماع کو غنیمت جان کر وہاں تشریف لے جاتے اور آنیوالے قبائل کو تبلیغ فرماتے۔

اسطرح آپ نے قبائل عرب میں سے حنیفہ، محارب، بنو ذہل بن شیبان، بنو عامر بن صعصعہ، غسّان، فزارہ، بنو نضر، کندہ، سلیم، کلب، بنو البکاء، حضارمہ حارث بن کعب، عبس، عذرہ، مرّہ، وغیرھا سے ملاقاتیں کیں اور انہیں اسلام کی دعوت دی[۱۳۱]

آپ ہر قبیلہ کے ٹھکانہ پر تشریف لے گئے اور ہر ایک کو ایک ہی دعوت دیتے جس میں دنیا میں معاشی خوشحالی اور سرداری اور آخرت میں سرفرازی کا وعدہ فرماتے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا "اے لوگو! اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

---

[۱۳۱] ابن سعد: طبقات، ج ۱، ص ۲۱۶ - ۲۱۷

اللہ تُفلِحُوا و تملکوا بہا العرب و تذل لکم العجم و اذا اٰمنتم کنتم ملوکا فی الجنۃ۔ [۳۲]	کا اقرار کر لو کامیاب ہو جاؤ گے اس اقرار کے ذریعے عرب پر قابو پا لو گے، عجم تمہارے فرماں بردار بن جائیں گے اور جنت میں بھی بادشاہ بن کر رہو گے۔"

ابولہب آپ جہاں کہیں تشریف لے جاتے پیچھے پیچھے پھرتا رہتا۔ اور جونہی آپ مذکورہ دعوت کا کلام مکمل فرما چکتے وہ ظالم فوراً کہہ دیتا: "اس کی بات نہ ماننا، یہ دین سے پھر گیا ہے (نعوذ باللہ) جھوٹا ہے"۔ تو لوگ آپ سے گستاخانہ انداز میں جواب دیتے ہوئے کہتے: "تیرے خاندان والے تجھے اچھی طرح جانتے ہیں کہ (تو نعوذ باللہ دین سے پھر گیا ہے) اس لئے تیرا اتباع نہیں کرتے"۔ مگر آپ حوصلہ نہ ہارتے اور انہیں اللہ کریم کی طرف بلاتے رہتے اور ساتھ ساتھ اپنے سلطان کریم سے گریہ زاری بھی کرتے جاتے: اَللّٰھُمَّ لو شئت لم یکونوا ھکذا۔ "اے اللہ کریم! اگر آپ چاہیں تو یہ لوگ اس طرح (انکار) نہ کریں"۔ [۳۳]

آپ جب کبھی ان قبائل کے پاس تشریف لے جاتے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ ساتھ ہوتے۔ آپ بنو ذہل بن شیبان کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس قبیلہ کے سردار مفروق سے کہا:

"مفروق تم نے ایک نبی کی آمد کی خبر تو سُن رکھی ہے، یہ وہی نبی علیہ السلام ہیں"۔ مفروق نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "قریشی بھائی آپ کس چیز کی تبلیغ کرتے ہیں"؟ آپ نے متانت سے جواب دیا: "اللہ کریم ایک ہے اور میں اس کا

---

[۳۲] ابن سعد، طبقات، ج ۱، ص ۲۱۶

[۳۳] ایضاً ص ۲۱۶۔

نبی ہوں۔ پھر قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ط (الانعام ۶:۱۵۱)

"کہہ دیں آؤ میں تم کو پڑھ کر سناؤں کہ اللہ کریم نے کیا چیزیں حرام کی ہیں۔ یہ کہ اللہ کریم کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ تنگدستی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ہم تمہیں اور انہیں دونوں کو رزق بہم پہنچائیں گے۔ گندی باتوں کے قریب نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور کسی انسان کی جان جسے اللہ کریم نے حرام کر دیا ہے ناحق نہ ہلاک کرو۔ ان باتوں کا تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔"

مفروق نے کہا: اللہ کریم کی قسم! یہ کلام زمین والوں کا نہیں۔ اے قریشی بھائی! آپ اور کس بات کی تلقین کرتے ہیں؟ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۗءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ط (سورۃ النحل : ۹۰)

"بے شک اللہ کریم تمہیں عدل اور احسان کرنے اور اہلِ قرابت سے حسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور بری بات اور بغاوت سے منع کرتا ہے اور تمہیں سمجھاتا ہے تاکہ نصیحت پکڑو۔"

مفروق نے کہا: آپ نے نہایت عمدہ اخلاق کی طرف بلایا۔ مگر میری مجبوری یہ ہے کہ میں اپنی قوم سے مشورہ کئے بغیر کوئی بات کیونکر قبول کر سکتا ہوں۔ اگر میں آپ سے عہد کر لوں اور میری قوم عہد کو پورا نہ کرے تو پھر یہ بری بات ہو گی۔ نیز ہم کسریٰ کے زیرِ نگیں ہیں اور ہم نے اس سے وعدہ کر رکھا ہے کہ ہم اس کی اجازت اور اطلاع کے

بغیر کوئی نیا عہد و پیمان نہیں باندھیں گے اور اگر ہم آپ سے ایسا کر لیتے ہیں تو کسریٰ ہم سے ناراض ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مفروق کی اس راست گوئی پر خوش ہوئے مگر ساتھ ساتھ یہ ضرور سُنا دیا کہ "اللہ کریم خود ہی اپنے دین کی مدد فرمائے گا اور جو جو لوگ اس دینِ حق کو قبول کرلیں گے اللہ کریم اپنا کرم کر کے انہیں کسریٰ کے تاج و تخت کا مالک بنا دے گا۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور اوس اور خزرج کے لوگوں کے پاس گئے جنہوں نے آپ کی دعوت کو قبول بھی کیا اور دین کی مدد کا یقین بھی دلایا۔[۳۴]

آپ قبیلہ بنو عامر کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں دعوتِ اسلام کا وعظ فرمایا ان کے ایک سرکردہ شخص بحیرہ بن فراس نے آپ کی تقریر سُن کر کہا :

"اگر یہ شخص میرے ہاتھ آجائے تو میں تمام عرب کو مسخر کرلوں۔"

پھر آپ سے دریافت فرمانے لگا : "اگر ہم آپ کا ساتھ دیں اور آپ اپنے دشمنوں پر غلبہ پالیں تو کیا اقتدار آپ کے بعد ہمیں ملے گا؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "یہ تو اللہ کریم کے قبضہ میں ہے وہ جسے چاہے سرفراز فرمادے۔" اُس نے کہا : یہ کیونکر ممکن ہے کہ سینہ ہم تمام عربوں کا ہو اور اقتدار اوروں کو ملے۔ ہم تو ہر گز ایسا نہیں کریں گے۔[۳۵]

انہی ایامِ حج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے آنیوالے قبائل اوس اور خزرج کے چھ سعادت مند افراد سے بھی ملاقات فرمائی۔ اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید کی چند آیات پڑھ کر سنائیں۔ سعادتمندی تو وہ گویا اپنی ماؤں کے بطنوں میں سے

---

[۳۴] سہیلی : روض الانف، ج ۱، ص ۲۶۴ ؛ ابن کثیر : البدایۃ والنھایۃ، ج ۳، ص ۱۴۳۔

[۳۵] طبری : تاریخ، ج ۲، ص ۲۰۵۔

ہی لکھوا کر لائے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ سنتے ہی تمام کا دل پسیج گیا۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ گویا آنکھوں ہی آنکھوں میں سعید بننے کا مشورہ کرتے لگے اُدھر حلیم وکریم اللہ نے اپنے کرم کا فیصلہ کر دیا۔ اور یہ تمام ایک ساتھ ہی مسلمان ہو گئے۔[۳۶] رضی اللہ عنہم۔ اگلے سال یہ باوفا اپنے بارہ دیگر ساتھیوں کو لیکر حج کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے انہیں دعوتِ اسلام دی اور یہ مسلمان ہو گئے۔ مؤرخین نے اس ملاقات کا بیعتِ عقبہ اولیٰ نام رکھا ہے آپ اوس اور خزرج کے ان سعادت مند اشخاص سے عقبہ کے مقام پر ملے تھے اور ان کی بیعت قبول فرمائی تھی۔ آپ نے ان کی روانگی کے وقت حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو معلم بنا کر ان کے ساتھ بھیج دیا۔ اس باوفا اور مخلص معلم کی شبانہ روز کوششوں سے مدینہ منورہ کے گلی کوچے نورِ اسلام سے منور ہو گئے۔

اگلے سال ۷۲ نفر مدینہ منورہ سے حاضر ہوئے اور آپ سے ملاقات کی تمنا کی۔ آپ نے عقبہ ہی کے مقام پر ان سے ملاقات کی اور انہیں شرفِ بیعت سے نوازا۔ مؤرخین نے اس بیعت کا نام بیعت عقبہ ثانیہ رکھا ہے۔

ان ۷۲ سعادتمند انسانوں نے بغیر کسی دلیل اور تقریر سے اسلام قبول کیا۔ دراصل یہ مقدس فریضہ تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ادا کر چکے تھے۔ اس مبارک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس (رضی اللہ عنہ جو اسوقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے انصار کو مخاطب کر کے کہا: گروہِ خزرج! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

۳۶ ان چھ سعادتمند انسانوں کے اسماءِ گرامی یہ ہیں: اسعد بن زرارہ، ابوالھیثم بن تیہان، عوف بن حارث، رافع بن مالک بن عجلان، قطبۃ بن عامر، عقبہ بن عامر، جابر بن عبداللہ بن ریاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ مؤرخین کا دو ناموں میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک حضرت ابوالھیثم بن تیہان اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما میں سے ایک صاحب تھے۔

اپنے خاندان میں عزت و مرتبہ والے ہیں ۔ دیکھو تمہارے سوا تمام قبائل نے ان کا انکار کر دیا ہے اور تمہارا قبول کرنا تمام عرب و عجم کے ساتھ جنگ ہے ۔ یہ تمہارے ساتھ جانا چاہتے ہیں اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی جواب دے دو۔"

حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ (ایک دوسری روایت میں حضرت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ) نے کہا : " ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں ۔"

پھر آپ نے ان سے عہد لیا کہ وہ آپ کے ساتھ حفاظت و خیال کا وہی معاملہ کریں جو وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ کرتے ہیں ۔ باوفا انصار نے حامی بھر لی ۔ ایک صاحب نے عرض کیا : " اے اللہ کے رسول کریم ! اس بیعت اور حفاظت کا بدلہ کیا ملے گا ؟" آپ نے فرمایا " جنت ۔" حضرت براء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : " تو پھر ہاتھ بڑھائیں تاکہ میں آپ کی بیعت کر لوں ۔"

حضرت ابوالہیثم بن تیہان نے اپنی تسلی کے لئے دریافت کیا : " اے اللہ کے رسول کریم ! کیا آپ ایسا تو نہیں کریں گے کہ جب آپ کو غلبہ و اقتدار حاصل ہو جائے تو آپ ہمیں تنہا چھوڑ کر اپنے وطن پلٹ آئیں ؟" آپ نے مسکرا کر فرمایا : " نہیں تمہارا خون میرا خون ہے ، تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں ۔" یہ پیار بھرا جواب سننا ہی تھا کہ تمام وارفتگی کے انداز میں آپ کے مبارک اور پیارے ہاتھ پر اپنے ہاتھ باری باری رکھ کر بیعت کرنے لگے [۳۷] اور یوں جس کی تمام قبائل نے مخالفت کی ، اس کی ماننے کی سعادت پانے والے مل گئے رضی اللہ عنہم اجمعین ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارہ [۱۲] نقیب مقرر کئے اور ان کے ذمہ لگا دیا کہ وہ

---

[۳۷] تفصیل کے لئے دیکھیں : طبقات ابن سعد ، ج ۱ ، ذکر العقبۃ الآخرۃ ۔ شبلی ندوی : سیرۃ النبی ، ج ۱ ، مدینہ منورہ اور انصار ۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری : رحمۃ للعالمین ، ج ۱ ، عقبہ ثانیہ وغیرھا ۔

یثرب میں اشاعتِ دین کا کام کریں۔ ان کے مبارک نام یہ ہیں:

قبیلہ خزرج کے ۹: اسعد بن زرارہ (رضی اللہ عنہ) عبادہ بن صامت (رضی اللہ عنہ) رافع بن مالک (رضی اللہ عنہ) (یہ تینوں بزرگ بیعتِ عقبہ اولیٰ میں بھی شامل تھے) عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہ) براء بن معرور (رضی اللہ عنہ) سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہ) سعد بن ربیع (رضی اللہ عنہ) منذر بن عمرو (رضی اللہ عنہ) عبداللہ بن عمرو بن حرام (رضی اللہ عنہ)

قبیلہ اوس کے تین: ابوالھیثم بن تیہان (رضی اللہ عنہ) اُسید بن حضیر (رضی اللہ عنہ) سعد بن خثیمہ (رضی اللہ عنہ)

اور اسطرح اللہ کریم نے آپ کی صبر آزما جدوجہد کی قدردانی کے طور پر مدینہ منورہ میں اسلام کی ترقی کی صورتیں مقدر فرمادیں۔

۴:۸۔ سفر ہجرت مدینہ منورہ کے معاشی مضامین:

خوش نصیب اہالیانِ یثرب (جو بعد میں انصار مدینہ منورہ کہلائے) جنہوں نے اللہ کریم کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دل و جان کا سودا کر لیا تھا انہوں نے ستم کے مارے مسلمانانِ مکہ مکرمہ کے لئے اپنے دل کے دروازے تو وا کر ہی دیئے تھے۔ اپنے گارا اور مٹی کے بنے ہوئے گھروں کے دروازے بھی ان کے لئے کھول دیئے تھے اور انہوں نے مخلصانہ دعوت دی کہ کافی دکھ سہہ چکے ہو۔ اب ہمارے پاس آکر بہ محبت سے رہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ ہجرت کر کے اپنے مدنی بھائیوں کے پاس چلے جائیں۔ اپنا گھر اور وطن تمام کرۂ ارض سے زیادہ پیارا ہوتا ہے مگر ستائے ہوئے مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پاکر رختِ سفر باندھ کر مدینہ منورہ روانہ ہونے لگے۔ یہاں تک مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابُو بکر

صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ رہ گئے۔ یا وہ مسلمان باقی رہ گئے جو معذور تھے۔

ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کریم سے اپنی ہجرت کی اجازت کے منتظر تھے، اُدھر سرداران مکہ مکرمہ نے جب دیکھا کہ ان کے خاندان اور قبیلہ کے تمام لوگ آہستہ آہستہ مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منوّرہ سدھار گئے ہیں۔ تو اس پر قریش مکہ مکرمہ کا دل بھی دکھنا ضرور تھا۔ اور وہ اس کا سارا الزام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دھرتے کہ انہی کے سبب خاندان اور بھائی بند بکھر گئے۔ مگر انہیں زیادہ دُکھ اس بات پر ہوا کہ ان کے ستم رسیدہ مسلمانوں کو مدینہ منوّرہ میں ٹھکانہ مل گیا اور دین کے پھیلاؤ کی صورت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے یہ خیال کر کے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کفّار سے بچ کر مدینہ منوّرہ پہنچ گئے تو یہ صورت سرداران مکہ مکرمہ کے لئے ابتداء میں باعثِ ندامت اور آخر میں ذلت و رسوائی کا موجب بنے گی۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا اور رات کو آپ کے گھر کا گھیراؤ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ آپ کو بذریعہ وحی اس مشاورت کا پتہ چل گیا۔ گو یہ لوگ آپ کے خون کے پیاسے تھے مگر آپ کی دیانت و امانت کے معترف تھے۔ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھا کرتے تھے۔ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ وہ آپ کی چادر اوڑھ کر آپ کے بستر پر آرام فرمائیں اور صبح قریش کی امانتیں واپس کر کے مدینہ منوّرہ تشریف لے آئیں[38]۔

امانت رکھنا، امانت کی حفاظت کرنا اور بسلامتی اسے امانت دار کے سپرد کر دینا اسلامی معاشیات کا ایک اہم موضوع ہے۔ امانت میں خیانت کرنا معاشی اور سماجی تعلقات میں بہت بڑے بگاڑ کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مُبارک عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ امانت جانی دشمن کی بھی واپس کرنی چاہیئے۔ اور اگر آپ نہایت تنگی اور جاں کنی کی حالت میں ہوں تب بھی امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹا دیا کریں۔ اسی

[38] صحیح بخاری، باب الهجرة۔

لئے آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تلقین فرمائی کہ وہ آپ کے بستر پر آرام فرمائیں اور صبح قریش کی ایک ایک امانت واپس کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔

جب کفار نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو ابوجہل نے باہر کھڑے ہو کر استہزاء کے طور پر آپ کا ایک دعویٰ محاصرہ کرنے والوں کو سنایا جس کا مقصد آپ کی بے بسی اور کفار کے غلبہ کا اظہار تھا۔

یہ استہزاء ایک بہت بڑی معاشی حقیقت کی نشاندھی کرتا ہے کہ بے بس و مجبور کی معاشی خوشحالی کا دعویٰ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، جب تک وہ آزاد سوچ و فکر کا مالک نہ ہو اور سرمایہ دار غلبہ والا جو چاہے کہتا رہے اور کرتا رہے وہ درست ہی سمجھا جاتا ہے مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس تھا۔ کیونکہ اُمت کی معاشی خوشحالی کا دعویٰ نبی علیہ السلام کی طرف سے تھا جو اللہ کریم کے حکم سے سنایا جا رہا تھا۔ ابوجہل باہر کھڑا ہنس ہنس کر کہہ رہا تھا۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زعم ہے کہ اگر تم ان کی بات مان لو تو دنیا میں عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ گے اور مرنے کے بعد جنت کے مالک ہو گے اور اگر ان کی بات نہ مانو گے تو دنیا میں ان کے پیروؤں کے ہاتھوں قتل کئے جاؤ گے اور مرنے کے بعد جہنم کا ایندھن ہو گے [۳۹]"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں اپنے اللہ کریم کے وعدوں پر پورا پورا الیقین تھا گھر سے مٹھی بھر خاک لیکر باہر تشریف لائے اور ابوجہل کو مخاطب کر کے کہا:

"ہاں میں یہی کہتا ہوں اور تو بھی اُن لوگوں میں سے ایک ہو گا۔ جو میرے ماننے والوں کے ہاتھوں قتل ہو گا۔ اور مرنے کے بعد جہنم میں جلے گا۔" [۴۰]

---

[۳۹] ابن سید الناس: عیون الاثر، ج ۱، ص ۱۷۹۔ [۴۰] ایضاً

پھر وہ مشت خاک سورۃ یٰسین کی آیت :

فَاَغْشَیْنٰھُمْ فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝ (پھر ہم نے ان پر پردہ ڈال دیا وہ کچھ نہیں دیکھتے)

پڑھ کر ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کے سروں پر ڈال کر بسلامتی گھر سے نکل کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوران ہجرت کا ایک دوسرا واقعہ لیں جو ہماری معاشی زندگی کا ایک اہم حصہ ہے :

جب آپ اللہ کریم کے کرم سے کفار کے نرغے سے بسلامت بچ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے تو انہوں نے ان دو اونٹنیوں میں سے جو انہوں نے خالصۃً اس مبارک سفر کے لئے ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کر رکھی تھیں، ایک جس کا نام قصواء تھا آپ کو بطور ھدیہ پیش کرنا چاہی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مخلص ترین دوست کا ھدیہ مفت لینا گوارا نہ کیا بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ان کا ھدیہ بقیمت قبول کر لیں گے۔[۴۱] اس سے معلوم ہوا کہ ھدیہ بعوض بھی لیا اور دیا جا سکتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار ثور میں تشریف لے گئے تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا (جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں) نے دو تین دن کا کھانا ایک تھال میں رکھا اور نطاق (ایک کپڑا جسے عورتیں کمر سے لپیٹتی تھیں) پھاڑ کر اس سے اس کا منہ باندھ دیا۔ ان کا یہ فعل اسقدر شرف قبولیت سے نوازا گیا کہ آج تک وہ اسلامی دنیا میں ذات النطاقین کے باعزت لقب سے یاد کی جاتی ہیں۔[۴۲]

۴۱۔ صحیح البخاری، ج [illegible]، ص [illegible]؛ ابن سعد: طبقات، ج ۱، ص ۲۲۸

۴۲۔ صحیح البخاری، باب الہجرۃ؛ ابن سعد: طبقات، ج ۱، ص ۲۲۸

یہ بات اس لئے درج کی گئی ہے کہ اس مبارک سفر میں آپ کے کھانے پینے کا ذکر آپکی زندگی کے معاشی پہلو سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔

غارِ ثور میں تین دن رات مقیم رہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بکریاں چرا کر غار کے پاس لاتا اور آپ دونوں ان کا دودھ دوھ کر نوش فرما لیتے۔

جب رات کا اندھیرا پھیل جاتا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کھانا پہنچا دیا کرتی تھیں[۴۳]۔ ان واقعات کا بھی آپ کی حیاتِ طیبہ کے معاشی پہلو سے تعلق ہے۔

آپ چوتھے روز غارِ ثور سے نکلے اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ کی رہنمائی کے لئے ایک مشرک عبداللہ بن اریقط کو اُجرت پر رکھا[۴۴]۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مبارک عمل ہماری معاشی زندگی کے لئے ہمیں یہ رہنمائی کرتا ہے کہ کافر سے بھی اُجرت پر خدمت لی جا سکتی ہے۔ عبداللہ بن اریقط کے علاوہ آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ چار نفوس کا قافلہ مدینہ منورہ کی طرف رواں تھا۔

اس سفر کے دوران ایک اور اہم واقعہ پیش آیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کی انتہائی معاشی خوشحالی کی خبر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کفّار کے مکر و فریب سے بخیریت بچ نکلنے کا قریش کو سخت صدمہ ہوا۔ انہوں نے اپنی مجلس بلائی۔ جس میں یہ اعلان کیا کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے لائے اُسے ایک خون بہا کے برابر (یعنی سَو اونٹ کا) انعام دیا جائے گا۔

---

[۴۳] ابن ہشام، سیرۃ۔ ج ۱، ذکر ھجرۃ۔

[۴۴] ابن سعد: طبقات۔ ج ۱، ص ۲۲۹۔

سراقہ بن مالک بن جعشم جو عرب کا ماہر تیر انداز تھا۔ اس انعام کے لالچ میں آپ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ حتیٰ کہ اس نے ان چار کے قافلہ کو جالیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو گھبرا کر کہنے لگے: یا رسول اللہ! سراقہ آگیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ سراقہ کی تیر اندازی کی مہارت کئے خلاف ہے کہ وہ تیر کمان پر چڑھا کر چلائے اور نشانہ پر نہ لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گھبرائیں نہیں، وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ سراقہ کے گھوڑے نے تین بار ٹھوکر کھائی۔ اس نے ہر بار تیر کے ذریعے فال نکال کر دیکھی تو جواب نفی میں آیا۔ مگر ایک سو اونٹ کے بھاری انعام کے مقابلہ میں فال کی بات ہلکی محسوس ہوئی۔ مگر تیسری بار ٹھوکر کھا کر سنبھلا تو اس کا دل مان گیا کہ جس ذات پر وہ حملہ کرنے کی نیت سے آیا وہ کوئی عام شخصیت نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے دریافت کیا: "تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟" اس نے سارا ماجرہ کہہ سنایا اور آخر میں ایک انوکھی بات کہی:

"آپ مجھے یہ امان لکھدیں کہ جب آپ مکہ مکرمہ فتح کریں گے تو مجھے کچھ نہیں کہا جائیگا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ "اسے امان لکھدیں۔"

سراقہ نے خوش ہو کر عرض کیا: "میرا گھوڑا اور سامانِ رسد آپ کے لئے حاضر ہے۔" مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ کیا، اور فرمایا اَخْفِ عَنَّا (ہمارا معاملہ پوشیدہ رکھنا)۔"

اُس نے کہا: بیت اللہ کے رب کی قسم! آپ اب اطمینان سے سفر فرمائیں۔ مکہ مکرمہ کا کوئی قریشی آپ کے تعاقب میں نہیں آئے گا۔ میں آپ کا حفاظتی بن کر جا رہا ہوں۔

اللہ اللہ قتل کا ارادہ کر کے آیا تھا مگر حفاظتی بن کر جا رہا ہے۔

جب وہ واپس جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا کہ سراقہ ادھر آؤ۔ ایک بات سُن کر جاؤ۔ آپ نے کیا فرمایا؟ ذرا دل تھام کر پڑھیں:

کیف بک اذا لبست سوارکسریٰ ترجمہ: اسوقت تیرا کیا حال ہوگا جب تو کسریٰ کا

کنگن اپنے ہاتھوں میں پہنے گا"

سراقہ سن کر چکرا گیا۔ کہنے لگا: کیا کہا؟ کسریٰ [illegible] کے کنگن میرے ہاتھوں میں!! غالباً سراقہ کو تعجب اس لئے ہو رہا تھا کہ یہ وعدہ [illegible] ایسے کی زبان سے سنایا جا رہا تھا جو بظاہر ایک لٹا پٹا ہوا انسان تھا جسے اس کے خاندان والوں نے گھر (مکہ مکرمہ) سے نکال دیا تھا اور وہ دوسروں (انصار مدینہ) کے وعدوں پر یقین کر کے مدینہ منورہ آباد ہونے جا رہا تھا۔ جس کا ابھی تک گھر ہے نہ در، نہ فوج ہے نہ لشکر۔ بھلا وہ کیونکر ایران کے عظیم کسریٰ کے کنگنوں کو بزور چھین لینے کی بات کر سکتا ہے۔ مگر معاملہ یہ نہیں تھا۔ یہ دعویٰ اللہ کریم کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے تھے جو اس دنیا کے لالچ میں آنے والے سراقہ کو یہ بات بتانا چاہتے تھے کہ تم مجھے قتل کرنے آئے ہو، میرے پیروکاروں میں شامل ہو جاؤ گے تو دنیا تمہارے قدموں پر آئے گی۔ اور تمہاری معاشی خوشحالی کی یہ حالت ہو گی کہ ایک دن کسریٰ کے کنگن بھی تمہارے ہاتھوں میں پہنا دیئے جائیں گے۔"

اللہ کریم نے یہ دعویٰ بھی پورا کر دکھایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کسریٰ کا ملک ایران فتح ہوا۔ اور مال غنیمت میں اس کے کنگن بھی آئے جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سراقہ رضی اللہ عنہ کو پہنا کر نیرنگی عالم کا تماشا دیکھا۔

روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سراقہ رضی اللہ عنہ (جو فتح مکہ مکرمہ کے دن مسلمان ہو گئے تھے) کو کنگن پہنانے کے لئے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اکٹھا کیا۔ سراقہ کو کنگن پہنا کر آپ نے

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

[۴۵] زرقانی: ج ۱، ص ۳۴۸۔ ابن عبدالبر: استیعاب، ج ۲، ص ۱۲۰۔

بیٹھ گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد :

"کیف بک اذا لبست سوار کسریٰ" بار بار دہراتے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی چیخیں نکل نکل گئیں اور آپ کی روتے روتے گھگھی بندھ گئی[۴۶]

سفرِ ہجرت کے دو واقعات اور ہیں۔ جن کا تعلق سیرۃ طیبہ کے اقتصادی پہلو سے ہے :

مدینہ منوّرہ کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں اُمِّ معبد (رضی اللہ عنہا) کا خیمہ پڑتا تھا۔ اُمِّ معبد (رضی اللہ عنہا) ایک مضبوط جسم کی بہادر بدوی خاتون تھیں۔ اپنے خیمہ کے باہر بیٹھ کر مسافروں کو سامان خورد و نوش فروخت کیا کرتی تھیں۔ چار افراد کے اس محترم قافلہ نے اُن سے گوشت، روٹی، کھجور وغیرہ خریدنے کی خواہش کی۔ اُمِّ معبد (رضی اللہ عنہا) نے دکھ کیساتھ انکار کیا کہ سب کچھ ختم ہے۔ اُن کے صحن میں ایک دُبلی پتلی بکری بندھ رہی تھی جو گھر پر اس لئے رہنے لگ گئی تھی کہ اپنی کمزوری اور لاغری کی وجہ سے ریوڑ کیسا تھ نہ چل سکتی تھی۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اگر تم اجازت دو تو ہم تمہاری اس بکری کا دودھ دوھ لیں ؟ اُمِّ معبد نے ہنس کر کہا بڑی خوشی سے، مگر اس بیچاری کا دودھ کہاں۔ یہ تو چل پھر بھی نہیں سکتی۔ آپ نے اللہ کریم کا نام لیکر اس کے تھنوں کو ہاتھ لگایا وہ دودھ سے بھر گئے۔ محترم قافلہ کے چاروں افراد نے خوب سیر ہو کر پیا اور اُمِّ معبد رضی اللہ عنہا کے گھر کے برتن بھی دودھ سے لبریز چھوڑ کر آگے چل دیئے[۴۷]

اِس واقعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عربوں کی عورتیں بھی تجارتی مشاغل میں شریک

---

[۴۶] مذکورہ حوالہ جات کے علاوہ ابن سعد: طبقات، ترجمہ سراقہ بن مالک۔ اصابہ ترجمہ سراقہ بن مالک۔ تاریخ طبری: ہجرت مدینہ کے واقعات۔

[۴۷] ابن سعد: طبقات، ج ۲، ص ۲۲۹ - ۲۳۰

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

رہتی تھیں۔ اور اس کے ذریعے روزی کمانا عار نہیں سمجھا جاتا تھا۔

آپ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ملے۔ یہ ایک تجارتی قافلہ لے کر شام سے واپس آ رہے تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سفید لباس پیش کیا۔[۴۹] اس بے سرو سامانی کی حالت میں یہ بڑا معاشی سہارا بن گیا۔

۹:۲ - مکہ مکرمہ میں آپ کا ذریعہ معاش:

مکہ مکرمہ میں آپ کا ذریعہ معاش کیا تھا؟ اس موضوع سے ہمارے مؤرخین نے انصاف نہیں کیا۔ آپ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی جانے والی کتب کا سارا ذخیرہ کھنگال لیجئے آپ کو اس عنوان پر مستقل بحث نہیں مل سکے گی۔ غالباً اس کی وجہ آپ سے ان کی عقیدت کا وہ درجہ ہے جہاں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذریعہ معاش کی ضرورت سے ہی بالاتر تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال اور باعزت ذریعہ معاش اختیار کر کے اپنی امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

جب ابو معبد شام کو بکریاں چرا کر تشریف لائے اور گھر میں دودھ کے برتن بھرے دیکھے تو تعجب سے دریافت کیا: "ام معبد یہ دودھ کہاں سے آیا؟" انہوں نے کہا اس بکری کا جو گھر میں بندھی ہوئی ہے۔ پھر سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ابو معبد (رضی اللہ عنہ) نے کہا: ہو نہ ہو یہ قریش کے وہی کریم النفس شخص ہیں جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ بھلا مجھے ان کے اوصاف تو بتاؤ۔ ام معبد رضی اللہ عنہا نے آپ کا حلیہ مبارک نہایت خوبصورتی سے بیان کیا۔ یہ دونوں سعادتمند مسلمان ہو گئے اور مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۳۰ - ۲۳۱ - ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ: ج ۳، ص ۱۸۹ - [۴۹] صحیح البخاری: باب الہجرۃ -

حلال اور باعزت ذریعہ معاش اپنا کر اپنی اور اپنے زیر کفالت افراد کی معاشی ضروریات پوری کریں۔

منصب نبوّت پر سرفراز ہونے سے قبل اور کچھ عرصہ بعد تک بھی آپ نے تجارت کو ذریعہ معاش بنایا۔ اس سلسلہ میں آپ نے متعدد تجارتی اسفار بھی فرمائے جن کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں۔ البتہ دعوتی ذمہ داری بڑھ جانے سے اس بابرکت پیشہ میں آپ زیادہ وقت نہ صرف کر سکے اس لئے بعثت کے بعد آپ کے تجارتی اسفار اور تجارتی کاروبار کا ذکر کم ملتا ہے۔

جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ کے حبالہ عقد میں آئیں تو ان کی تمام تر دولت اور تجارت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ اور یوں اللہ کریم نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی تفکرات کو کم کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دلجمعی کے ساتھ اپنے دعوتی کاموں میں لگے رہتے تھے۔ البتہ یہ بات قرین قیاس ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جن کا بہت بڑا تجارتی کاروبار تھا وہ آپ کے نکاح میں آنے پر یکدم ختم تو نہیں ہو گیا ہو گا۔ بلکہ جاری رہا ہو گا۔ تو اس کی نگرانی اب آپ ہی فرمایا کرتے ہوں گے اس طرح تجارت سے آپ کی وابستگی رہی ہو گی۔

کتب سیرۃ میں یہ کہیں نظر نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مکی زندگی میں اپنے غنی اصحاب مثلاً ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ کے تحائف وغیرہ پر گذر بسر کی ہو۔ ظاہر ہے یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی دولت ہی تھی جسے اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ذریعہ معاش بنا دیا

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ : "اور تجھے مفلس پایا تو تونگر بنا دیا"

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم

باب ۴
ہجرت کے وقت مدینہ منوّرہ کی معاشی حالت

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو اسوقت مدینہ کا اقتصادی نظام زمیندارانہ نظام Feudalism یا سرمایہ دارانہ نظام Capitalism سے ملتا جلتا تھا۔ امیر اور سرمایہ دار غریب اور محتاج کا اور زمیندار کسان (مزارع) کا استحصال کرتے تھے۔ اکثریت غرباء کی تھی جبکہ سرمایہ دار اور زمیندار اقلیت میں تھے مگر وہ پورے معاشرہ پر چھائے ہوئے تھے۔ اسوقت مدینہ منوّرہ میں تین قسم کے لوگ آباد تھے۔

۱۔ کسان:

شہر اور آس پاس کے علاقہ کی غالب اکثریت کسانوں کی تھی بلکہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (اسوقت کا یثرب) تو "کسانوں کی بستی" کے نام سے مشہور تھا۔ یہ لوگ یا تو اپنی ذاتی زمین کاشت کرتے تھے یا دیگر زمینداروں کی زمینیں لیکر لگان پر کاشت کرتے تھے۔ کسانوں کی اکثریت غریب تھی جن کا معاشی استحصال زمیندار لگان کی وصولی اور دیگر شرائط کی بدولت کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ سخت محنت کر کے مختلف قسم کی فصلیں کاشت کرتے مگر ان کی معاشی بدحالی گویا ان پر مسلط کر دی گئی تھی۔ جس کا سبب لگان کا طریقہ کار تھا۔ اس کی تفصیل باب (۱) میں

[illegible] بیٹے

[illegible] کے باوجود کسان غریب تھے اور انہیں معاشرہ میں [illegible] ذلیل تصور کیا جاتا
[illegible] کی معاشی پستی تھی۔ اس کا اظہار ابوجہل کے اس قول سے ہوتا ہے جو اس
[illegible] بدر کے موقع پر کیا۔ فوج اسلام سے تین انصاری (جو بنیادی طور پر کسان تھے)
[illegible] عوف، حضرت معاذ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم لشکر قریش کے
[illegible] افراد عتبہ، اس کا لڑکا اور بھائی کے مقابلہ میں نمودار ہوئے۔ تو اس نے کہا "اے محمد!
[illegible] ہمارے جوڑ کے نہیں" ۱ے

مورخین نے لکھا ہے کہ اس طعنہ کی وجہ یہ تھی کہ انصار کو کھیتی باڑی کرنے کی وجہ سے
[illegible] تھا۔ جب ابوجہل اس غزوہ میں اسلامی لشکر کے دو کمسن مجاہدوں (معاذ
[illegible]) کے ہاتھوں سخت گھائل ہو کر قریب المرگ تھا۔ تو حضرت عبداللہ بن
[illegible] نے اس کی گردن پر لات رکھ کر اس کا سر قلم کرنا چاہا تو اس نے آنکھ کھول
[illegible] ہے! دیکھ تو اپنا پاؤں کہاں رکھ رہا ہے؟ اور آخری جملہ کہا:
[illegible] اکار قتلنی ۳ے "اے کاش مجھے کسان کے علاوہ کسی اور نے قتل کیا ہوتا۔"
[illegible] قریش [illegible] نہیں سارے عرب کے سرمایہ دار اور زمیندار کسانوں کے کمزور
[illegible] کرتے تھے۔ ان کا تصور غالباً یہ تھا کہ یہ بیچارے ان زمینداروں کیلئے
[illegible] اگاتے تھے۔ جسے کھا کر وہ ان غریبوں کے خلاف باتیں بناتے تھے۔

[illegible] کتاب الجہاد، دوسری کتب حدیث میں معمولی اختلاف کے ساتھ یہ الفاظ مذکور ہیں۔
[illegible] النبی، ج ۱، ص ۳۲۹، حاشیہ ملاحظہ کریں۔
[illegible] مجمع البحار، ج ۱، مطبوعہ حیدر آباد، ص ۲۸۔ "اکار" کے معنی کسان
[illegible] کہا کہ اے عفراء کسان کے دو بیٹوں نے قتل کیا ہے۔

۲۔ تاجر

مدینہ منورہ کی معاشی زندگی کا دوسرا بڑا عنصر تاجر تھے۔ مدینہ منورہ میں ان تاجروں کے کئی بازار تھے۔ یہاں کا مشہور بازار قینقاع تھا۔ جہاں سونا چاندی کے زیورات، مصنوعات کپڑا اور دیگر قیمتی اشیاء کے تاجر بیٹھا کرتے تھے۔[۴]

ان تجار نے اپنی تجارت کے اندر ان تمام طریقوں کو رواج دے رکھا تھا جن کے ذریعے یہ طبقہ صارفین اور خام اشیاء کے فروخت کرنے والوں کا استحصال کرتا تھا۔ ان غیر شرعی اور غیر اخلاقی طریقوں میں احتکار، نجش، بیع الحاضر للباد، تلقی الرکبان، بیع النسیئہ، بیع المصراۃ، بیع المخاضرۃ، بیع المجازفۃ، بیع المزابنہ وغیرہا۔[۵]

تجارت پر عموماً یہود کا قبضہ تھا۔ وہ منڈیوں میں اپنی من مانی کرتے۔ مصنوعی قلت پیدا کر کے اشیاء کی قیمتیں چڑھا لیتے، چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی سے کام لیتے اور یوں صارفین اور حاجت مندوں کا استحصال کرتے۔

سرمایہ دار اور ساہوکار

مدینہ منورہ کی معاشی زندگی کو جس عنصر نے سب سے زیادہ مفلوج کر رکھا تھا وہ یہودی سرمایہ دار اور ساہوکار تھے جنہوں نے اوس اور خزرج کے محتاج کسانوں کا منظم استحصال Organised Exploitation شروع کر رکھا تھا وہ ان غریبوں اور محتاجوں کو اپنی من مانی شرائط پر قرضہ دیا کرتے تھے۔ ان کے سود در سود کی

---

[۴] ایضاً، ج ۴، ص ۳۵۸۔ سید ابوالحسن علی ندوی: نبی رحمت ج ۲، مجلس نشریات اسلام کراچی، ص ۱۸۹۔

[۵] ان فقہی اصطلاحات کی تشریح پہلے باب میں گذر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لیں۔

رقم اصل زر سے کئی گنا بڑھ جاتی تھی۔ مدینہ کا شاید ہی کوئی محتاج گھرانہ ایسا ہوگا جو ان کے سودی چنگل میں گرفتار نہ ہو۔

یہ وہ دور تھا جب یہودی سرمایہ داروں کی سودی سرگرمیاں جزیرہ عرب سے باہر اسپین اور دیگر یورپی ممالک تک پھیل چکی تھیں۔ اور آج کی طرح اس دور میں بھی عالمی سیاست میں ایک اہم عنصر بن چکے تھے۔[۶]

یہودی سرمایہ دار اہلِ کتاب تھے۔ وہ اپنے آپ کو اللہ کریم کا سب سے زیادہ مقرّب تصوّر کرتے تھے۔ مگر افسوس کہ اتنی اونچی نسبت کا زعم رکھنے کے باوجود وہ اللہ کریم کے محتاج بندوں کا معاشی استحصال کرنے کے لئے سود کا مہلک ترین حربہ استعمال کرتے تھے۔ اللہ کریم نے ان کے اس گھناؤنے جرم کی پاداش کے طور پر ان پر اپنی بہت سی حلال نعمتیں بھی حرام ٹھہرا دیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ وَبِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ۙ‏ وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ‌ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا اَلِيۡمًا (النساء ۴: ۱۶۰، ۱۶۱)

"یہود کے گناہوں کی بدولت ہم نے ان کے لئے وہ بہت سی چیزیں حرام کر دیں جو اس سے قبل اُن کے لئے حلال تھیں۔ اسکی (دوسری) وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اللہ کریم کی راہ سے روکتے تھے اور اس کی (تیسری) وجہ سے بھی کہ وہ سُود لیا کرتے تھے۔ حالانکہ اس سے انہیں منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے اور کافروں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

حضرت سعد بن ابی بردہ رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں:

---

[۶] سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲: مطبوعہ لاہور، ص ۱۵۔

"جب میں مدینہ منورہ گیا تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ [illegible]
انہوں نے فرمایا تم ایسے ملک میں رہتے ہو [illegible]
لہٰذا جب تم کسی کو قرض دو اور وہ تمہیں گھاس کا گٹھا ہی ہدیہ دے تو [illegible]"

مالی معاملات

جزیرۃ العرب کے دوسرے شہروں (بالخصوص طائف اور مکہ مکرمہ) کی طرح یہاں بھی مالی معاملات کے ذرائع میں سے نمایاں سود اور رہن تھے۔ اور [illegible] کی بستی میں تو ان دونوں ذرائع کا چلن سرمایہ داروں کے لئے بہت [illegible]
ان دونوں حربوں کے ذریعے وہ غریب کسانوں کو اپنے زیر [illegible] کامیاب ہو سکتے تھے کیونکہ غریب کسانوں کو اکثر صرفی اور سدا [illegible] پڑتی ہے اور سرمایہ دار ان پر سود لگا کر یا ان کی قیمتی [illegible] اپنے پاس [illegible] کا احساس زیادہ تیز کر [illegible] اور انہیں سندوں کی غلامی کا خوگر بنا تا [illegible]

سرمایہ دار جب اپنی دولت کے نشے میں مست ہو جاتے ہیں تو وہ تمام اخلاقی [illegible] اقدار کو پس پشت ڈال کر گویا وہ اپنی امارت کا حق سمجھتا ہے اور تمام پاکیزہ جذبات [illegible] لطیف احساسات کو پامال کرنا ہی اپنی سرمایہ داریت کے اظہار کا [illegible] رہا ہے۔ ان کی اس بدبودار ذہنیت کا اظہار اس دور کے یہود [illegible] [illegible] جب انہوں نے رہن کے نظام کو صرف سرمایہ کی حد تک [illegible] بلکہ مجبور و مقہور کسانوں کی عورتیں اور بچے بھی رہن رکھے جانے [illegible]

کے بخاری صحیح، مناقب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔

شہ الطنطاوی، محمد سید الدکتور، بنو اسرائیل فی القرآن والسنۃ، ص ۹۷، (التصرف کیا فقہ)

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور یہودی سرمایہ دار کعب بن الاشرف کی گفتگو ہے۔ جو ان کے درمیان اسوقت ہوئی جب حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اس ظالم ساہوکار کو قتل کرنے کے لئے اس سے قرض مانگنے کا بہانہ کر کے آئے تھے۔ جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا ہے [۹]۔

معیشت کے استحصالی نظام نے انسانوں کے دلوں میں نفرت کے بیج بو دیئے غریب اور امیر کے درمیان بغض وعناد کی وسیع خلیج حائل تھی۔ غریب انصار[۲] کے احساس محرومی نے استحصالی یہودی سرمایہ داروں کے خلاف رقابت کے جذبات پروان چڑھائے تھے۔

جب انصار رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے عادلانہ، منصفانہ معاشی نظام کی یہ خصوصیت سنی کہ وہ اُمراء کی دولت میں غرباء اور فقراء کے حقوق مقرر کرتا ہے اور دلواتا ہے۔ اور وہ امیر وغریب کو انسان ہونے کے ناطے سے برابر تسلیم کرتا ہے تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرنے میں بڑی عجلت سے کام لیا۔ اور یہودی سرمایہ داروں کے خلاف لڑائیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو بن گئے۔

---

[۹] بخاری: کتاب المغازی، باب قتل کعب بن الاشرف۔

باب ۵
قیام مدینہ منورہ کے ابتدائی حالات

۵:۱ کلثوم رضؓ بن الھدام کی میزبانی:★

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو سب سے پہلے آپ نے حضرت کلثوم بن ھدام رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام فرمایا۔ حضرت کلثوم بن الھدام رضی اللہ عنہ عمرو بن عوف کے ممتاز خاندان کے سردار تھے۔ یہ خاندان قباء یا عالیہ میں قیام پذیر تھا۔ یہ آبادی مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھی۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ۱۴ دن تک قیام فرمایا[۱]

★ حضرت کلثوم اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہما (جیسا کہ آگے آرہا ہے) کی مہمانی کی قبولیت اور اس طرح چند ایام گذار کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ مہمان (اور مہمانی بھی کسی بے گھر بے سہارا اور مسافر کا ذریعہ معاش ہوتے ہیں۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک تعلیمات میں مہمان نوازی کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ ایک حدیث میں چند دیگر امور کے ساتھ مہمان نوازی کا ذکر خیر نہایت اہتمام سے فرمایا:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من کان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

۲:۵۔ مسجدِ قبا کی تعمیر اور مزدور کی عظمت ﷺ کا عملی درس

قبا میں قیام کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا کام وہ کیا جس سے خالق کریم اور مخلوق کے کمزور طبقہ کی عظمت کو اُجاگر کیا۔ یہ مُبارک کام مسجد (مسجد قبا) کی تعمیر تھا۔ مسجد کی تعمیر کے مبارک کام سے اپنی مصروفیات کا آغاز فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو آشکارہ فرمایا کہ نبی علیہ السلام کا کام اللہ کریم کی فرمانبرداری اور اس کے حضور سربسجود ہونے کے مقام کو تعمیر کرنا اور آباد کرنا ہوتا ہے۔ دوسرے اس مُبارک کام کی تکمیل کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مسجد کی تعمیر میں حصہ لینے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کیساتھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلیکرم ضیفہ ، ومن کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلیصل رحمہ و من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلیقل خیرًا او لیصمت (متفق علیہ)	اللہ کریم اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ کریم اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ صلہ رحمی کرے اور جو شخص اللہ کریم اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ بھلائی کی بات کہے یا چپ رہا کرے۔"

ایک دوسرے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان نوازی (ذریعہ معاشی کفالت) کی مدت کا تعین بھی فرما دیا:

عن ابی شریح خویلد بن عمرو الخزاعی رضی اللہ عنہ قال : سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلیکرم ضیفہ جائزتہ قالوا:	"حضرت ابو شریح خویلد بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جو شخص اللہ کریم اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کا اعزاز و اکرام کرے اس کی مہمانی کا حق ادا کرے۔ ... نے

مل کر مزدوروں کی طرح کام کیا اور اسطرح آپ نے اپنے بابرکت عمل سے انسانوں کے کمزور طبقہ محنت کشوں کی عظمت کو چار چاند لگائے۔ روایت میں آتا ہے کہ آپ مزدوروں کے ساتھ مل کر پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے، بھاری بھرکم پتھر اٹھاتے وقت آپ کی کمر مبارک خم ہو جاتی۔ مگر آپ برابر اپنی بندگی اور مزدور کی عظمت کی عملی صورت پیش کرتے رہے۔ جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آ آ کر کہے جاتے: "ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ پتھر نہ اُٹھائیں، ہم اٹھائیں گے۔" آپ اُن کی دلجوئی کے لئے وہ پتھر چھوڑ دیتے مگر فوراً ہی اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے۔[۱]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پیارے صحابی حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جو کہ شاعر بھی تھے، وہ بھی اللہ کریم کے گھر کی تعمیر میں لگے ہوئے مزدوروں کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ جب اندازہ کرتے کہ یہ مبارک مزدور تھک گئے ہیں تو ان کی تھکاوٹ دور کرنے کے لئے اپنے اشعار پڑھتے: ؎

افلح من يعالج المساجدا ‏ ‏ ‏ ‏ ويقرأ القرآن قائما وقاعدا

ولا يبيت الليل عنه راقدا

ترجمہ: "وہ کامیاب ہوگیا جو مساجد تعمیر کرتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے قرآن مجید پڑھتا ہے اور رات سو کر نہیں گذارتا۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

وما جائزته يارسول الله؟ قال:	عرض کیا، اس کی مہمانی کا حق کیا ہے؟
يوم وليل والضيافة ثلاثة ايام	فرمایا ایک دن مہمانی لازمی ہے اور تین دن
فما وراء ذلك فهو صدقة (متفق عليه)	افضل ہے۔ اس کے بعد صدقہ ہے۔"

[۱] صحیح بخاری: باب الہجرۃ۔

[۲]

۳:۵ حضرت ابوایوبؓ انصاریؓ کے ہاں قیام

مدینہ منوّرہ تشریف آوری کے ابتدائی سات ماہ حضرت ابوایوب انصاری (خالد بن زید البخاری الخزرجی) رضی اللہ عنہ کے مکان میں مہمانِ عزیز بن کر گذارے۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اپنی خوبی تقدیر پر جتنا بھی زیادہ ناز کرتے انہیں حق حاصل تھا۔ کیونکہ تمام انصارِ مدینہ کو چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی ان کے حصہ میں آئی۔ عقیدت مند مؤرخین اسلام نے اس سعادت مندی کے واقعہ کو بھی عقیدت کے قلم کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ جب آپ حدود شہر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو ہر جاں نثار صحابی رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اونٹنی کی مہار تھام تھام لیتا۔ مگر آپ فرماتے اسے چھوڑ دیجئے۔ یہ اللہ کریم کے حکم پر مامور ہے۔ یہ وہیں جاکر رکے گی جہاں اللہ کریم کو ہمارا رہنا پسند ہے۔ اونٹنی جب بنی مالک بن نجار کے محلّہ سے گذر رہی تھی تو ایک جگہ[۳] پر آکر بیٹھ گئی۔ یہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر تھا[۴]۔ یہ منظر ہر دیکھنے والی آنکھ کے لئے دیدنی اور قابل رشک تھا جب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے لپک کر اونٹنی سے سامان اُتارا اور اس اوّلین اور آخرین کے مبارک ترین مہمان کو لیکر اپنے کچے مکان میں داخل ہو گئے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی جس فدائیت کے ساتھ کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ کہتے ہیں ان کا تنگ اور کچا مکان دو منزلہ تھا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے جانے والوں کی رعایت کرتے

---

[۳] اس جگہ پر آج کل مسجد نبوی شریف کا دروازہ (باب جبریل) ہے ان دنوں یہاں بنی نجار کے دو یتیم لڑکوں کا کھجوروں کا ایک کھلیان تھا۔ یہ لڑکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیالی رشتہ دار تھے۔

[۴] ابن حجر عسقلانی: اصابہ فی احوال الصحابہ، ذکر ابی ایوب انصاری رضی اللہ عنہ۔

ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکان کی نچلی منزل پیش کر دی اور خود اوپر کے حصہ میں منتقل ہو گئے ۔ ایک مرتبہ اوپر والی منزل میں ان کا پانی کا لگن ٹوٹ گیا انہوں نے اس ڈر سے کہ کہیں پانی نیچے رس کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچائے اپنے اوڑھنے کی چادر (جو ان کے گھر میں ایک ہی تھی) پانی پر ڈال کر پانی کو خشک کیا[۵]

حضرت ابو ایوبؓ کی مالی حالت اُن دنوں اچھی نہیں تھی لیکن جو کچھ اللہ کریم کے رزق سے انہیں میسر تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور راحت رسانی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نچھاور کرتے اور مزید کی تمنا رکھتے تھے ۔ جب کھانا تیار ہوتا تو سارے کا سارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیتے ۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچا کر واپس ارسال فرماتے وہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا خاندان کھاتا اور اپنی سعادت مندی پر پھولا نہ سماتا ۔ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پس خوردہ کھا رہے ہیں[۶]

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں آپ کا قیام سات ماہ رہا[۷]

یہاں آپ کے اہلِ خانہ کے علاوہ مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا میں شریک ہوتے تھے ۔ لہٰذا یہاں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی مہمان نوازی کیساتھ ساتھ انصار میں سے مخیّر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان غریب مسافر صحابہ کرامؓ کی کفالت کے لئے اپنے ھدایا آپ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے ۔ روایات میں آتا ہے کہ پہلا ھدیہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ لائے ۔ یہ ایک بڑا پیالہ ثرید کا تھا ۔ جس میں روٹی گھی اور دودھ تھا ۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

---

[۵] ابن سعد : طبقات ، جزء نساء ، ص ۴۳ ۔

[۶] ابن حجر عسقلانی : اصابہ ، ذکر ابی ایوب انصاریؓ ۔

[۷] ابن سعد : الطبقات الکبریٰ ، الجزء الاوّل ، ھجرۃ و قیام عند ابی ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ۔

نے خدمتِ اقدس میں آکر عرض کیا: "یا رسول اللہ! یہ پیالہ میری والدہ محترمہؓ نے بھیجا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دُعا فرمائی اور آپ نے غریب اصحابؓ کو بلا کر کھلا دیا۔

حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں: ابھی میں دروازے سے ہٹنے نہ پایا تھا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا پیالہ ثرید اور گوشت کا آیا۔ کوئی شب ایسی نہ گذرتی تھی جس میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر تین چار آدمی کھانا نہ لاتے ہوں جس کی انہوں نے باری مقرر کر لی تھی۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان سے منتقل ہو گئے۔[۸]

۴:۵۔ مسجد نبوی اور مکانات کی تعمیر:

جیسا کہ پہلے حاشیہ میں اشارہ کیا جا چکا ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی آکر بیٹھی وہاں موجودہ مسجد نبوی کا دروازہ ہے۔ اس کے ساتھ کی جگہ کھجوروں کا کھلیان ہوتا تھا۔ جو آپ کے دو ننھیالی رشتہ داریتیم لڑکوں کی ملکیت تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا کر ان سے یہ جگہ مسجد کی تعمیر کیلئے لینا چاہی۔ ان سعادت مند نوجوانوں نے یہ قطعہ زمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ھدیۃً پیش کرنے کی تمنا کی مگر آپ نے بقیمت قبول فرمایا۔[۹] اور یہاں مسجد کی تعمیر فرمائی۔ یہاں ایک بار پھر محنت کشوں کے عظیم مگر بے کس و مظلوم طبقہ کی عظمت کی تصدیق کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس تعمیر مسجد کے مبُارک کام میں شریک ہوئے۔ آپ اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے اور یہ شعر بار بار پڑھتے: ؎

اللّٰھمّ ان الاجر اجر الاٰخرۃ　　فارحم الانصار والمھاجرۃ[۱۰]

---

[۸] حوالا بالا۔

[۹] صحیح بخاری: باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ۔

[۱۰] ابن کثیرؒ: البدایہ والنہایۃ، ج ۲، ص ۲۵۲۔

ترجمہ: "اے اللہ کریم! اصل اُجرت تو آخرت کی ہی اُجرت ہے پس انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔"

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پتھر اُٹھایا۔ حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول کریم! لائیے میں اُٹھالوں۔" آپ نے فرمایا:

خذ غیرھا یا اباھر فانہ لا عیش الا العیش الاٰخرۃ۔[۱۱] "اے ابوہریرۃ! کوئی دوسرا پتھر اٹھالو۔ زندگی تو صرف آخرت کی ہی زندگی ہے۔"

کیا فرمایا؟ ابوہریرۃ زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ یہ دنیوی زندگی اگر اللہ کریم کی خاطر بوجھ اٹھاتے اٹھاتے ہوئے اور تکالیف برداشت کرتے کرتے گذار لیں تو کوئی بڑی بات نہیں۔ کیونکہ یہ زندگی تو کٹ ہی جائے گی۔ اس کا آرام کیا آرام ہے۔ ہم تو زندہ ہی اس لئے ہیں کہ کریم کی رضا کے لئے بوجھ اٹھاتے رہیں تاکہ وہ راضی ہو جائے تو آخرت میں اس کی رضا کا مقام نصیب ہو جائے۔ پھر آرام ہی آرام ہوگا۔

اسی مسجد شریف کے متصل شرقی جانب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے رہائشی حجرات تعمیر کرائے اور پورے سات ماہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر کو مطلع انوار بنانے کے بعد آپ ان کھجور کی ٹہنیوں اور کچی اینٹوں کے بنائے ہوئے حجروں میں منتقل ہو گئے۔ یہ حجرے چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لمبے تھے۔ اونچائی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھولیتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔[۱۲] راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے[۱۳] ایک بالاخانہ بھی تھا۔ یہ رہائش گاہ مدینہ منورہ کی

---

[۱۱] وفاالوفا: باب چہارم (خلاصۃ الوفا) مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ واقعہ مسجد نبوی کی تعمیر ثانی کے وقت کا ہے جو ۷ھ میں ہوئی۔ اور پہلی تعمیر ۱ھ میں ہوئی جبکہ حضرت ابوھریرۃؓ ۷ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔

[۱۲] ابن سعد: طبقات، جزو ۸، ص ۱۱۷۔ زرقانیؒ نے وفاالوفاء میں تفصیلاً لکھا ہے۔

[۱۳] بخاری: باب الصلوٰۃ علی الفراش۔

اسلامی ریاست کے سربراہ کی تھی جو قیصر و کسریٰ کا ہم عصر تھا۔ اور اپنے مفلس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قیصر و کسریٰ کے خزانوں کا مالک بننے اور انہیں اپنے استعمال میں لانے کی خوشخبری دیتا تھا۔

اسوقت حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عقد نکاح کی سعادت حاصل کر چکی تھیں۔ لہٰذا ابتداءً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان دو کمروں پر مشتمل تھا۔ ایک بالاخانہ تھا۔ غالباً جن مؤرخین نے حجرات کی تعداد تین بتائی ہے انہوں نے تیسرا مکان بالاخانہ شمار کیا ہے۔

جب ازواج مطہرات کی تعداد بڑھتی گئی حجرات کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ ان حجرات کی ترتیب یوں تھی:

حضرت اُم سلمہؓ، حضرت اُم حبیبہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت زینبؓ بنتِ جحش کے مکانات شامی جانب تھے اور حضرت عائشہؓ حضرت صفیہؓ، حضرت سودہؓ مقابل جانب تھیں [۱۴۱]

۵۰۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ معاش:

ہمارے وہ دوست اور بزرگ جن کے عقیدتمندانہ نظریات کے مطابق ولی اور بزرگ تو غالباً کھاتے ہی نہیں، بلکہ ذکر کر کے جی لیتے ہیں۔ ان کو ہمارا یہ عنوان شاید کھٹکے مگر ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رہتی دنیا تک کے تمام انسانوں اور جنّوں کے ہادی اور نبی بن کر مبعوث ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ بھی ایسا ہونا تھا جو تمام انسانوں اور جنّوں کے لئے ہو۔ انسانی نفسیات کا یہ بنیادی نقطہ

[۱۴۱] ابن سعد: طبقات، منازل نبوی کا حال۔

ہے کہ انسان اپنا رہنما اور ہادی ایسے انسانوں کو بناتا ہے جو اس کی نفسیات کو سمجھے اور اس رہنما کا نمونہ اس انسان کے لئے قابل عمل بھی ہو۔ یہ بات لاکھ بار بلاشبہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تمنا فرماتے یا اللہ کریم پسند فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کھائے پیئے بھی زندہ رہ سکتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اس سچائی کی طرف اشارہ بھی فرمایا جب ایک صحابی رضی اللہ عنہ مسلسل روزہ بغیر کھائے پیئے رکھنا شروع کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے پر اس نے جب یہ عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو ایسا کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں تمہاری طرح نہیں ہوں، بلکہ (اللہ کریم کی طرف سے) کھلایا پلایا جاتا ہوں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اور اپنے اہل خانہ کی معاشی ضروریات کی کفالت کا برابر فکر فرمایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک فکر امت مسلمہ کے محتاجوں اور غرباء کے لئے ذریعہ رحمت وکرم ہے کہ جو شخص بھی معاشی فکر میں مبتلا ہوگا اس کی فکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر سے ملے گی اور اس پر اُس شخص کو جو معاشی فکر میں مبتلا ہوگا اللہ کریم کے دربار سے ثواب ملے گا۔ اس لئے رزق حلال کے لئے جدوجہد کرنا کار ثواب قرار دیا گیا۔

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں قیام کے زمانہ میں اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے معاش کی چند صورتیں مقدر کر دی تھیں:

۱: ابتداء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متمول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ کی کفالت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان خوش بخت افراد میں سے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ خوش نصیب حضرات روزانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں دودھ یا کوئی کھانے کی چیز پیش کیا کرتے تھے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آپ کے ننھیالی رشتہ دار تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کبھی سالن، کبھی دودھ، کبھی روٹی کبھی گوشت اور کبھی کوئی میٹھی چیز باقاعدگی سے ارسال کرتے جسے آپ قبول فرما لیتے۔ یہ اللہ کریم کی طرف سے روزانہ روزی رسانی کا ایک ذریعہ تھا۔ آپ اپنے اور اہل خانہ سے جو بچ جاتا وہ اپنے فقراء صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرما دیتے۔[۱۵]

۲ : انصار رضی اللہ عنہم زراعت پیشہ تھے۔ وہ اپنے کھیتوں (کھجوروں کے باغات) میں سے ایک درخت کو نشان لگا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف کر دیتے جس کا پھل آپ کی خدمت میں پہنچ جاتا۔ انصار رضی اللہ عنہم کی یہ سعادت مندی آپ کی اجازت سے ہوتی تھی۔ وہ اپنے کھیتوں کی پیداوار کا ایک مخصوص حصہ فصل کے پکنے اور برداشت کرنے کے وقت آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے[۱۶] ایک خاص زمانہ تک اکثر اوقات صرف کھجور اور پانی پر گذارہ ہوتا تھا۔ یہ کھجوریں انصار رضی اللہ عنہم کے باغات کی تھیں[۱۷]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "اللہ کریم کی قسم! آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ایک مہینہ ایسا گذر جاتا تھا کہ ہم روٹی تک نہ پکاتے تھے"

راوی نے عرض کیا: "ام المؤمنین (رضی اللہ عنہا) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا تناول فرماتے تھے؟"

انہوں نے جواب دیا پانی اور کھجور۔ ہمارے ہمسائے انصار (رضی اللہ عنہم) تھے۔ اللہ کریم انہیں جزائے خیر سے نوازے، ان کے دودھ والے جانور تھے۔ وہ ان کا دودھ

---

[۱۵] ابن سعد: طبقات، جزء کتاب النساء۔ ص ۱۱۶۔

[۱۶] حمید اللہ، ڈاکٹر: خطبات بہاولپور۔ اسلامیہ یونیورسٹی۔ بہاولپور ۱۴۰۱ھ، ص ۲۷۵۔

[۱۷] حوالہ بالا۔

ہمیں پلاتے تھے [۱۸] انشآءاللہ اس پر آگے چل کر ہمیں تفصیلاً لکھیں گے۔

۳: جب افراد خانہ کی تعداد بڑھنے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گذر بسر کے لئے کچھ ذاتی جائیداد بنانے کی بھی فکر کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند بکریاں خریدیں جن کا دودھ خاندانِ نبوی بطور خوراک استعمال کرتا۔ بکریوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ ان بکریوں کے ساتھ آپ کے ذاتی اونٹ اور گھوڑے بھی ہوتے۔ حتیٰ کہ جب تعداد کافی بڑھ گئی تو مدینہ منورہ کے قریب ایک چراگاہ میں یہ جانور رہنے لگے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ رضا کارانہ ان کی دیکھ بھال کرتے اور دودھ آپ کے گھر پہنچا دیتے [۱۹]

آپ نے چند بکریاں اپنے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے لئے مخصوص کر دیں۔ ایک اونٹنی کا دودھ بھی ان کے لئے مخصوص تھا [۲۰]۔

۴: جب اللہ کریم نے اپنے بظاہر، غریب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سطوت وصولت کے آثار آس پاس کے دنیوی بادشاہوں پر بھی ظاہر فرما دیئے تو وہ بادشاہ آپ کی خدمتِ عالیہ میں تحائف ارسال کرتے جن میں اونٹ، گھوڑے اور بکریاں وغیرہ بھی ہوتے۔ آپ انہیں اکثر قبول فرما لیتے اور یہ بھی آپ کے معاش کا حصّہ بن جاتے۔

۵: جہاد فی سبیل اللہ کا ایک ثمرہ مال غنیمت بھی ہوتا تھا۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ بھی ہوتا تھا۔ آپ کا حصہ دو صورتوں میں ملتا۔ بحیثیت مجاہد و غازی اور بحیثیت رئیس مملکت۔ آپ کو ۵/۱ (خمس) ملتا۔ جو گو بیت المال کا حصّہ ہوتا۔ مگر اس سے آپ کی ضروریات بھی پوری کی جاتی تھیں [۲۱]

---

[۱۸] ابن سعد: طبقات، بیان معیشت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

[۱۹] حوالہ بالا: النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع اھلہ۔

[۲۰] حمید اللہ، ڈاکٹر: خطبات بہاولپور ص ۲۷۲۔ [۲۱] حوالہ بالا: ص ۲۷۶۔

۶ : ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کی کفالت کا انتظام یہ تھا کہ بنو نضیر کے نخلستان (جو آپ کو غنیمت میں آپ کے حصہ کے طور پر ملے تھے) کی پیداوار میں سے ان قانتات (صبر کرنیوالیوں) کا حصّہ مقرر کر دیا جاتا۔ جسے فروخت کر کے ان کی سال بھر کی گذران کا سامان کیا جاتا تھا۔

جب خیبر فتح ہوا تو تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کے لئے فی کس اسّی وسق کھجور اور بیس وسق جَو سالانہ مقرر ہوا۔ یہ طریقہ کفالت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی چلتا رہا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت آیا تو بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن (جن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں) نے پیداوار کے بدلے زمین لے لی۔ یہ ساری بحث صحیح بخاری جلد ا، کتاب المزارعۃ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۷ : **مخیریق کی جائیداد** : مخیریق بنی قینقاع کے یہودی تھے۔ امیر ترین آدمی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے انتہائی عقیدت تھی۔ بہت دولتمند تھے۔ ان کے سات باغ تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے انہوں نے غزوہ میں شرکت کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ اگر وہ فوت ہو جائیں تو اُن کے باغات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہوں گے۔ وہ اس غزوہ میں قتل ہو گئے اور ان کے باغات کی ساری آمدنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باغات پر قبضہ کیا، اور بعد میں وقف کر دیئے۔ عثمان بن وثاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ سات باغ یہ تھے۔

۱ : الاعواف ۲ : الصافیۃ (الصافقۃ) ۳ : الدلال ۴ : المثیب

۵ : برقہ ۶ : حسینی (حسنیٰ) ۷ : مشربہ اُم ابراہیم (یہ نام اس لئے رکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا

اس میں قیام فرماتیں۔[۲۲]

مخیریق کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ صرف اتنا فرمایا:

"مخیریق سب سے اچھے یہودی تھے"

وہ مسلمانوں سے علیحدہ دفن کئے گئے۔[۲۳] بعض علماء کی رائے میں وہ مسلمان ہو گئے تھے) (واللہ اعلم) لبعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ باغات وقف کر دیئے اور ان کی آمدنی غرباء اور مساکین پر خرچ ہوتی تھی۔[۲۴]

بحیثیت مجموعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا معاشی پہلو فقر و فاقہ کی زینت سے خوشنما نظر آتا ہے اور کرتے بھی کیا؟ آپ کو تو قاسم بنا کر بھیجا گیا تھا اور قاسم بھی ایسا امین اور کریم النفس کہ اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھ کر سارے کا سارا فقراء اور محتاجوں کو بانٹ دینے والا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سادہ لباس، حالانکہ قیمتی لباس بھی زیب تن کر سکتے تھے۔ مگر سادہ لباس کے بھی کئی کئی جوڑے نہیں ہوا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لا یطوی لہ ثوب[۲۵]: "کبھی آپ کا کوئی کپڑا تہہ کر کے نہ رکھا تھا"

گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا۔ رات کے وقت تو اکثر اوقات سارا گھرانہ نبوی (علیہ الف الف سلام) بھوک اوڑھ کر سوتا۔

کان رسول اللہ صلی اللہ وسلم "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ مبارک

۲۲؎ ابن سعد، طبقات، ج ۲، وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۳؎ حوالہ بالا۔

۲۴؎ ابن ہشام؛ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲، بیان حدیث مخیریق، ص ۱۴۰

۲۵؎ جامع ترمذی: معیشۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

يبيت الليالى المتتابعة طاويا میں کئی راتیں متواتر ایسی گذر جاتیں کہ آپ اور هو واهله لا يجدون عشاء[26] آپکے گھر والوں کو کھانا نصیب نہ ہوتا۔

مسلسل دو دو مہینے تک آگ کو یہ سعادت مندی نصیب نہ ہوتی کہ آپ کے گھر میں کچھ پکانے کے لئے روشن ہو۔ ایک بار حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے پوچھ لیا۔ ان حالات میں آپ کیا کیا کرتے تھے؟ بولیں: پانی اور کھجور پر گذر بسر کر لیا کرتے تھے۔ البتہ ہمارے ہمسائے (اللہ کریم کی ان پر رحمتیں نازل ہوں) کبھی کبھار بکری کا دودھ بھیج دیا کرتے تھے"[27] کبھی چپاتی کی شکل نہیں دیکھی قیام مدینہ منورہ سے وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی[28]

ایک مفلس صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک بار آکر بھوک کی شکایت کی۔ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھروں میں باری باری پیغام بھجوایا۔ مگر پانی کے سوا کسی کھانے کی چیز کے نہ ہونے کا جواب آیا[29]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک بار میں خدمت عالیہ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ پیٹ پر پتھر بندھا ہوا ہے۔ میں نے سبب دریافت کیا تو حاضرین میں سے ایک نے کہا: بھوک کی وجہ سے[30] گویا زبان مبارک سے بھوک کا اظہار کرنا پسند نہیں فرمایا۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "میں نے ایک دن دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں لیٹے ہوئے ہیں اور بھوک کی وجہ سے بار بار کروٹیں لیتے ہیں[31]

---

[26] جامع ترمذی: معیشۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [27] صحیح بخاری: کتاب الرقاق۔
[28] ایضاً۔ [29] شمائل ترمذی: معیشۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
[30] صحیح مسلم: ج ۲، مطبوعہ مصر، ص ۱۹۸۔ [31] ایضاً: ص ۱۹۳۔

ایک بار کئی روز کی بھوک کا علاج کرنے اپنے پرانے میزبان حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی سعادتمندی میں اضافہ کرنے ان کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے حضراتِ شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) بھی ہمراہ تھے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور گوشت بھون کر حاضرِ خدمت کیا تو ایک روٹی میں تھوڑا سا گوشت رکھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھجوایا، اور فرمایا: اس نے بھی کئی روز سے کچھ نہیں کھایا[۴۲] گویا کہ "ہمہ خانہ چراغ است" کی کیفیت تھی۔

اکثر اوقات صبح کے وقت کاشانۂ نبوی (علیہا الف الف تحیۃ والسلام) پر تشریف لے جاتے اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے کچھ کھانے کا دریافت فرماتے جب جواب میں "صرف برکت ہے" سنتے تو فرماتے "اچھا میں نے اللہ کریم کی خاطر روزہ رکھ لیا[۴۳]

یہ فقر اس ذاتِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ جنھیں بلاشبہ تمام دُنیا کے خزانوں کا قاسم بنایا گیا تھا۔ اور جن کی ساری زندگی فقراء و محتاجین کی کفالت میں گذر گئی۔ ابوطالب نے ان کے آغازِ جوانی میں ہی بھانپ لیا تھا لہٰذا کہے بغیر نہ رہ سکے:

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامیٰ، عصمۃ للارامل

"اور وہ روشن چہرے والے جن کے طفیل ابرِ رحمت کی دُعا کی جاتی ہے، وہ یتامیٰ کے ملجا و ماویٰ، بیوگان کا ذریعہ عزت و عصمت ہیں"

مگر اپنی ساری زندگی الفقر فخری (فقر میرے لئے ذریعہ افتخار ہے) کا عملی نمونہ بنا کر گزاری۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ یاد رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقر اختیاری

۴۲؎ صحیح مسلم؛ ج ۲، مطبوعہ مصر

۴۳؎ ترغیب و ترھیب: ج ۲، ص ۷۵۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۸۰۔ احمد بن حنبلؒ: مسند: ج ۲، ص ۴۹

تھا۔ ورنہ ساری کائنات اور اس کے خزانے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھے جب اللہ کریم نے آپ پر فتوحات کے دروازے کھولے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے ظاہری فراخی کے حالات دیکھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھریلو اخراجات میں کشادگی کی درخواست کی۔ مگر عرش کے کریم سلطان کو یہ منظور نہیں تھا کہ اس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں دنیوی بادشاہوں کی سی کشادگی آئے۔ لہٰذا بذریعہ وحی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو فوراً متنبہ کر دیا گیا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۔ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۔

"اے نبی! اپنی عورتوں کو کہدیں۔ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتی ہو تو آؤ تمہیں فائدہ پہنچا کر پھر اچھے طریقہ پر تمہیں رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ کریم اور اس کے رسول کریم اور آخرت کے گھر کی طالب ہو تو یقیناً اللہ کریم نے تم میں سے نیکو کاروں کے لئے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے"۔

(الاحزاب: ۲۸-۲۹)

۵:۶۔ مواخاۃ: اسلام کے نظام تکافل اجتماعی کا عملی نمونہ

دنیا کے تمام نظاموں کے بہترین نظریات کو ڈھالنے اور چلانے والے بہترین دماغ آج تک انسانوں کی ا[illegible]ستی میں انسانی اخوت، ہمدردی اور باہمی تکافل اجتماعی کے کئی نظریات پیش کر[illegible]یں مگر وہ اس نظام مواخات کی گرد راہ کو بھی نہ پہنچ سکے جو نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس دور[illegible] قائم کر کے دکھایا۔ جب نہ نظریات کی ترقی ہوئی جو انسانوں کو عمل سے ہٹا کر فکر کا غلام بنا دیتے ہیں) نہ سرمایہ دارانہ نظام نے ہوس[illegible] [illegible]کی

مشین چلائی تھی جو ان تمام اقدار کو کچل دیتی ہے جن پر باہمی اخوّۃ اور مروّت کے محترم جذبات کی نیو رکھی جاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ اس نظام مواخاۃ (جس نے ایک کامیاب ترین نظام تکافل اجتماعی کو وجود دیا تھا) پر تاریخ انسانیت جتنا بھی ناز کرے کم ہے۔ مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی غالب اکثریت مکہ مکرمہ میں صاحبِ مال وجاہ تھی مگر جب انہیں مال اور رفا میں سے ایک کا انتخاب کرنا پڑا تو وہ مال چھوڑ کر صرف وفا لے کر مدینہ منوّرہ چلے آئے۔ مدینہ منوّرہ کے اہل صدق وصفا انصار رضی اللہ عنھم نے انہیں اپنے گھروں میں معزز مہمان کی طرح بسا لیا مگر وہ خود دار اور باغیرت مہاجرین مکہ مکرمہ جو بیت اللہ شریف کے ہمسائے ہونے کے ناطے سے خود مثالی مہمان نواز تھے انہیں یوں انصار مدینہ منوّرہ کے مستقل مہمان بن کر ان پر بار بننا پسند نہیں تھا۔ وہ اپنے دست و بازو سے کمانے اور مہمانوں کی خدمت گذاری کے خوگر تھے۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی کفالت کے لئے مستقل نظام کی فکر کی اور مواخاۃ (باہمی بھائی چارہ) کا طریقہ جاری فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں ۴۵ انصار اور ۴۵ مہاجرین کو اکٹھا کیا اور مواخاۃ کا رشتہ قائم کیا[۳۴]۔ اس طریقہ کے تحت ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ اب وہ مہاجر صحابی اپنے انصاری صحابی بھائی کا ... نہیں بلکہ شریک کار بن گیا۔ گویا اسطرح وہ اپنے انصاری بھائی کے معاشی وسائل میں حصہ دار بن گیا۔ بالفاظ دیگر یوں کہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انصار رضی اللہ عنھم کے معاشی وسائل Economic Resources میں

---

[۳۴] ابن قیم جوزیہ، زاد المعاد، ج ۱، ص ۵۶۔ ذکر مواخاۃ۔

مہاجرین رضی اللہ عنہم کو شریک کر دیا۔ کیا اس سے یہ سبق تو نہیں ملتا کہ بوقت ضرورت اغنیاء کے معاشی وسائل کو مشترک ذرائع معاش Joint Economic Resource قرار دیا جا سکتا ہے؟

انصار رضی اللہ عنہم کی دولت اور معاشی ذرائع کھجوروں کے باغات تھے یا زراعتی کھیت تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کے یہ باغات ان کے مہاجرین بھائیوں میں برابر تقسیم کر دیں۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تجویز منظور نہ فرمائی۔ اسکی وجہ غالباً یہ تھی کہ مہاجرین رضی اللہ عنہم تجارت پیشہ تھے وہ کھیتی باڑی کے فن سے آشنا نہیں تھے۔ انصار رضی اللہ عنہم نے ایثار کا ایک قدم اور بڑھایا اور یہ تجویز پیش کی کہ وہ خود ہی باغات میں کام کریں گے مگر آدھی پیداوار اپنے مہاجرین رضی اللہ عنہم بھائیوں کو دیتے رہیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو پسند فرمایا[۳۵]

مواخاۃ کے روحانی بندھن میں بندھنے کے بعد انصاری اور مہاجر کا رشتہ سگے بھائیوں کی طرح کا بن گیا۔ حتیٰ کہ ان میں کوئی ایک دارالبقاء کا مسافر بنتا تو دوسرا اس کا وارث بن جاتا۔ یہ اور اس پیار بھرے تعلق کی بناء قرآن مجید کا یہ روح پرور ارشاد تھا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ هَاجَرُوۡا وَ جَاهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَالَّذِیۡنَ اٰوَوۡا وَّنَصَرُوۡۤا اُولٰٓئِكَ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ	"یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کریم کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ٹھکانہ دیا اور مدد کی یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں"
(الانفال : ۷۲)	

البتہ یہ حکم اور اس کی تعمیل میں بھائی بھائی کا یہ بندھن ایک وقتی ضرورت تھی۔

---

[۳۵] بخاری: ذکر هجرة، ص ۳۱۲۔

جب اللہ کریم نے مہاجرین رضی اللہ عنہم پر اپنا کرم کر دیا۔ اور وہ انصار رضی اللہ عنہم کی معاشی کفالت سے مستغنی ہو گئے۔ تو یہ بندھن بھی کھل گیا۔ اب مواخات کے رشتہ والے مہاجر اور انصار ایک دوسرے کی وراثت میں حقدار نہیں بن سکتے تھے[۳۶]۔ لہذا حکم ہوا:

وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ ط (الانفال: ۷۵) "اور ارباب قرابت ہی ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔"

۴ھ میں جب اللہ کریم نے مسلمانوں کے ہاتھوں بنو نضیر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے عداوت کے نتیجہ میں مدینہ منورہ سے رسوا کر کے نکالا تو ان کی زمینیں اور باغات مسلمانوں کے لئے رہ گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصارؓ کو بلا کر ارشاد فرمایا تمہیں معلوم ہے مہاجرینؓ تمہارے غریب بھائی ہیں۔ اگر تم پسند کرو تو نئے مقبوضات انہیں دے دیئے جائیں اور تم اپنے نخلستان ان سے واپس لے لو۔"

انصارؓ نے سن کر عرض کیا:

"اے اللہ کریم کے رسول کریم! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے نخلستان بھی ہمارے مہاجر بھائیوں کے پاس رہیں اور نئے مقبوضات بھی انہیں دے دیجئے[۳۷]۔"

مہاجرینؓ کی رہائش کے انتظامات اسطرح کئے گئے کہ انصارؓ میں جن کے ایک سے زیادہ مکانات تھے انہوں نے وہ مہاجرینؓ کو دے دیئے اور جن کا صرف اپنا ہی گھر تھا۔ انہوں نے اپنے گھروں کے آس پاس جو زمین پڑی تھی وہ مہاجرینؓ کو دے دی۔ اور وہاں انکے مکانات تعمیر کرا دیئے۔ سب سے پہلے حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے اپنی زمین پیش کی۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، حضرت

---

[۳۶] بخاری: کتاب التفسیر، آیۃ واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض۔

[۳۷] بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر: فتوح البلدان، مطبوعہ یورپ، ص ۲۰۔

عثمان رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبید رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے مکانات انصار کے گھروں کے آس پاس افتادہ زمینوں پر تعمیر ہوئے[۳۸]

یہ تو انصار رضی اللہ عنہم کا ایثار تھا۔ مگر مہاجرین رضی اللہ عنہم بھی خود داری اور اخلاص کے پہاڑ تھے ۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا گیا۔ وہ انہیں لیکر اپنے گھر گئے اور گھر کا سارا اثاثہ انہیں آدھا کرکے دینا چاہا۔حتیٰ کہ ان سے کہنے لگے میری دو بیویاں ہیں۔تم جسے پسند کرو اُسے طلاق دے دیتا ہوں، تم اس سے نکاح کرلو۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اس احسان کے بوجھ سے گردن جھک گئی مگر احسان مندی کے ساتھ انکار کردیا۔ اور کہا: اللہ کریم آپ کو برکت دے۔بس مجھے بازار کا راستہ دکھا دو۔ میں تاجر پیشہ ہوں، اللہ کریم مجھے برکت سے نوازیں گے[۳۹] حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ منوّرہ کے مشہور بازار بنو قینقاع کا راستہ دکھایا یہ اگلے روز ہی کچھ گھی اور کچھ پنیر خرید کر بازار گئے، اور اسی طرح ہر روز صبح جاتے اور شام کو واپس آجاتے ۔یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔حتیٰ کہ اللہ کریم نے ایسا فضل کر دیا کہ انہوں نے شادی کرلی ۔ رفتہ رفتہ ان کی تجارت نے ترقی کی ۔ ایک وقت وہ آیا کہ ان کا سامانِ تجارت کئی کئی اونٹوں پر لد کر آتا ۔ اور جب بھی ان کا قافلہ مدینہ میں داخل ہوتا تو شہر میں دھوم پڑ جاتی[۴۰]

---

[۳۸] معجم البلدان ، ذکرالمدینۃ المنورۃ۔

[۳۹] صحیح بخاری ، کتاب المناقب ، باب اخاء النبی ۔ ابن حجر عسقلانیؒ ، اسدالغابۃ ج۲ بیان حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ۔ [۴۰] اسد الغابۃ ، حوالہ بالا ۔

بہت سے دیگر مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تجارت میں مشغول ہو گئے۔
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سنخ میں کپڑے کا کارخانہ تھا[۴۱] حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تجارت میں لگ گئے[۴۲] حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بنو قینقاع کے بازار میں کھجور کی تجارت شروع کر دی[۴۳] اسی طرح دیگر مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بھی کسی نہ کسی کاروبار میں لگ گئے۔

سنہ ھ میں جب اللہ کریم کے کرم سے خیبر فتح ہوا اور مسلمانوں کو یہود کا مال اور ان کے نخلستان غنیمت میں ملے تو مہاجرین کے معاشی مسائل اتنے بڑھ گئے کہ اب انہیں انصارؓ کے معاشی وسائل کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ لہٰذا مہاجرینؓ نے انصارؓ کے نخلستان واپس ان کے سپرد کر دیئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے :

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما فرغ من قتال اھل خیبر وانصرف الی المدینۃ ردّ المھاجرون الی الانصار منائحھم التی کانوا منحوھم من ثمارھم[۴۴]	"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو مہاجرینؓ نے انصارؓ کو ان کے وہ عطیات، جو انہوں نے باغات کی صورت میں دیئے تھے واپس کر دیئے۔"

جب بحرین فتح ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصارؓ کو بلا کر فرمایا : میں یہ مفتوحہ

---

[۴۱] ابن سعد : طبقات، مطبوعہ بیروت، ج ۳۔
[۴۲] احمد بن حنبلؒ : مسند، ج ۴، ص ۴۰۰۔
[۴۳] حوالہ بالا۔ ج نہم، ص ۶۲۔
[۴۴] مسلم صحیح : باب الجہاد۔

زمین تم (انصارؓ) میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں" انصارؓ باوفا نے عرض کیا! اے اللہ کریم کے رسول کریم! پہلے ہمارے مہاجر بھائیوں کو اتنی زمین عنایت فرمائیں، پھر ہم لینا چاہیں گے۔[۴۵]
اس پر طرہ یہ کہ جیسے اسلام کے معاشی نظام کی ایک نمایاں خوبی ہے کہ وہ معاشی کفالت ہی نہیں کرتا بلکہ انسانوں کی عزتِ نفس اور ان کی نفسیات کی رعایت بھی کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنھم کے درمیان رشتہ اخوت قائم کرنا چاہا تو

---

[۴۵] بخاری: صحیح، فضائل انصارؓ: تاریخ وفا و مروت جتنا چاہے، انصار رضی اللہ عنہ کے ایثار پر ناز کرتی رہے۔ صدق و وفا کے قافلے جتنی دور اور جتنی مدت تک باوفا انصار رضی اللہ عنھم کی روشن کردہ شمع وفا کی روشنی میں سفر ایثار جاری رکھ سکتے ہیں کہ اپنا سب کچھ پیش کر کے کسی معاوضہ یا شکریہ کی تمنا نہ کرنا انصار رضی اللہ عنہ کے سفر وفا کی پہلی منزل تھی۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے تھوڑی دیر قبل اپنے آخری خطبہ میں انصار رضی اللہ عنھم کے ایثار اور اس سے حاصل شدہ مہاجرینؓ کے معاشی فوائد Economic Benefits کا تذکرہ بطور خاص فرما کر مہاجرین رضی اللہ عنھم کو تاکید فرمائی کہ وہ انصار باوفا رضی اللہ عنھم کے حقوق کا خیال رکھیں اور ان کے ساتھ احسان و مروت کا معاملہ کرتے رہیں۔
درج ذیل عبارت پڑھئے اور انصار باوفا کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیف جذبات کا اندازہ کیجئے:

و اوصیکم بالانصار خیرا۔ فانھم الذین تبوؤا الدار و الایمان من قبلکم۔ ان تحسنوا الیھم الم یشاطروکم فی الثمار؟ الم یوسعوا لکم فی الدیار؟ الم	"اور میں تمہیں انصار کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تم سے پہلے اس گھر (مدینہ منورہ) اور ایمان میں اپنا ٹھکانا بنا لیا۔ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا۔ کیا انہوں نے تمہیں (اپنی

باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

اس خصوصیت کا نمایاں خیال رکھا کہ ان دونوں کے درمیان نفسیاتی، اخلاقی یا معاشی قدر مشترک ضرور ہونا چاہیئے۔ تاکہ وہ اس پاکیزہ روحانی رشتہ مواخات کو بآسانی نبھا سکیں۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست نبوت تھی کہ جن مہاجرین کو جن انصار کے ساتھ رشتہ مواخات میں منسلک کیا ان میں اتحاد مزاج اور معاشی ہم آہنگی ضرور موجود تھی۔ یہاں دو مثالیں درج کئے دیتے ہیں:

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے۔ ان کے والد محترم زید سلیم الفطرت تھے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے قبل ملّتِ ابراھیمی کے پیروکار بن کر زندگی گزارنے لگ گئے تھے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ پر انہی کی تربیت کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ لہٰذا دعوتِ اسلام سنتے ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ ان کی والدہ محترمہؓ ان کے ساتھ (بلکہ بعض روایات میں ان سے قبل ہی) اِسلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

یؤثرونكم على انفسهم و بهم الخصاصة؟ الا فمن ولي ان يحكم بين رجلين، فليقبل من محسنهم وليتجاوز عن مسيئهم- الا ولا يستأثرون عليهم الا و اني فرط لكم و انتم لاحقون بي. الا فان موعدكم الحوض۔ (سیرۃ ابن ہشام، ج ۴ ص ۲۷۵-۲۷۶)

کھیتوں کی) پیداوار میں شریک نہیں کیا؟ کیا انہوں نے تمہارے لئے اپنے گھر نہیں کھُلے کر دیئے؟ کیا انہوں نے اپنی تنگدستی کے باوجود تمہیں اپنے آپ پر ترجیح نہیں دی؟ خبردار تم میں سے کسی کو دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرنیکا موقع ملے تو انصار کے محاسن کو قبول کرنا اور ان کی خطاؤں سے تجاوز کرنا۔ خبردار! ان پر کسی کو ترجیح نہ دینا۔ آگاہ ہو جاؤ! میں تم سے پہلے جا رہا ہوں اور تم میرے پیچھے پیچھے آ رہے ہو۔ آگاہ ہو جاؤ تمہاری ملاقات کا وعدہ حوضِ کوثر پر ہے۔"

لے آئیں تھیں۔ (رضی اللہ عنہا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جرّی اور سخت جان شخص بھی انہی کے گھر اور انہی کی ترغیب پر مائل بااسلام ہوئے۔ علم وفضل کے روشن چراغ اور مینارۂ نور تھے۔ اس رُو سے ان کا شمار اجلہ صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے۔ ان کا رشتہ اخوت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ قائم کیا گیا جو انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنھم میں سے علم وفضل کا پہاڑ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں سید المسلمین کے خطاب سے یاد فرمایا کرتے تھے بعض روایات کے مطابق آپ سب سے پہلے کاتبِ وحی مقرر کئے گئے تھے۔ فنِ قرأت کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں[۴۶]۔

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ قریش کے رئیس اعظم عتبہ بن ربیعہ کے فرزند تھے۔ اِس مناسبت سے ان کا رشتہ مواخات حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کیساتھ وابستہ کیا گیا۔ جو قبیلہ اشہل کے سردار تھے[۴۷]۔

علاوہ ازیں حضرت ابو عبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت بلالؓ اور حضرت ابو رویحہؓ، حضرت مصعبؓ بن عمیر اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ۔ حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابو درداءؓ۔ حضرت زبیر بن العوامؓ اور حضرت سلامہؓ بن دقش۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ اور حضرت منذر بن عمروؓ وغیرھم میں جو وحدتِ مزاج اور معاشی یگانگت پائی جاتی تھی اس کا اندازہ اصحابِ نظر اور اربابِ علم بخوبی کر سکتے ہیں[۴۸]۔

ابن ہشام نے اپنی سیرت میں اس روحانی اور معاشی مواخات میں جو جن کا بھائی بنے

---

[۴۶] ابن حجر عسقلانیؒ: اصابہ ذکر ابیؓ بن کعب۔

[۴۷] شبلی نعمانی: سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مواخات، ص ۱۹۶۔

[۴۸] حوالہ بالا: ص ۲۹۷ ترمیم واضافہ کے ساتھ۔

ان کے نام درج ذیل ہیں : یہاں اللہ کریم کے کرم کے حصول کے لئے ان مبارک اسماءِ گرامی کو درج کیا جا رہا ہے :

انصاری	مہاجرین
حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ	حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ	حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ
حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ	حضرت ابو عبیدۃ بن عبداللہ بن جراح رضی اللہ عنہ
حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ	حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
حضرت سلمۃ بن سلامۃ رضی اللہ عنہ	حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ
حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ	حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ
حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ	حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ
حضرت ابو ایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ	حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ
حضرت عبّاد بن بشر بن وقش رضی اللہ عنہ	حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ
حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ	حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

(ایک دوسری روایت میں حضرت عمار اور حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہم بھائی بھائی تھے)

حضرت المنذر بن عمرو المعنق رضی اللہ عنہ	حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ
حضرت عُویم بن ساعدۃ رضی اللہ عنہ	حضرت حاطب بن ابی بلتعۃ رضی اللہ عنہ
حضرت ابو درداء عویمر بن ثعلبۃ رضی اللہ عنہ	حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
حضرت ابو رویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ	حضرت بلالؓ مولیٰ ابی بکر و مؤذن الرسولؐ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بھائی بنا لیا اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب

اسداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھائی بھائی بنا دیا۔

حضرت ابو مرثد رضی اللہ عنہ	حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ
حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ
حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ	حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ
حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ	حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ
حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ	حضرت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ
حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ	حضرت عمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ
حضرت طفیل بن الحارث رضی اللہ عنہ	حضرت سفیان بن نسر خزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ	حضرت رافع بن معلی رضی اللہ عنہ
حضرت مقداد رضی اللہ عنہ	حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
حضرت ذوالشمالین رضی اللہ عنہ	حضرت یزید بن الحارث رضی اللہ عنہ
حضرت ارقم رضی اللہ عنہ	حضرت طلحہ بن زید رضی اللہ عنہ
حضرت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ	حضرت معن بن عدی رضی اللہ عنہ
حضرت عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ	حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ
حضرت عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ	حضرت مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ
حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ	حضرت منذر بن محمد رضی اللہ عنہ
حضرت سبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ	حضرت عبادہ بن الخشخاش رضی اللہ عنہ
حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ	حضرت زید بن المزین رضی اللہ عنہ
حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ	حضرت مجذر بن ذیاد رضی اللہ عنہ
حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ	حضرت حارث بن حمہ رضی اللہ عنہ
حضرت مہجع مولیٰ عمر رضی اللہ عنہ	حضرت سراقہ بن عمرو بن عطیہ رضی اللہ عنہ

(تفصیل کے لئے سیرۃ ابن ہشام : ج ۲، قاہرہ، ص ۱۲۳ - ۱۲۸ - اور عیون الاثر: ج ۱ ص ۲۰۱ ملاحظہ کریں۔)

مواخاۃ کے معاشی مضمرات

اس مواخاۃ کے معاشی مضمرات تو بے شمار ہوں گے مگر چند نمایاں معاشی مضمرات Economic Implications جن تک ایک مسلمان ماہر معاشیت بادی النظر میں بھی رسائی حاصل کر لیتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱: مہاجرین کی معاشی کفالت کا سامان ہو گیا اور اس سے متعلقہ معاشی مسائل Economic Problems حل ہو گئے۔

۲: قلیل عرصہ میں مہاجرین کی بنیادی ضروریاتِ زندگی Basic Needs کے اسباب اللہ کریم نے اس عقدِ مواخاۃ کے ذریعے پیدا کر دیئے۔

۳: وقتی بے روزگاری Unemployment کا علاج تلاش کر لیا گیا تقریباً تمام قابل کار مہاجرینؓ اپنے بھائی انصارؓ کے ساتھ کاروبار میں شریک ہو گئے۔

۴: معاشی وسائل Economic Resources کا مناسب استعمال Proper Utilization کر لیا گیا۔ انصار کی وہ زمینیں جو اب تک زیر کاشت نہیں لائی گئی تھیں انہیں قابلِ کاشت بنایا گیا۔ ان کے کھجور کے باغات اور نخلستانوں کی مناسب دیکھ بھال کی گئی۔ لہٰذا ان کی پیداوار بڑھی اور آمدنی میں اضافہ ہوا جس کا نتیجہ معاشی خوشحالی Economic Welfare میں ظاہر ہوا۔

۵: دو خاندانوں کو ایک خاندان بنا دیا گیا اور یوں اخراجات میں کمی ہوئی۔ الغرض

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فراست نبوی سے کام لے کر انصارؓ اور مہاجرینؓ کے درمیان ایسا نظام مواخاۃ قائم فرمایا جس سے روزگار کے مواقع بڑھے اور معاشی ترقی کی راہیں کھلیں۔ (واللہ اعلم)

(۵) ۔ اصحابؓ صُفّہ کی کفالت و تربیت کے معاشی مضمرات :

صُفّہ اور اصحاب صفّہ (رضی اللہ عنہم) کا نام سُنتے ہی ذہن تصوّرات کی دنیا میں سفر کرتے کرتے اس سائبان یا جھونپڑے پر جا کر رُک جاتا ہے جو مسجد نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کے شمال مشرقی کونہ پر واقع تھا جہاں اہل صدق و وفا کی ایک جماعت رہتی تھی۔ جن کا گھر تھا نہ در نہ زمین۔ یہ لوگ تھے جنہوں نے صرف اللہ کریم اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت میں اور علم دین سیکھنے کے لئے اپنا گھر بار چھوڑ رکھا تھا یا انہیں گھر بار سے اس قصور میں نکال دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کریم ہی کو اپنا رب اور معبود مانتے تھے اور لات وعزیٰ اور دیگر ہر انسانی خود ساختہ معبود اور رزاق کا انکار کر دیا تھا۔

یہ لوگ آستانہ نبوی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) پر ہر آن پڑے رہتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم سیکھتے۔ ان میں سے کسی کے پاس پورا لباس تک نہیں ہوتا تھا۔ بس ایک چادر ہوتی جسے گلے سے باندھ لیتے اور یوں کچھ بدن اور ستر ڈھانپ لیتے۔ خودداری کا یہ عالم کہ بھیک مانگنا تو کجا کسی سے اشارۃً سوال بھی نہیں کیا کرتے تھے ویسے بھی وہ زمانہ دین یا دین کے علم کے نام پر بھیک مانگنے کا نہیں تھا۔ ان کی ایک جماعت باری باری جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتی' بازار میں فروخت کرتی اور یوں اللہ کریم سے اپنی معاشی کفالت کا انتظام کراتے۔ مگر یہ خوددارانہ عمل یعنی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھانا جب ان کے لئے ناکافی ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصارؓ میں سے مخیر حضرات کو ان کی کفالت کا حکم دیتے وہ کریم النفس انسان حسب توفیق دو دو تین تین

کو اپنے کھانے میں شریک کر لیتے تھے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ انصارؓ میں سے مالدار تھے اور نہایت فیاض بھی تھے وہ بعض اوقات اسّی اسّی حضرات کو اپنے کھانے میں شریک کرنے کی سعادت پاتے [۴۹]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے صدقہ کا مال آتا تو پورے کا پورا انہیں عنایت فرما دیتے اور اگر کہیں دعوت ہوتی تو انہیں بھی شریک فرما لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان فقراء کا اسقدر خیال فرماتے کہ ایک دفعہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے ایک خادمہ کے درخواست کی کہ چکی کی مشقت سے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تمہیں تو دے دوں مگر صفہ والے بھوکے رہیں [۵۰]"

یعنی اگر اسباب میسر ہوں تو ان فقیر طلبہ کی کفالت کو تمہاری آسائش پر ترجیح دوں گا۔

انصارؓ باوفا اپنے نخلستانوں سے کچی پکی کھجوروں کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور صفہ کی چھت میں لٹکا دیتے۔ ان سے کھجوریں ٹپک کر گرتی رہتیں اور یہ فقیر طلبہ اٹھا اٹھا کر کھاتے رہتے۔ کبھی دو دو دن بغیر کھائے گذر جاتے مگر زبان شکوہ سے گویا آگاہ ہی نہیں تھی۔ مگر شکوہ کرتے بھی کس کا؟ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا، بحیثیت رئیس دولتِ اسلامیہ؟ ہرگز نہیں۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے رئیس مملکت اسلامیہ کے گھر میں بھی فاقہ ہی ہوگا۔ کیونکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کچھ کھانے کے لئے ہوتا تو یہ فقراء بھی بھوکے نہ سوتے۔

یہ باصفا اصحاب صفہؓ راتوں کو اللہ کریم کی عبادت کرتے اور قرآن پڑھتے۔ تدریس قرآن کے لئے ایک استاد مقرر تھے [۵۱]۔ ان حضرات کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ جس کی شادی ہو

---

[۴۹] سہیلیؒ؛ زرقانی علی المواہب، مطبوعہ مصر، ج ۱، ص ۲۳۰

[۵۰] حوالہ بالا، ص ۲۳۰۔

[۵۱] احمد ابن حنبل، مسند، ج ۳، ص ۱۳۷۔

جاتی وہ الگ گھر بسا لیتا۔ یا جب کوئی اس درسگاہ سے فارغ ہو جاتا تو خدمت دین میں لگ جاتا۔ ان کی زیادہ سے زیادہ تعداد (چار سو[۴۰۰]) تک پہنچتی ہے۔ کیونکہ صفّہ کی درسگاہ میں اس تعداد سے زیادہ اقامتی طلبہ کے لئے گنجائش ہی نہ تھی[۵۲]

---

[۵۲] حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اصحاب صفّہ کے نام سے ایک دو صفحہ کا رسالہ لکھا ہے اس میں اصحاب صفّہؓ میں تقریباً[۱۰۰] کے نام بہ ترتیب حروف تہجی درج ہیں۔ ان پاکیزہ ہستیوں میں سے بعض کے اسماء گرامی ہم یہاں درج کرنے کی سعادت پا رہے ہیں:

۱: حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ
۲: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ
۳: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
۴: حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ
۵: حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ
۶: حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ
۷: حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ
۸: حضرت زید بن الخطابؓ (حضرت عمر کے بھائی)
۹: حضرت ابو مرثد کنانہ بن حصین عدوی رضی اللہ عنہ
۱۰: حضرت ابو کبشہؓ مولیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
۱۱: حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ
۱۲: حضرت ابو عبس بن جبیر رضی اللہ عنہ
۱۳: حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ
۱۴: حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ
۱۵: حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ
۱۶: حضرت مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ
۱۷: حضرت عمیر بن عوف رضی اللہ عنہ
۱۸: حضرت عویم بن ساعدۃ رضی اللہ عنہ
۱۹: حضرت ابو لبابہ رضی اللہ عنہ
۲۰: حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ
۲۱: حضرت ابو بشر کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ
۲۲: حضرت خبیب بن یساف رضی اللہ عنہ
۲۳: حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ
۲۴: حضرت جندب بن جنادہ ابو ذر غفاریؓ
۲۵: حضرت عتبہ بن مسعود ہذلی رضی اللہ عنہ
۲۶: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (نکاح سے پہلے)

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

معاشی مضمرات

صفہ کی درسگاہ سے ہمیں مندرجہ ذیل معاشی تعلیمات ملتی ہیں :

۱؛ اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم کی کفالت کی فکر اور اس کی عملی شکل کے لئے کوششیں کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ثابت کر دیا کہ فقراء اور محتاجوں کی معاشی کفالت اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

۲؛ جو صدقات کا مال یا کھانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جاتا وہ آپ ان فقراء کو بھجوا دیتے تھے۔ اس سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ صدقات فقراء کے لئے ہیں اور یہ ان کی کفالت کا ذریعہ ہیں۔

۳؛ صاحب مال انصارؓ کے ذمہ ان میں سے دو دو تین تین کا کھانا لگانا اس صداقت کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ اغنیاء کے مال اور دولت میں محتاجوں کا بھی حق ہے۔

۴؛ انصارؓ باوفا میں سے صاحب استطاعت حضرات کا خود بخود ان فقراء کی کفالت کرنا یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ جانتے تھے کہ محتاجوں کی ضروریات کی نگہداشت بحیثیت صاحبِ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۲۷؛ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
۲۸؛ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ
۲۹؛ حضرت ابو الدرداء عویمر بن عامر رضی اللہ عنہ
۳۰؛ حضرت عبداللہ بن زید جہنی رضی اللہ عنہ
۳۱؛ حضرت حجاج بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ
۳۲؛ حضرت ابو ہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ
۳۳؛ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ مولیٰ رسولؐ
۳۴؛ حضرت معاذ بن الحارث رضی اللہ عنہ
۳۵؛ حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ
۳۶؛ حضرت ثابت و دلیعہ رضی اللہ عنہ

(بحوالہ مستدرک ؛ ج ۳ ، ص ۱۸)

استطاعت مسلمان کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔

۵: اصحاب صفہؓ میں سے ایک ٹولی کا باری باری جنگل جا کر لکڑی چن کر لانا اور اسے فروخت کر کے اپنی معاشی کفالت کا انتظام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی معاشرہ کا ہر صحت مند اور جسمانی طور پر قابل کار شخص اپنی اور اپنے اہل وعیال کی کفالت کے لئے کوشش کرے گا اور کوئی نہ کوئی جائز پیشہ ضرور اختیار کرے گا۔ اگر پھر بھی وہ اپنی ضروریات زندگی پوری نہیں کر سکے گا تو پھر اسلامی معاشرہ (جیسے انصارؓ باوفا نے کر کے دکھایا) اور اسلامی ریاست (جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے) کی ذمہ داری ہو گی کہ ایسے محتاجوں کی معاشی کفالت کے لئے آگے بڑھیں۔

۶: صفہ کی درسگاہ کی حیثیت اس دور کی اقامتی یونیورسٹی Residential University کی تھی۔ جہاں پر اصحاب صفہ (مسافر ومساکین طلبہ) زیور تعلیم سے آراستہ ہوتے اور اپنے علاوہ کسی ایک معلم کا اس کام کے لئے مقرر کرنا اس کی دلیل ہے کہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ اپنے شہریوں کی تعلیم کا انتظام کرے۔

معاشی ترقی Economic Development میں تعلیمی پہلو Educational Factor کی جو اہمیت ہے اس کو تمام معیشت دانوں Economists نے تسلیم کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دور میں یہ اہم کام کر کے دکھایا۔

۷: صفہ کی اس درسگاہ میں دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانی سرمایہ Human Capital تیار فرما رہے تھے۔ انسانی سرمایہ معاشی ترقی کے لئے مالی سرمایہ Money Capital سے بھی زیادہ اہم ہوتا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اس درسگاہ کے فارغ التحصیل طلبہ میں نادرہ روزگار صلاحیتوں کے افراد شامل ہیں۔ ان میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ایسے باصلاحیت کمانڈر انچیف اور

فاتح شام، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جیسے بے لبی اور بے کسی سے اُٹھ کر بننے والے گورنر، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جیسے جنگی حکمت کے ماہر اور گورنر، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ ایسے فقیہہ اور قاضی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایسے مؤذنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قابل اعتماد رازدان گویا محکمہ صیغہ راز کے نگران، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جیسے سرمایہ دارانہ نظام کے بیباک مخالف اور اسلام کے عادلانہ نظام تقسیم دولت کے داعی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایسے زاھد مگر بہترین مشیر اور تجربہ کار شخص، حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ جیسے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راوی اور اُستاد شامل ہیں۔

۵:۸۔ میثاقِ مدینہ منورہ

دُنیا کا وہ اوّلین ترین تحریری قانون جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے مختلف قبائل کے لئے تحریر کر دیا اسے میثاق مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ (ان دنوں کا یثرب) تشریف لائے تو یہاں بھی عرب کا قبائلی نظام اپنے عروج پر تھا۔ ہر قبیلہ، خاندان اور علاقہ کا الگ الگ سردار تھا اور تمام قبائل کسی نہ کسی طور پر ایک دوسرے سے برسرپیکار صلی اللہ علیہ وسلم (جو رحمۃ للعٰلمین تھے) چاہتے تھے کہ یہ قبائل بھائی بھائی بن کر پُرامن زندگی گذاریں اور معاشی خوشحالی حاصل کریں۔ دوسرے اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے آنے سے قریش مکہ مکرمہ کو ایک گونہ فرحت ہوئی کہ شاید ان کا استحصالی دین جس کی بنیاد تین سو ساٹھ (۳۶۰) خداؤں کے وجود پر تھی محفوظ ہو گیا ہے۔ مگر وہ جانتے تھے کہ اسلام کی وہ شمع جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور

ان کے بے نوا ساتھیوں (اللہ ان سے راضی ہو) نے ان کے پیہم ظلم وستم کی آندھیوں میں بھی روشن کئے رکھی تھی اور جس سے ستم کے مارے ہوئے غُرباء و فقراء کی آس بندھی ہوئی تھی۔ جب وہ بے نوا مدینہ منوّرہ میں اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ پُرامن زندگی گذاریں گے اور انہیں بے خطر شمع اسلام کو روشن رکھنے اور کرنے کا وقت ملے گا تو اسلام کی روشنی اتنی تیز ہو جائے گی کہ اس کے سامنے سرداران قریش کے استحصالی نظام دین کا چراغ ماند پڑ جائے گا۔ انہوں نے ارادہ کرلیا کہ اسلام کے نئے مرکز مدینہ منوّرہ پر حملہ کرکے اسے بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جائے تاکہ زمین کی دولت میں غریب اور ستائے ہوئے انسانوں کے حقوق کی کوئی بات کہی اور سنی نہ جائے۔ لہٰذا اس میثاق مدینہ کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فائدہ بھی حاصل کرنا چاہتے تھے کہ مدینہ منوّرہ کے یہود اور آس پاس کے دشمنوں سے معاہدہ امن کرکے صرف قریش مکہ مکرمہ کے سرداران ہی سے مقابلہ کیا جائے۔

اس معاہدہ کا دائرہ کار صرف مدنی قبائل ہی تک محدود نہ تھا بلکہ مدینہ منورہ کے اردگرد بلکہ دور دراز کے عرب قبائل کے لئے بھی تھا۔ جن قبائل نے اس معاہدہ کو تسلیم کرلیا وہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے یا مسلمانوں سے مامون ہو گئے اور جن قبائل نے اس معاہدہ کو تسلیم نہیں کیا گویا وہ مدینہ منوّرہ کی اسلامی ریاست کے ساتھ حالتِ جنگ میں تھے۔ اسی حالت کے اثرات و عواقب پر آئندہ چل کر ہم بحث کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور سرایا پر اپنی لاعلمی یا بدنیتی سے اعتراض کرنیوالوں کیلئے یہ مسئلہ بہت اہم ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منوّرہ ہجرت فرماکر تشریف لائے تو یہاں کی آبادی دو طرح کے لوگوں پر مشتمل تھی۔ انصار اور یہود۔ انصار کے دو مشہور قبیلے تھے اوس اور خزرج۔ اوس اور خزرج گو اصل میں ایک ہی باپ کی اولاد تھے مگر مرور زمانہ کیساتھ ان کے دو مستقل قبیلے بن گئے جن میں کئی بار خونریز معرکے بھی ہوئے۔ ان میں باہم آخری معرکہ بعاث

ہوا جس نے ان دونوں قبائل کی کمر توڑ کر رکھدی اور یہود قلت عدد کے باوجود ان پر غالب نظر آنے لگے اور ان کی کوشش یہ رہنے لگ گئی کہ کبھی اوس اور خزرج اکٹھے نہ ہو سکیں۔

یہود کے بھی متعدد قبائل تھے مگر نمایاں ترین بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے۔ یہ لوگ اوس اور خزرج کے مقابلہ میں کہیں زیادہ دولتمند، تعلیمیافتہ اور متمدن تھے۔ اوس اور خزرج بھی ان کے علمی وقار اور فضیلت کے معتقد تھے وہ ان کے علماء سے دعائیں لیتے اور اپنے بچوں کے نام ان کے ناموں پر رکھتے تھے۔ یہود نے مدینہ کے کاروبار تجارت پر قبضہ کر رکھا تھا۔ ان کا سودی کاروبار خوب چمکا اور تمام لوگ ان کے سودی قرضوں کے زیر بار رہتے تھے۔ انہوں نے مدینہ منورہ کے ارد گرد بڑے بڑے قلعے اور برج بنا رکھے تھے۔ اسلحہ اور جنگی معاشیات War Economy میں ماہر تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی مسلمان، یہود اور دیگر قبائل کے معاشی اور سیاسی تعلقات کو واضح کرنے کے لئے میثاق مدینہ تجویز فرمایا جس نے تمام منتشر اجزاء کو یکجا کر کے رکھدیا اور مسلسل خانہ جنگیوں کا سلسلہ یک دم رک گیا۔

یہ معاہدہ ۵۲ دفعات پر مشتمل تھا۔ ابتدائی ۲۵ دفعات مسلمانوں اور عرب قبائل سے متعلق ہیں اور آخری ۲۷ دفعات میں یہودیوں کے حقوق و فرائض سے بحث کی گئی ہے ہم یہاں اس معاہدہ کی صرف ان دفعات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق معاشیات سے ہے[۵۳]

۱: (دفعہ ۳) : مہاجرین قریش کی بجائے خود ایک جماعت ہیں وہ حسب سابق اپنے مجرموں کی جانب سے خون بہا کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے اور اپنے قیدیوں

---

[۵۳] یہ دفعات سیرۃ ابن ہشام ج ۱، ص ۱۷۸-۱۷۹ اور ابن کثیر کی البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۲۲۴-۲۲۶۔ مکتوبات نبوی، از سید محبوب رضوی۔ طبع لاہور۔ ص ۷۰-۷۷ سے نقل کی گئی ہیں۔

کو چھڑانے کے لئے فدیہ کی ادائیگی کے بھی ذمہ دار ہوں گے۔ یہ تمام ذمہ داریاں ایمان و انصاف کے اصول کے تحت پوری کریں گے۔

۲ : (۴ تا ۱۱ دفعات) بنی عوف، بنی الحارث، بنی ساعدہ، بنی جشم، بنی النجار، بنی عمرو، بنی النبیت اور بنی الاوس اپنی اپنی جماعت کے خود ذمہ دار ہوں گے اور حسب دفعہ ۳ (مذکورہ نمبر۱) اپنی اپنی دیت (خون بہا) مل کر ادا کریں گے۔ اور اپنے قیدیوں کو خود ہی فدیہ[A] دے کر چھڑانے کے ذمہ دار ہوں گے۔

[A] مذکورہ بالا دفعات میں دیت اور فدیہ کی ادائیگی کا ذکر ہے۔ دیت اس رقم یا معاوضہ کو کہتے ہیں جو قتل غیر عمد کا مرتکب (یعنی قاتل) مقتول کے ورثاء کو دیتا ہے۔ قتل غیر عمد مسلمان کا ہو یا ایسے کافر کا جن کے ساتھ صلح کا معاہدہ ہو چکا ہو۔ دونوں صورتوں میں دیت کی رقم مقتول کے ورثاء کو دینا پڑتی ہے۔ دیت کی مقدار ۱۰۰ اونٹ یا ان کی قیمت مروجہ کرنسی میں ہوگی اور حکومت کے ذریعے دلوائی جائے گی۔
فدیہ اس معاوضہ کا نام ہے، خواہ وہ نقد ہو یا معاوضہ یا خدمت کی صورت میں ہو، جو ایک قیدی یا اس کے ورثاء یا اس کے ملک کی حکومت اس کی رہائی کے لئے دوسری قوم یا ملک کو دیتی ہے۔ فدیہ عموماً ان قیدیوں کی رہائی کے لئے دیا جاتا ہے جو میدان جنگ میں دشمن سے لڑتے ہوئے قید کر لیئے جاتے ہیں۔ آج کل یرغمال کی ایک مصیبت اور ایک استعمال حربہ انسانوں کے خلاف ایجاد ہو چکا ہے۔ یرغمالیوں کو چھڑانے کے لئے جو رقم دی جاتی ہے وہ فدیہ یا جرمانہ ہی ہوتا ہے۔
جب ہم فدیہ اور دیت کے نظام پر نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ میثاق مدینہ میں ان دفعات کو شامل کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گردش دولت کی راہیں کھولی ہیں۔ دیت اور فدیہ کی رقوم معمولی نہیں ہوتیں۔ نہ ہی ایک شخص (قاتل یا قیدی) ادا کر سکتا ہے بلکہ قاتل یا قیدی کا قبیلہ اس

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

۳: (دفعہ ۱۲) مسلمانوں میں اگر کوئی مفلس ایسے جُرم کا مرتکب ہو جس پر دیت واجب ہوتی ہے۔ یا وہ کہیں قید ہو جائے اور بغیر فدیہ نہ آزاد ہو سکے اور وہ فدیہ ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو دوسرے مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ وہ اسکی رقم فدیہ مل کرا دا کریں اور اسے چھڑائیں تاکہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں نیکی اور ہمدردی رونما ہو۔

۴: (دفعہ ۲۰) جو مسلمان جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہو جائیں ان کے پسماندگان کا تکفل ★ تمام مسلمانوں پر واجب ہوگا۔

بقیہ: حاشیہ صفحہ گذشتہ

رقم کی ادائیگی کرتا ہوں۔ یوں گردشِ دولت کا عمل پوری قوم یا قبیلہ میں پھیل جاتا ہے۔ گردشِ دولت کے معاشیات میں جو فوائد ہیں وہ کسی عقلمند انسان سے مخفی نہیں ہیں۔ (واللہ اعلم)

★ تکفیلِ پسماندگان:- جنگ اور لڑائی کے مضر اثرات میں سے زیادہ ناخوشگوار جنگ میں شہید ہو جانے یا مارے جانیوالے کے پسماندگان پر پڑتا ہے جن میں بیوہ بیوی، یتیم اولاد اور بے سہارا بوڑھے والدین وغیرھم شامل ہوتے ہیں۔ ایسا خاندان جن کا معاشی سہارا صرف مرنے والا ہی ہو ان کی حالت بڑی قابلِ رحم ہوتی ہے۔ ایسے بے سہارا افراد کی کفالت کیلئے متمدن حکومتوں نے پچھلی صدی سے سوچنا شروع کیا۔ مگر اسلام کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے بالکل ابتدائی ایام میں اس تلخ حقیقت کو محسوس فرما کر ایسے افراد کی کفالت کو ایک قانونی شکل دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مختلف احادیثِ مُبارکہ میں یتامیٰ، بے سہارا اور معاشی غموں کے مارے ہوئے افراد کی کفالت پر بہت زیادہ زور دیا ہے: ارشاد ہے:

عن سہل بن سعد رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا وکافل الیتیم فی الجنۃ	"حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنیوالا جنت میں

۵: (دفعہ ۲۶) اس معاہدہ کے بعد یہود پر لازم ہوگا کہ وہ جنگ کی حالت میں جب کہ مسلمان کسی دشمن کے ساتھ برسرپیکار ہوں تو مسلمانوں کو مالی مدد** دیں۔

۶: (دفعہ ۴۲) یہود اسوقت تک مسلمانوں کے ساتھ جنگی اخراجات برداشت*** کرتے رہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ھکذا و اشار بالسبابۃ و الوسطی وفرج بینھما" رواہ بخاری)	اسطرح اکٹھے ہوں گے اور آپ نے سبابہ انگلی اور درمیانی انگلی کے درمیانی فرق کی طرف اشارہ فرمایا"
٥ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الساعی علی الارملۃ والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ"۔ (متفق علیہ)	٥ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بیوہ اور مسکین کی کفالت کرنے والا ثواب میں مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر ہے"

**۔ جنگ میں مالی مدد: جنگ میں مالی مدد کی کیا معاشی اہمیت ہے؟ اس کا جواب ہر اُس شخص کو معلوم ہے جو جنگی معاشیات کا کچھ درک رکھتا ہے۔ دورانِ جنگ مال و سائل کی کمی اور معاشی بدحالی قوموں کو نہ صرف ان کے نظریات سے ہٹا دیتی ہے بلکہ بعض اوقات وہ ملک اور قوم جن پر جنگ مُسلّط کی جاتی ہے وہ اُن سرمایہ دار اور امیر اقوام کی غلام بن کر رہ جاتی ہے جو ایسے مواقع پر مالی مدد کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے ابتدائی ایام میں جب تمام عرب ایک ہی قوس سے مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست پر تیر برسا رہا تھا۔ یہود کیساتھ مالی مدد کا معاہدہ کر کے بہت بڑا معاشی فائدہ حاصل کر لیا۔ یہود ایسی مالدار مگر زر پرست قوم سے دولت کی گردش معاشی طور پر غریب مسلمانوں کی طرف کرنا اور بالخصوص ایام جنگ میں ایک بہت بڑی کامیابی اور معاشی مسائل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل آگاہی کی دلیل ہے۔

***۔ دورانِ جنگ یہود کا جنگی اخراجات برداشت کرنا اس اہم معاشی فائدہ پر اوپر کے اشارہ میں روشنی پڑ چکی ہے۔

گے۔ جب تک وہ مل کر جنگ کرتے ہیں۔

میثاق مدینہ منورہ کے معاشی فوائد

میثاق مدینہ منورہ کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے بہت سے معاشی فوائد کا حصول آسان بنا دیا۔ مثلاً۔

۱: اس معاہدہ کے ذریعے نہ صرف مہاجرین مکہ مکرمہ کے معاشی تعلقات انصار مدینہؓ کے ساتھ مستحکم ہوئے اور انہیں قانونی شکل ملی بلکہ مسلمان انصارؓ یا مہاجرینؓ جو اس وقت جماعت بن چکے تھے۔ ان کے معاشی تعلقات یہود مدینہ اور دیگر قبائل کے ساتھ طے پا گئے۔ اب وہ اس قابل ہو گئے تھے کہ آپس میں ایک دوسرے سے معاشی اشیاء Economic Goods کا تبادلہ کر کے اپنی معاشی ضروریات کی تکمیل کر سکیں۔

۲: ہجرت مدینہ منورہ کے بعد اور میثاق مدینہ منورہ کے طے پا جانے سے قبل مسلمان مہاجرین یا انصارؓ دیگر مدینہ منورہ اور آس پاس کے قبائل کے ساتھ حالت جنگ میں تھے ـــــ لہٰذا ایک خوف کی سی کیفیت طاری رہنا فطرتی عمل تھا۔ ایسے حالات میں معاشی ترقی یا معاشی خوشحالی Economic Welfare کا عمل رُک کر رہ جاتا ہے جو ملک اور قوم کے لئے پستی اور پریشانی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیغمبرانہ فراست سے کام لے کر مسلمان اور غیر مسلم قبائل کو اس معاہدہ کے ذریعے معاشی امن Economic Peace مہیا فرما دیا جس کے طفیل تمام جماعتیں اپنی معاشی خوش حالی کی فکر کر سکتی تھیں۔

۳: میثاق مدینہ منورہ کی دفعات میں سے نمایاں دفعہ یہ تھی کہ مدینہ منورہ پر حملہ کی صورت میں خواہ وہ حملہ مدینہ منورہ کے تمام قبائل (مسلمان و یہود و مشرکین) کے خلاف ہو یا میثاق

کے تسلیم کرنے والے کسی ایک قبیلہ یا جماعت (مسلمان ہو یا یہود) کے خلاف ہو تو تمام اہلِ مدینہ دفاعی اخراجات برداشت کریں گے۔ اسطرح آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے غریب مسلمانوں کی اُس معاشی کمزوری کا علاج کر دیا۔ جو انہیں اکیلے مصارف جنگ برداشت کرنے میں ہوتی کیونکہ دراصل تو یہی وہ اہلِ وفا تھے جو تمام قبائل عرب کی آنکھوں میں خارین کر کھٹک رہے تھے۔ یہود سرمایہ داروں کو اس معاہدہ کے ذریعے دفاعی اخراجات میں شریک کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانان مدینہ منورہ کی ایک بہت بڑی پریشانی کا حل کر دیا۔ جو آپ کی معاشی بصیرت Economic Insightment کی دلیل ہے۔

باب ۶

غزوات و سرایا کے معاشی پہلو

۶:۱ ضروری معلومات :

علماء سیر اور مؤرخین کی اصطلاح میں غزوہ اس جنگ یا لڑائی کو کہتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت فرمائی اور جس لڑائی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی جماعت کو روانہ فرمایا۔ اسے سریہ یا بعث کہتے ہیں۔

غزوات کی کل تعداد ۲۷ (ستائیس) ہے۔ یہ موسیٰ بن عقبہؒ، ابن سعدؒ، واقدیؒ ابن جوزیؒ، دمیاطی عراقیؒ اور محمد بن اسحاقؒ کی رائے ہے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ نے ۲۴ (چوبیس) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے ۲۱ (اکیس) اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ۱۹ (انیس) بتائی ہے۔ علامہ سہیلیؒ کے مطابق اس اختلاف کی وجہ غالباً یہ ہے کہ بعض غزوات ایک ہی سفر میں ایک سے زائد ہو گئے جنہیں مؤرخین نے ایک اور بعض نے زیادہ شمار کیا۔ اور یہ بھی ایک وجہ اختلاف ہو سکتی ہے کہ بعض مؤرخین کو بعض غزوات کا علم ہی نہ ہو۔ [1]

ان ۲۷ (ستائیس) غزوات کے نام بالترتیب یوں ہیں :

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھیں فتح الباری، ج ۱، ص ۲۱۸ - زرقانی، ج ۱، ۳۸۸

۱: غزوہ الابواء۔ ۲: غزوہ بواط۔ ۳: غزوہ بہ تلاشِ کرز بن جابر الفہری۔

۴: غزوہ ذی العشیرۃ۔ ۵: غزوہ بدر۔ ۶: غزوہ بنی قینقاع۔ ۷: غزوہ سویق۔

۸: غزوہ قرقرۃ الکدر۔ (قرارۃ الکدر) ۹: غزوہ غطفان۔ ۱۰: غزوہ بنو سلیم

۱۱: غزوہ اُحد ۱۲: غزوہ حمرالاسد۔ ۱۳: غزوہ بنی النضیر۔ ۱۴: غزوہ بدر الموعد

۱۵: غزوہ ذات الرّقاع۔ ۱۶: غزوہ دومۃ الجندل۔ ۱۷: غزوہ المریسیع۔

۱۸: غزوہ خندق۔ ۱۹: غزوہ بنی قریظہ۔ ۲۰: غزوہ بنی الحیان۔ ۲۱: غزوہ الغابۃ

۲۲: غزوہ حدیبیہ۔ ۲۳: غزوہ خیبر۔ ۲۴: غزوہ فتح مکہ مکرمہ۔ ۲۵: غزوہ حنین

۲۶: غزوہ طائف۔ ۲۷: غزوہ تبوک۔ [۲]

ان غزوات میں سے ۹ (نو) ایسے ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کسی نہ کسی صورت میں قتال فرمایا وہ یہ ہیں:

غزوہ بدر، غزوہ اُحد، غزوہ مریسیع، غزوہ خندق، غزوہ بنی قریظہ، غزوہ خیبر فتح مکہ مکرمہ، غزوہ حُنین اور غزوۂ طائف۔ [۳]

سرایا کی تعداد میں بھی مؤرخین کا اختلاف ہے۔ ابن قیم جوزیہؒ نے سرایا کی تعداد ۶۰ (ساٹھ) بتائی ہے[۴]۔ ابن جوزی نے ۵۶ (چھپن) واقدیؒ نے ۴۸ (اڑتالیس) ابن سعدؒ نے ۴۰ (چالیس) محمد بن اسحاقؒ نے ۳۸ (اڑتیس) اور علامہ ابن عبداللہؒ نے ۳۵ (پینتیس) بتائی ہے[۵]۔ مگر طرفہ تماشا یہ کہ ان اصحاب کی کتب میں بیان کردہ تعداد ۵۶ (چھپن) ہے۔

---

[۲] ملاحظہ کریں: طبقات ابن سعد: ج ۲، باب المغازی، سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، بیان غزوات و سرایا۔

[۳] طبقات ابن سعد، ج ۲، باب المغازی۔

[۴] ابن قیم جوزیہ: زاد المعاد، غزوات و سرایا۔

[۵] دیکھیں زرقانی: ج ۱، ص ۳۸۸۔

ابن سعد نے ان سرایا کی تعداد کی تفصیل رپورٹ درج کی ہے۔ اس رپورٹ کی مدد سے ہم سرایا کے ناموں کی فہرست مرتب کر رہے ہیں[۶]

۱: لوائے ابیض یا سرایا حمزۃ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ

۲: سریہ عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ۔ ۳: سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

۴: سریہ عبداللہ بن جحش الاسدی رضی اللہ عنہ۔ ۵: سریہ عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ۔

۶: سریہ سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ۔ ۷: سریہ قتل کعب بن الاشرف

۸: سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ۹: سریہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ

۱۰: سریہ منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ ۱۱: سریہ مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ

۱۲: سریہ محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ ۱۳: سریہ عکاشہ بن محصن بجانب الغمر

۱۴: سریہ محمد بن مسلمہ رض بجانب ذی القصہ ۱۵: سریہ ابوعبیدہ ابن الجراح بجانب ذی القصہ

۱۶: سریہ زید بن حارثہ بجانب بنی سلیم بمقام الجموم۔

۱۷: سریہ زید بن حارثہ رض بجانب العیص۔ ۱۸: سریہ زید بن حارثہ بجانب الطرف

۱۹: سریہ زید بن حارثہ بجانب حسمیٰ ۲۰: سریہ زید بن حارثہ الی جانب وادی القریٰ

۲۱: سریہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بجانب دومۃ الجندل۔

۲۲: سریہ علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ بجانب سعد بن ابی بکر بمقام فدک۔

۲۳: سریہ زید بن حارثہ بجانب ام قرفہ ۲۴: سریہ عبداللہ بن عتیک بجانب ابی رافع

۲۵: سریہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بجانب اسیر بن زارم

۲۶: سریہ کرز بن جابر الفہری رضی اللہ عنہ بجانب العرنیین۔

۲۷: سریہ عمرو بن امیہ العمری رضی اللہ عنہ ۲۸: سریہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بجانب تربہ

---

[۶] ابن سعد: طبقات، ج ۲، بیان غزوات و سرایا

۲۹: سریہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بجانب بنی کلاب بمقام نجد
۳۰: سریہ بشیر بن سعد انصاریؓ بجانب فدک
۳۱: سریہ غالب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ اللیثی بجانب المیفعہ
۳۲: سریہ بشیر بن سعد انصاریؓ بجانب یمن وجبار۔
۳۳: سریہ ابن ابی العوجاء رضی اللہ عنہ السلمی بجانب بنی سلیم
۳۴: سریہ غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اللیثی بجانب بنی الملوح بمقام الکدید
۳۵: سریہ غالب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ اللیثی بجانب فدک
۳۶: سریہ شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ عنہ۔
۳۷: سریہ کعب رضی اللہ عنہ بن عمیر الغفاری بجانب وادی القریٰ
۳۸: سریہ موتہ ۳۹: سریہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ
۴۰: سریہ الخبط (امیر لشکر ابوعبیدۃ بن الجراح) رضی اللہ عنہ
۴۱: سریہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ۴۲: سریہ ابوقتادہ بن ربعی انصاریؓ بجانب بطن خم
۴۳: سریہ خالد بن ولیدؓ بجانب العزیٰ ۴۴: سریہ عمرو ابن العاصؓ بجانب سواع
۴۵: سریہ سعید بن زیدؓ اشہلی بجانب مناۃ ۴۶: سریہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بجانب بنی جذیمہ
۴۷: سریہ طفیلؓ بن عمرو الدوسی بجانب ذی الکفین
۴۸: سریہ عیینہ بن حصن الفرازی رضی اللہ عنہ بجانب تمیم
۴۹: سریہ قطبہ رضی اللہ عنہ بن عامر بجانب قبیلہ خثعم۔ ۵۰: سریہ ضحاک بن سفیان الکلابی بجانب کلاب
۵۱: سریہ علقمہ رضی اللہ عنہ بن مجزز المدلجیؓ
۵۲: سریہ علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ بجانب صنم (فلس) قبیلہ طے
۵۳: سریہ عکاشہ بن محصن بجانب عذرۃ ۵۴: سریہ خالد بن ولیدؓ بجانب نجران عبدالمدان
۵۵: سریہ علیؓ ابن ابی طالب بجانب یمن ۵۶: سریہ اسامہ بن زید بجانب اہل ابنیٰ۔

۲۔ غزوات و سرایا کے معاشی ثمرات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے جتنے غزوات میں حصّہ لیا یا سرایا بھجوائے ان کا مقصد وحید تو صرف اعلاءِ کلمۃ اللہ تھا اور یہی اسلام کے فلسفہ جہاد کا عنوان ہے۔ مگر ایک بڑے مقصد کے حصول کیساتھ ساتھ بعض اوقات چند چھوٹے مقاصد بھی حاصل کر لئے جاتے ہیں جو اکثر اوقات اس بڑے مقصد کے حصول کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔ مثلاً غزوۂ بدر کا مقصد تو حق کا بول بالا کرنا اور کفر و شرک کو ذلیل و رسوا کر کے اللہ کریم کی سرزمین کو اس کے ناپاک اثرات سے پاک کرنا تھا مگر اس سے ضمناً فائدہ یہ بھی ہوا کہ کفار کو قیدی بنایا گیا جنہیں فدیہ لیکر چھوڑا گیا اور یہ فدیہ مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے مالی وسائل کا ایک ہنگامی ذریعہ بن گیا۔ لہٰذا اگر کوئی بد باطن یہ کہے کہ یہ غزوہ تو مالیات کی فراہمی کے لئے لڑا گیا تھا تو یہ بہت بڑی بد دیانتی اور جہالت کی بات ہوگی۔

غزوات اور سرایا کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان چند اہم قسم کے معاشی فوائد بھی حاصل کرنا چاہتے تھے جو ان کے مقصدِ وحید جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ممد و معاون ثابت ہوئے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لئے یہ چند عنوانات قابلِ توجہ ہیں۔

۲ : ۱ غارتگری کا خاتمہ

اسوقت تک عربوں میں غارت گری بطور پیشہ اور ذریعہ معاش کے رائج تھی جیساکہ ہم باب اوّل میں درج کر آئے ہیں کہ جاہل عرب کے بڑے بڑے نامور قبائل اور ان قبائل کے نامور افراد اور شعراء غارت گری میں نام رکھتے تھے۔ غارت گری ان کے نزدیک ذریعۂ شہرت اور اظہار بہادری اور جوانمردی تھا۔ اس ظالمانہ ذریعہ معاش کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی قبیلہ کی جان اور مال محفوظ نہ تھا۔ غارت گر قبائل یا افراد دوسروں کا مال لُوٹ کر امیر بن گئے

اور کمزور اور طبعاً شریف لوگ غریب اور تنگدست بن گئے۔ اس غارت گری سے اگر کوئی قوم یا قبیلہ محفوظ تھا تو وہ قریش تھے جنہیں بیت اللہ کا مجاور سمجھ کر تمام غارت گر قبائل بھی احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان صحابہ کرامؓ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو اب غارت گر قبائل کے لئے یہ بھی بیت اللہ کے جیران (ہمسائے) نہیں رہ گئے تھے۔ ان کا جان و مال بھی محفوظ نہیں تھا اور انہیں ہر وقت غارت گر قبائل سے خطرہ رہتا تھا صحیح سنن نسائی میں ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول ما قدم المدینۃ یسھر من اللیل۔	"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو راتوں کو جاگا کرتے تھے۔"

کرز بن جابر فہری رئیس مکہ مکرمہ نے مدینہ منورہ کی چراگاہ پر غارت گری کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی لوٹ لیئے۔ اس کا تعاقب کیا گیا مگر وہ بچ کر نکل گیا۔ (حضرت کرز رضی اللہ عنہ بعد میں مسلمان ہوئے اور فتح مکہ مکرمہ میں تنہا راہ چلتے شہید ہو گئے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، جو داعئ امن و سلامتی تھے، نے ایسے غارت گر قبائل کو سبق سکھانے کے لئے ان کے خلاف سرائے بھیجے تا کہ ایسے سرکش قبائل کی سرکوبی کر کے ان کے اموال مارے جائیں۔ اور نتیجۃً انہیں معاشی طور پر کمزور کر کے خود مسلمانوں اور دیگر قبائل عرب کو ان کی غارت گری سے محفوظ کیا جا سکے۔

اعتراض کا جوابؒ:

اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ بدباطن اور کور چشم دشمن جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو کم کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ان بدباطنوں کا کمال

یہ ہے کہ رائی کو پہاڑ بنا کر دکھانا اور جھوٹ کو سچ کے بھیس میں پیش کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ پھر اپنے اس دجل و فریب کے لئے دلائل کا وہ انبار کھڑا کرتے ہیں کہ بزعم خویش بڑے بڑے محققین کا فریب خوردہ قلم بھی اُن کی ڈگر پر رواں ہو جاتا ہے۔ ان بد باطنوں کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرائے اور غزوات تو صرف لوٹ مار کرنے کے لئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) اپنے اصحاب رضی اللہ عنہ کو غارت گری کی باقاعدہ تربیت دیا کرتے تھے۔ اس اعتراض کے جواب میں چند معروضات پیشِ خدمت ہیں:

۱: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن قبائلِ عرب کے خلاف سرائے بھیجے اسکا مقصد غارتگری نہیں تھا۔ البتہ غارت گروں کی اصلاح کرنا تھا۔ یہ سرائے چھاپے کی حیثیت رکھتے تھے جن کے ذریعے غارت گر قبائل کو ڈرا دھمکا کر اس ظلم سے باز رکھنا تھا۔ اسلام امن و سلامتی کا علمبردار ہے۔ اس کے نزدیک ہر وہ عمل قابل اصلاح ہے جو ظلم ہو یا ذریعۂ ظلم ہو۔ غارت گر قبائلِ عرب نے اپنی مکروہ حرکات کی وجہ سے پورے خطۂ عرب کا امن تباہ و برباد کر رکھا تھا اور مدینہ کی نئی اسلامی ریاست ان کا سب سے بڑا ہدف تھی۔ انہیں سبق سکھانے کے لئے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جس کے وہ اہل تھے۔

لاتوں کے بھوتوں کو خوش کُن وعظ اور ناصحانہ انداز میں سمجھانا اکثر ان کے تمرد اور سرکشی کا موجب بنتا ہے۔ ایسے بھوتوں کی اصلاح کے لئے تو لاتوں سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان غارت گروں کے خلاف سرائے بھیجنا اس حکیمانہ پالیسی کا حصّہ تھے۔

۲: (نعوذ باللہ) اگر آپؐ نے غارت گری کرانا ہوتی تو اس کے لئے ایک دستہ تیار کر لیا جاتا جس کو باقاعدہ غارت گری کی تربیت دے دی جاتی اور وہ یہ کام سرانجام دیتا رہتا۔ آپ اگر گذشتہ صفحات پر درج سرایا کی فہرست پر طائرانہ نگاہ ڈالیں تو آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ ان سرایا کے لئے بھیجے گئے لشکر کی امارت کے فرائض مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

سرانجام دیئے۔ ان میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جن کی تواضع اور نرم مزاجی اور لڑائی جھگڑا سے طبعاً نفرت زمانہ جاہلیت میں بھی مسلم تھی۔ مثلاً سیدنا ابوبکر صدیق، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعید بن زید وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

۳: اگر اس غارت گری کے ذریعے مالی مشکلات پر قابو پانا اور غربت کا علاج کرنا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) ان حضرات کو اس مقصد کے لئے روانہ فرماتے جو مفلس اور تنگدست تھے۔ مگر یہاں تو وہ حضرات بھیجے گئے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں امیر شمار کئے جاتے تھے۔ مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عمرو بن العاص، حضرت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہم۔

پھر اگر مقصد مال کمانا ہی تھا تو آپ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے ناراض نہ ہوتے جو وادی نخلہ سے قریش کے قافلہ تجارت کا سامان مار کر لاتے تھے تفصیل آگے آئے گی۔

۴: بُرا آدمی بھی جب بُرائی کرتا ہے (تو اگر وہ بالکل ہی انسانیت کے درجہ سے گر چکا ہے تو الگ بات ہے) نہیں تو اس کا ضمیر اس کو ضرور جھنجھوڑتا ہے اور اگر اس نے بُرائی کرنا ہی ہو تو کم از کم اپنی نفسیاتی کمزوری سے کام لیتے ہوئے وہ اپنے رشتہ داروں اور قریبی دوستوں کو اس بُرائی کے لیئے استعمال نہیں کرتا۔ اللہ کریم نہ کرے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرائے غارت گری کے لیئے ہوتے تو کم از کم اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، اپنے چچیرے بھائی علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنے یارِ غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے ماموں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے مخلص دوست حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور اپنے متبنیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو تو اس کے لیئے استعمال نہ کرتے۔

۵: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے سرائے صرف غارت گر قبائل کو غارت گری سے باز رکھنے کے لئے ہی نہیں ارسال کئے بلکہ بعض اوقات ان سرائے کا مقصد خالصتہً

نہ ہی ہوتا تھا جن میں نہ کسی غارت گر قبیلے کا مال مارا جاتا نہ ان سے لڑائی کی جاتی۔ مثلاً سریہ طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ صرف قبیلہ دوس کے بُت ذالکفین کو ملیامیٹ کرنے کے لیئے تھا جس کی وہ قبیلہ رش کے کریم سلطان کو چھوڑ کر عبادت کرتا تھا۔ اسطرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا سریہ قبیلہ طے کے بُت فلس کو برباد کرنے کے لئے ترتیب دیا گیا تھا۔

۶: اگران سرائے کا مقصد غارت گری کر کے کسی قبیلہ کا مال ہی لوٹنا تھا تو پھر ان قبائل کا مال نہ محفوظ رہتا اور نہ واپس کیا جاتا جو اسلام قبول کر لیتے اور مسلمانوں کے بھائی بن جاتے تھے۔ مثلاً سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو بجانب حمیٰ بھیجا گیا اور جو مالِ غنیمت کے طور پر ایک ہزار اونٹ، پانچ ہزار بکریاں اور سو بچے عورتیں قیدی بنا کر لائے مگر اس قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا تو سارا سامان واپس کر دیا گیا اور قیدی آزاد ہو گئے۔ دراصل مقصد اور تھا نہ کہ غارت گری کے ذریعے مال۔

ے اودی بسعدی و رباب وانما

انت الذی تعنی و أنت المؤمل

۷: مؤرخین کے اختلاف کی رُو سے سرایا کی کل تعداد زیادہ سے زیادہ ۵۶ (چھپن) ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے ایام دس سال پر پھیلے ہوئے ہیں گویا کہ ایک سال میں تقریباً چھ بار کیا سال (جس کے بارہ ماہ اور شمسی تقویم کے مطابق ۳۶۰ دن ہو سکتے ہیں) میں چھ بار کی غارت گری سارے سال کی معیشت کے لئے کافی ہے؟ اگر غارت گری کو خاکم بدہن آپ [illegible] اللہ علیہ وسلم نے ذریعہ معاش بنانا ہوتا تو پھر ان سرایا کی تعداد کم از کم سینکڑوں تک پہنچتی۔

○ احقر کی رائے تو اس سلسلہ میں قدرے مختلف ہے کہ اگر سرائے کو بطور مال مارنے کے بھی استعمال کیا جاتا تو وہ بھی درست اقدام ہوتا۔ دُنیا کا یہ مسلّمہ قانون ہے کہ جو ملک کسی ملک کے ساتھ حالت جنگ میں ہو اس کا مال مباح ہوتا ہے اور اس کے فوجی اور شہری قیدی بنائے جا سکتے ہیں۔ یہ تمام ادیان سماویہ کا مشترکہ قانون رہا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سنے اللہ کریم کے ایک ہونے کا اعلان کیا تو تمام قریش آپ کے جانی دشمن بن گئے۔ جب آپ ہجرۃ کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اور انصار رضی اللہ عنہم باوفا کی مدد سے یہاں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو تمام قبائل عرب آپ کے مخالف بن گئے اور مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے ساتھ وہ ہر وقت حالت جنگ میں تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسُول امن وسلامتی اور رحمۃ للعلمین (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے کی حیثیت سے میثاقِ مدینہ کی شکل میں تمام قبائلِ عرب کو دعوتِ امن پیش کی۔ اب جنہوں نے اس مخلصانہ پیشکش کو بھی ٹھکرا دیا اور اسلام اور داعئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی جماعت کے دشمن بن کر رہنے لگے، جن کے حملوں اور غارت گری سے مدینہ منورہ کی ریاست کو ہر آن خطرہ تھا۔ علاوہ ازیں جو قبائل انسانیت ہی کے دشمن تھے اگر ان کے اموال انہی کے رہتے تو وہ معاشی طور پر طاقتور بن کر اسلام کی شمع امن وسلامتی کو بجھا کر ہی دم لیتے۔ اور جن قبائل کا ایک رئیس سے لیکر گڈریا تک داعی اسلام کا جانی دشمن تھا ان کا مال مارنا اور اس کا مقصد بھی ان کے ظلم کو ختم کر کے انسانیت کو سکھ کا سانس دلوانا تھا۔ بھلا کہاں کا جُرم ہے؟

یہ وہ دَور تھا جب عرب وعجم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے برسرپیکار تھے۔ یہود اور مشرکین نبرد آزما تھے جہاں مشرکین مکہ مکرمہ اور قبائل عرب مدینہ منورہ پر بار بار غارت گری کرتے ہوں اور مزید کی منصوبہ بندی کر رہے ہوں، جہاں مسلمانوں کی جان ومال محفوظ نہ ہوں، جہاں آپ کے ستودہ صفات اصحاب رضی اللہ عنہم کو تبلیغ اسلام کے نام پر لیجا کر قتل کیا جا رہا ہو۔ وہاں اگر مسلمان صرف انسانیت کو امن کی نیند سُلانے کے لئے اور غارت گر قبائل کو سبق سکھانے کے لئے ان پر چھاپے ماریں تو کیا ان کا یہ عمل بھی جرم؟ اور مستشرقین یورپ اسکو پیغمبر اسلام علیہ السلام کی کردار کشی کے لئے استعمال کریں؟ اس سلسلے میں ایک دلدوز واقعہ نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

عضل اور قارہ: دو مشہور قبیلوں کے چند آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوتے ہیں اور آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ آپ ہمارے ساتھ چند معلّمین بھیجیں جو ہمیں اسلام کے بنیادی احکام سکھا دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کیساتھ دس صحابہ کرام (جن میں مرثد بن ابی مرثد، خالد بن بکیر، عاصم بن ثابت، خبیب بن عدی، زید بن الدثنہ، عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم اجمعین شامل تھے) کو روانہ کر دیا۔ یہ لوگ مقام رجیع پر پہنچے جو مکہ مکرمہ اور عسفان کے وسط میں ہے۔ تو اُن غدّاروں نے بدعہدی کی اور قبیلہ بنو لحیان کو اشارہ کیا کہ وہ ان پاکیزہ افراد کو قتل کر دیں۔ جنہوں نے حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کے سوا سب کو شہید کر دیا۔ اور ان دونوں کو قریش مکہ مکرمہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اُحد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ ان کے لڑکوں نے انہیں خرید کر شہید کر دیا[۱]

جب انہیں سولی پر چڑھا کر شہید کیا جا رہا تھا تو ان کی زبان پر یہ اشعار تھے:

ع و ما ان ابالی حین اقتل مسلما   علی ای شق کان للہ مصرعی

وذالک فی ذات الالہ وان یشاء   یبارک علی اوصال شلو ممزّع

ترجمہ: "جب میں مسلمان کی حیثیت سے قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کیا پرواہ میں کس پہلو قتل کیا جاؤں گا۔ اور یہ جو کچھ مصیبت ہے یہ صرف اور صرف اللہ کریم کے لیئے ہے۔ اور اگر وہ کریم چاہے گا تو جسم کے ان پاروں پر برکت نازل کر دے گا۔"

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو صفوان بن اُمیّہ نے قتل کرنے کے لیئے خریدا۔ جب انہیں مقتل کی طرف لے جایا گیا تو قریش کے رؤسا اور شرفاء جن میں ابو سفیان بھی تھا تماشہ دیکھنے کے لیئے اُمڈ آئے۔ جب قاتل (صفوان کے غلام) نسطاس[۲] نے اُن کو شہادت دلانے کے

---

[۱] حارث کے بیٹے ابو سروعہ تے جنہوں نے ابو خبیب رض کو شہید کیا تھا بعد کو مسلمان ہوئے اور صحابی بنے۔ زرقانی: ج ۲، ص ۸۷۔ [۲] نسطاس بعد میں مسلمان ہوئے۔ زرقانی: ج ۲، ص ۸۴۔

لیئے تلوار سونتی تو ابوسفیان نے اسے روک کر دریافت کیا :

زید تمہیں اللہ کریم کی قسم! سچ سچ بتاؤ اب اگر تمہاری جگہ (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے تو کیا تم اپنے آپ کو سعید تصور نہ کرتے ؟

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا : "اللہ کریم کی قسم! اے ابوسفیان ! میں تو اسے بھی پسند نہیں کرتا کہ وہ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں (مدینہ منورہ میں) تشریف فرما ہیں وہاں ان کے پاؤں میں کانٹا ہی چبھ جائے "

اس کے بعد صفوان کے غلام نسطاس نے تلوار کا وار کر کے انہیں شہادت سے ہمکنار کر دیا[۹]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جانکاہ واقعہ کی بذریعہ وحی خبر ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو رض بن اُمیہ کو جاسوس بنا کر بھیجا کہ وہ خبیب اور زید رضی اللہ عنہما کی خبر لائیں۔ وہ واپسی پر ایک غار میں چھپے۔ ان کے سامنے سے بنوالدیل کا ایک لمبا تڑنگا کانا چرواہا گذرا۔ اس نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیا اور اُن سے دریافت کیا تو کون ہے ؟ حضرت عمرو رض نے کہا : میں بنی بکر سے ہوں "چرواہے نے کہا : میں بھی بنی بکر کے خاندان بنوالدیل کا ہوں۔ وہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار میں بیٹھا اور لیٹ گیا۔ پھر اس نے بانسری نکالی اور یہ شعر بار بار گانے لگا۔

ولست بمسلم مادمت حیا   ولست اَدِین دین المسلمینا

ترجمہ "میں جب تک زندہ رہوں گا ہرگز مسلمان نہیں بنوں گا ، نہ ہی مسلمانوں کا دین قبول کروں گا "

حضرت عمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ نے اُسے قتل کر دیا[۱۰]

---

[۹] طبری : تاریخ ، ج ۱ ، ۴ھ کے واقعات

[۱۰] حوالہ بالا۔

اس واقعہ سے آپ نے جہاں ایک طرف سرداران قبائل اور سرداران قریش کی اسلام اور مسلمان دشمن کا اندازہ کرلیا ہوگا۔ وہاں آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ اُس وقت کے خطۂ عرب کا ایک کانا گڈریا بھی اسلام اور مسلمان دشمنی میں کسی سے پیچھے نہ تھا کہ وہ اپنی بانسری پر اگر کوئی راگ الاپتا ہے تو وہ اسلام دشمنی کا راگ ہے۔ ان حالات میں اگر پیغمبر اسلام علیہ السلام ان دشمنوں کی سرکوبی اور ان کی غارت گری سے اپنے بچاؤ اور ان نبیت کے بچاؤ کے لئے سریہ بھیجیں تو مستشرقین اور ان کے پیروکار اُسے غارت گری کا نام دے کر پیغمبر اسلام علیہ السلام اور ان کے سچے پیروکاروں کی کردارکشی کرتے ہیں۔

۲:۲۔ دشمن کی معاشی قوت کو کمزور کرنا

جنگوں اور لڑائیوں کا ایک ضمنی مقصد دشمن کی معاشی قوت کو کمزور کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ مجبور ہوکر ہتھیار ڈال دے یا صلح کے لئے آمادہ ہوجائے۔ اکثر اوقات دوران جنگ دشمن کی معاشی تنصیبات کو نشانہ بنانا جنگی حکمت عملی کا نمایاں حصہ ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس حکمت عملی پر عمل کیا تاکہ کفار و مشرکین کو اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست اور مرکز اسلام کے خلاف اپنی سرگرمیوں کو ختم کردیں یا ان کا دائرہ کم از کم کردیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طریقے اختیار کئے۔

۱: غارت گر قبائل پر چھاپے مارے۔

۲: قریش کے تجارتی قافلوں کو پریشان کیا۔

غارت گری کے خاتمہ کے لئے غارت گر قبائل پر چھاپوں پر پہلے بحث ہوچکی ہے۔

یہاں ہم دوسرا ذریعہ یعنی قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے پر بحث کرتے ہیں:

قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے: تجارت کو قریش مکہ مکرمہ کی ملکی اور بین الاقوامی معیشت میں شاہ رگ کی حیثیت حاصل تھی۔ قریش مکہ مکرمہ اس ذریعہ سے حاصل شدہ نفع

کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اکثر و بیشتر غزوات و سرایا اسی مقصد کے لئے لڑے اور بھیجے گئے کہ قریش کے تجارتی قوافل کی ناکہ بندی کر کے قریش کی تجارتی شہہ رگ کو کاٹ دیا جائے یا کمزور کر دیا جائے تاکہ نہ اموال تجارت سے نفع کمایا جا سکے گا اور نہ ہی اُسے مرکزِ اسلام کے خلاف سرگرمیوں میں استعمال کیا جا سکے گا۔ گو تجارتی ناکہ بندی کے اکثر اقدامات میں مستشرقین اور اُن کے مقلدین کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناکامی ہوئی یعنی تجارتی کاروان بچ کر نکل جاتا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا سامان تجارت لوٹ نہ سکتے۔ بعض ناوانوں نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قلتِ تدبیر کا نتیجہ بھی قرار دیا ہے مگر ان لوٹ گھسوٹ ہی کو کامیابی قرار دینے والوں کو کون سمجھائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تو صرف قریش کے تجارتی قافلوں کو ہراساں کر کے ان کی نقل و حرکت کو روکنا تھا نہ کہ سامانِ تجارت لوٹنا تھا۔ نبی علیہ السلام جو ہر کام اللہ کریم کی وحی کی روشنی میں انجام دیتا ہے اس کی شانِ عالی کے خلاف ہے کہ اسکو یہ اطلاع ہی نہ ہو کہ تجارتی قافلہ کہاں ہے اور وہ اس پر حملہ کرنے کے لئے کسی اور جگہ پر گھات لگا کر بیٹھے۔ اگر مقصد سامان لوٹنا ہوتا تو اللہ کریم بذریعہ وحی اپنے نبی علیہ السلام کو خبر کر دیتا کہ تجارتی قافلہ فلاں مقام پر ہے۔

دوسرے اگر مقصد سامان لوٹنا تھا تو پھر عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ تجارتی سامان لوٹ کر لائے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناپسندیدگی کا کیوں اظہار کیا؟ واقعہ آگے آتا ہے۔

تیسرے اگر سامان تجارت کا لوٹنا ہی مقصد واحد تھا تو پھر بدر کے موقع پر ابو سفیان کا تجارتی قافلہ بچ بچا کر نکل گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہ ۳۱۳ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لیکر واپس مدینہ منورہ تشریف لائے اور خواہمخواہ ان نہتوں کو جنگ کی بھٹی میں جھونک دیا۔ یہ تینوں دلائل بتاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد سامانِ تجارت لوٹنا نہیں

بلکہ قریش کے تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی کرنا تھا جس میں آپ ہمیشہ کامیاب رہے۔

قریش کے قافلوں کی تجارتی ناکہ بندی کے واقعات بہت ہیں مگر چند اہم واقعات کی طرف یہاں اشارہ کیا جاتا ہے۔

ا: صفر ۲ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۶۰ مہاجرین کو لیکر مقام ابواء کی طرف بڑھے تاکہ قریش کے تجارتی قافلہ سے تعارض کریں اور ساتھ ساتھ بنوضمرہ کے سرکش قبیلہ کو مطیع بنانے کے لئے ان پر دباؤ ڈالیں۔ یہ پہلا غزوہ تھا۔ آپ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا گورنر مقرر فرمایا اور جنگ کا علم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔ قافلہ قریش تو بچ بچا کر نکل گیا البتہ بنوضمرہ نے معاہدہ صلح کر لیا۔ بنوضمرہ کا سردار مخشی بن عمرو ضمری تھا۔ شرائط صلح یہ تھیں کہ بنوضمرہ نہ مسلمانوں سے خود لڑیں گے اور نہ ان کے خلاف کسی کی مدد کریں گے۔ مسلمانوں کو کبھی دھوکہ نہیں دیں گے اور بوقت ضرورت ان کی مدد کریں گے۔

اس کے عوض بنوضمرہ کا جان و مال مسلمانوں سے محفوظ رہے گا۔ اور جو شخص ان پر حملہ کریگا اس کے مقابلہ پر ان کو مدد دی جائے گی [۱۱]

ب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول (دوسری روایت کے مطابق ربیع الثانی) ۲ھ کو دو سو ۲۰۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ قریش کے قافلہ کو روکنے مقام بواط پر تشریف لیگئے۔

حضرت سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو (جو سابقین الاولین اور مہاجرین حبشہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے) مدینہ منورہ کا حاکم مقرر فرمایا۔

قریش کا مذکورہ تجارتی قافلہ امیہ بن خلف کی سربراھی میں سو ۱۰۰ نفر پر مشتمل تھا اس میں اڑھائی ہزار (۲۵۰۰) اونٹ تھے۔ قافلہ بچ کر نکل گیا [۱۲]

---

[۱۱] سہیلی: روض الانف، ج ۲، ص ۵۸۱ زرقانی: ج ۱، ص ۳۵۹

[۱۲] زرقانی: ج ۱، ص ۳۹۲۔ طبری: تاریخ، ج ۱، غزوہ بدر کے واقعات۔

ج : تیسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمادی الاوّل ۲ھ میں دوسو (۲۰۰) مہاجرین رضی اللہ عنہم کے ساتھ قریش کے تجارتی قافلہ کو چھیڑنے ینبوع تک تشریف لے گئے۔ اس مہم کو غزوہ ذات العشیرۃ کہتے ہیں۔ اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کو مدینہ منوّرہ پر حاکم مقرر فرما گئے[۱۳]

د : مہم نخلہ :۔ جمادی الاخریٰ ۲ھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو بارہ صحابہ کرام[*] رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایک گرامی نامہ دے کر بھیجا۔ آپ نے

---

[۱۳] طبری ؛ ج ۱۔ غزوہ بدر کے واقعات۔ روض الانف؛ ج ۲، ص ۵۸

[*] ان بارہ۱۲ حضرات رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ امیر تھے باقی گیارہ کے اسماءِ گرامی یہ ہیں :

۱ : حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ	۲ : حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ
۳ : حضرت عُتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ	۴ : حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
۵ : حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ	۶ : حضرت واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
۷ : حضرت خالد بن بکیر رضی اللہ عنہ	۸ : حضرت سہیل بن بیضا رضی اللہ عنہ
۹ : حضرت عامر بن ایاس رضی اللہ عنہ	۱۰ : حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۱ : حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ	

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گرامی نامہ میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ جو عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ساتھ برضا ورغبت نخلہ میں ٹھہریں، کسی پر پابندی نہیں۔ مگر جب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر سنایا اور کہا ؛ جسے شہادت عزیز ہو وہ میرے ساتھ چلے تو سب نے کہا : ہم بدل وجان راضی ہیں البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کا راستے میں اونٹ گم ہوگیا جسے وہ تلاش کرتے کرتے پیچھے رہ گئے باقی حضرات نے جاکر مقامِ نخلہ میں قیام کیا۔

(فتح الباری ؛ ج ۱، ص ۱۴۳ - زرقانی ؛ ج ۱، ص ۳۹۷)

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ھدایت فرمائی کہ وہ مسلسل دو دن چلتے رہیں اور پھر آپ کا مکتوب گرامی پڑھیں۔ اس خط میں لکھا تھا:

"مقام نخلہ (مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان) میں قیام کرو، قریش کے تجارتی قافلوں کی دیکھ بھال کرو اور ہمیں مطلع کرو۔"

اچانک قریش مکہ مکرمہ کا ایک تجارتی قافلہ جس میں عمرو بن الحضرمی، عثمان بن عبداللہ بن المغیرہ۔ نوفل بن عبداللہ بن المغیرہ اور حکم بن کیسان تھے اور جس کا سامان تجارت منقی، چمڑا اور دوسرے سامان تجارت پر مشتمل تھا، ان کے قریب آکر اترا۔ قافلہ والے ان حضرات کو دیکھ کر ڈرے مگر عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کا منڈا ہوا سر دیکھ کر انہیں اطمینان ہو گیا۔ کیونکہ انہیں گمان ہوا کہ یہ لوگ عمرہ کرنے آئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اگر ان پر حملہ کرکے انہیں قتل کریں تو رجب کی آخری تاریخ ہے لہٰذا ہم ماہِ حرام کی حرمت توڑنے والے بن جائیں گے اور اگر انہیں آج رات چھوڑ دیتے ہیں تو یہ کل حرم میں داخل ہو جائیں گے اور ہم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ ان پر حملہ کیا جائے حملہ میں عمرو بن الحضرمی تو مارا گیا۔ اور حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ قیدی بنا لیے گئے۔ جب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے مدینہ منورہ آکر قیدی اور مالِ غنیمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے تو آپ ناراض ہوئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بھی حضرت عبداللہ بن جحش سے برہم ہو کر کہا:

صنعتم مالم تؤمروا به وقاتلتم في الشهر الحرام ولم تؤمروا بالقتال۔[۱۱۴]

"تم نے وہ کام کیا (یعنی قافلہ پر حملہ کیا اور آدمی کو قتل کیا) جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا اور یہ کہ ماہِ حرام میں لڑے۔ حالانکہ اس مہینے میں لڑنے کی تمہیں اجازت نہیں دی گئی تھی۔"

---

۱۱۴ طبری: تاریخ، غزوہ بدر کے واقعات۔ زرقانی: ج ۱، ص ۳۹۶۔۳۹۷

باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

ابوسفیان کا تجارتی قافلہ روکنے کی کوشش

یہ واقعہ غزوۂ بدر کا فوری سبب بنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی کارواں جس میں مکہ مکرمہ کے ہر قریشی مرد اور عورت کا حصہ تھا اور جن کے لیئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو بہت ندامت ہوئی۔ گو ان حضرات نے یہ حملہ غرہ شعبان کے اشتباہ میں اس قافلہ پر کیا تھا۔ (روض الانف: ج ۲، ص ۷۔) مگر انہیں پریشانی ضرور تھی۔ اُدھر یہود نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ نے ماہِ حرام کو حلال کر لیا۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت یسئلونک عن الشھر الحرام الخ (البقرۃ: ۲۱۷) اُتری جس میں یہ بتایا گیا کہ گو ماہِ حرام میں قصداً قتل کرنا گناہ ہے (اور ان حضرات نے تو صرف اشتباہ میں ایسا کیا تھا) مگر قریش مکہ نے اللہ کریم کے ساتھ جو کفر و شرک کیا ہے۔ لوگوں کو مسجد حرام سے روکا ہے اور اہل حرم (مسلمانوں) کو حرم سے نکال باہر کیا ہے۔ ان کا یہ جرم تو سب جرائم سے بڑھ کر ہے۔ اور کفر و شرک کا فتنہ تو (عمرو بن الحضرمی کے) قتل سے کہیں بڑھ کر ہے۔ لہٰذا حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور ان کے ساتھیوں کو موردِ الزام ٹھہرانے والے اپنے گریبان میں بھی تو ذرا جھانک کر دیکھیں۔ بہرحال جب یہ آیت اُتری تو مالِ غنیمت تقسیم کر دیا گیا اور قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑ دیا گیا۔ اس واقعہ میں عمرو بن الحضرمی جو قتل ہوا تھا وہ عبداللہ بن حضرمی کا بیٹا تھا جو حرب بن اُمیہ کا حلیف تھا۔ اور حرب قریش کا رئیس اعظم تھا۔ جو لوگ گرفتار ہوئے یعنی عثمان و نوفل دونوں مغیرہ کے پوتے تھے مغیرہ حرب کے بعد دوسرے درجہ کا رئیس اعظم تھا۔ لہٰذا اس واقعہ نے قریش کو مشتعل کر دیا اور یہ واقعہ غزوہ بدر اور دیگر تمام لڑائیوں کا فاتحۃ الکتاب بن گیا۔ (طبری: تاریخ، ج، ص ۱۲۷۴)

اس واقعہ میں ہاتھ لگنے والا مالِ غنیمت تاریخ اِسلام میں پہلا مالِ غنیمت تھا۔

یہ بھی طے تھا کہ اس کے منافع کا بڑا حصہ مسلمانوں اور مدینہ منورہ کی نوخیز اسلامی ریاست کے خلاف استعمال ہوگا۔ ابوسفیان کی سربراہی میں شام سے واپس مکہ مکرمہ جارہا ہے۔ اس قافلہ نے بدر کے مقام سے ہوکر گذرنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس تجارتی قافلہ سے تعارض کرنے کیلئے ۳۱۳ جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا مُبارک قافلہ لے کر چلے۔ آپ نے دو خبر رسال حضرت بسیسہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عدی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا کہ وہ اس قافلہ کی نقل و حرکت کی خبر لائیں۔ یہ دونوں بدر پہنچے اور رازدارانہ انداز میں قافلہ کے حالات جاننے کی کوشش کرنے لگے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ بدر کے چشمہ پر دو عورتیں جھگڑا کر رہی ہیں۔

ایک دوسری کو کہتی ہے: تو میرا قرضہ کب واپس کرے گی؟

دوسری نے جواب دیا: دیکھئے پرسوں تک قریش کا قافلہ تجارت یہاں لوٹنے والا ہے۔ میں اُن لوگوں کو اپنی بٹی ہوئی سستیاں بیچ کر تمہارا قرضہ چکادوں گی۔"

حضرت عدیؓ اور ان کے ساتھی نے کہا چلیئے خبر مل گئی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر تمام حالات سے باخبر کر دیا۔

دوسری طرف دشمن کی عیاری بھی دیکھیئے۔ ابوسفیان کو خطرہ تو تھا ہی۔ خود ایک ساتھی کو لیکر بدر کے مقام پر پہنچا اور لوگوں سے دریافت کیا۔ یہاں کوئی اجنبی تو نہیں آئے تھے؟ لوگوں نے کہا ہاں، دو اونٹوں پر سوار یہاں چکر لگا کر چلے گئے۔ ابوسفیان نے اُن کے ٹھہرنے یا سستانے کی جگہ دریافت کی۔ اور جاکر دیکھا کہ اونٹ کی مینگنیاں پڑی ہیں۔ ایک کو اُٹھا کر توڑا تو درمیان سے کھجور کی گٹھلی نکلی۔ فوراً چیخ کر اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا:

"قافلہ بچاؤ! یہ مدینہ منورہ کے اونٹوں کی لید ہے۔ وہ ہماری خبر لینے آئے تھے اور اب حملہ کرنیوالے ہیں۔"

خود قافلہ کو لیکر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اور ایک شخص کو مکہ مکرمہ بھجوا دیا کہ وہ قریش کو خبر دے اور وہ اپنا قافلہ بچانے پہنچ جائیں۔ قریش مکہ مکرمہ کے غیض و غضب

کا بادل زور و شور سے اٹھا اور پورے عرب پر چھا گیا جس کا نتیجہ بدر کی جنگ کی صورت میں نکلا[۱۵]

س: ابوسفیان کا ایک دوسرا تجارتی قافلہ روکا گیا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غرہ جمادی الاخریٰ ۳ھ میں ابوسفیان کے ایک تجارتی قافلہ کو روکنے کے لئے جو شام سے واپس آرہا تھا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک سریہ روانہ فرمایا۔ گو قریش نے غزوۂ بدر میں شکست کے بعد مرعوب ہو کر اپنے تجارتی قافلوں کا قدیم شامی راستہ بدل کر عراقی راستہ اختیار کرلیا۔ مگر مسلمان بیدار تھے حضرتِ زید رضی اللہ عنہ نے اس قافلہ کو نجد کے ایک چشمہ القردۃ پر جالیا اور اس کا سامان بطور غنیمت حاصل کیا۔ اشراف خاندان یعنی ابوسفیان بن حرب، صفوان بن اُمیّہ، حویطب بن عبد العزیٰ اور عبداللہ بن ابی ربیعہ بھاگ گئے۔ صرف فرات بن حیان عجلی گرفتار ہوئے۔

اس قافلہ میں ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن اُمیّہ کی چاندی کی بڑی مقدار تھی۔ قیدی، اور مال غنیمت مدینہ منورہ لاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا اور شرکاء سریہ میں تقسیم کیا گیا۔ اور خمس نکال لیا گیا۔ مال غنیمت کی کثرت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ صرف خمس (۱/۵) ۲۰۰۰۰ بیس ہزار تھا۔

اس سریہ کے قیدی حضرت فرات بن حیان عجلی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آکر مسلمان ہوگئے[۱۶]

یہ بطور نمونہ چند اہم واقعات کا ذکر قدرے تفصیلاً کر دیا گیا ہے۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیگر سرایا میں بھی مثلاً سریہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، سریہ عبیدہ رضی اللہ عنہ

---

[۱۵] یہ تمام واقعات طبقات ابن سعد، بیان غزوہ بدر اور طبری: واقعات غزوہ بدر سے منقول ہیں۔

[۱۶] صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا۔ مسلم۔ کتاب الامارۃ۔

سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سریہ طلحہ رضی اللہ عنہ، سریہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ، سریہ عیص وغیرھا بھی قریش کے تجارتی قافلوں کی روک ٹوک کے لیئے روانہ کئے گئے تھے۔

اس ساری بحث کا مقصد یہ بتانا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ مکرمہ کی معاشی قوت کو کمزور کرنے اور اس طرح انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے سے باز رکھنے کے لیئے ان کی تجارت کو نقصان پہنچانے کے لیئے ان کے تجارتی قافلوں کی روک ٹوک فرمائی۔ اور یہ ایک مؤثر جنگی حربہ تھا۔

۲: مال غنیمت کا حصول

غزوات وسرایا (بلکہ اسلام کے نظام جہاد) کا ایک ثمرہ مال غنیمت کا حصول بھی ہے گو اسلام کے نظامِ جہاد میں کہیں بھی اس چیز کی اجازت نہیں کہ جہاد صرف مالِ غنیمت کے حصول کے لیئے کیا جائے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کے جذبہ کی حوصلہ شکنی فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا اے اللہ کریم کے رسول کریم! کوئی شخص نام ونمود کی چاہت کے لیئے جہاد کرتا ہے، کوئی ملک وقوم کی سلامتی اور ترقی کے لیئے کرتا ہے جبکہ کوئی مال غنیمت کے حصول کے لیئے جہاد کرتا ہے۔ کس شخص کا جہاد اللہ کریم کی راہ میں سمجھا جائے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبرانہ اعجاز وحکمت سے کام لیکر جواب دیا:

من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله۔ [۱]	"جو شخص صرف اس لیئے قتال کرے کہ اللہ کریم کا بول بالا ہو، وہی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔"

[۱] صحیح بخاری: کتاب الجہاد، باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا۔ مسلم: کتاب الامارۃ۔

دراصل مالِ غنیمت دورِ جاہلیت کی لڑائیوں کا مقصد وحید تھا۔ اور لڑنے والوں پر غنیمت کا شوق جنون کی حد تک سوار تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو انسانوں کو یہ سکھانے آئے تھے کہ اسلام میں جہاد کا مقصد نہ تو مالِ غنیمت ہے نہ کشور کشائی ہے بلکہ اللہ کریم کا بول بالا کرنا ہے وہ بغیر لڑنے اور جھگڑنے کے ہوتا ہے تو خون خرابہ کرنے اور دوسروں کا مال و متاع لوٹنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن مسلمان اسلام لانے کے بعد بھی ایک عرصہ تک لڑائی اور مالِ غنیمت کا حصول لازم و ملزوم سمجھتے رہے۔ زمانہ جاہلیت کا نشہ غنیمت ایسا نہیں تھا جو ایک دم کافور ہو جاتا۔ پھر دولت تو جادوگر ہوتی ہے۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر سا لشکر ایک قبیلے کی سرکوبی کے لیئے روانہ کیا۔ لشکری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی کسی طرح آگے نکل گئے۔ قبیلہ کے لوگ ڈر کر روتے ہوئے ان صحابی تک آئے۔ انہوں نے کہا: لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلو تو بچ جاؤ گے! اُن خوش قسمت افراد نے بلا توقف اللہ کریم ہی کے معبود ہونے کا اقرار کرلیا اور حملہ سے بچ گئے۔ جب ساتھیوں کو اس حیلۂ خیر کی اطلاع ہوئی تو اِن صحابی سے ناراض ہوئے کہ انہوں نے انہیں مالِ غنیمت سے محروم رکھا۔ صحابی کے الفاظ قابلِ توجہ ہیں:

فلامنی اصحابی وقالوا: احرمتنا الغنیمۃ [18] "مجھے میرے ساتھیوں نے بُرا بھلا کہا کہ تُو نے انہیں غنیمت سے محروم رکھا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس خیر خواہ صحابی رضؓ کے جذبۂ صادق کی تحسین فرمائی اور ان کے ساتھیوں کو یہ کہہ کر سمجھایا کہ اللہ کریم تمہیں اِن چھوڑے گئے آدمیوں کے بدلہ میں اپنے احسانات سے نوازیں گے [19]

---

[18] ابوداؤد: السنن، ج ۲ کتاب الجہاد باب: مایقول اذا اصبح [19] حوالہ بالا۔

قرآن مجید نے غنیمت کے لئے دو مقامات پر "دنیا" اور "عرض الدنیا" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جو بظاہر ناپسندیدہ ہیں۔ مثلاً غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں جب یہ فیصلہ کیا گیا کہ انہیں فدیہ (جو مال غنیمت ہی کا ایک حصہ تھا) لیکر چھوڑ دیا جائے اور قتل نہ کیا جائے تو تنبیہہ کے لئے یہ آیت کریمہ نازل کی گئی:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (الانفال: ۹)

"نبی کے لئے یہ (زیادہ) مناسب نہ تھا کہ اس کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں خونریزی کرلے تم لوگ تو دنیا کی دولت چاہتے ہو اور اللہ کریم آخرت (کا انعام) دینا چاہتا ہے۔ اللہ کریم غالب ہیں، حکمت والے ہیں"

غزوہ اُحد میں جب جبل رمادہ پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں متعین فوجی دستہ بھی دیگر مسلمانوں کے ساتھ مال غنیمت کے حصول میں مشغول ہو گیا حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نصیحت فرمائی تھی کہ حالات کچھ بھی ہوں وہ اپنی جگہ سے رہیں گے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ کفار شکست کھا کر میدان خالی کر رہے ہیں تو انہوں نے اپنے اجتہاد سے کام لیکر پہاڑ سے اُتر کر مال غنیمت کا حصول درست سمجھا۔ مگر ان کی اس اجتہادی غلطی (جس کا سبب مال غنیمت بنا) نے مسلمانوں کی جیت کو شکست میں بدل دیا۔

قرآن کریم نے نہایت نرم انداز میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار اس آیت کریمہ میں کیا ہے:

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (آل عمران: ۱۶۱)

"تم میں سے کچھ لوگ تو دنیا کے طلب گار ہیں اور کچھ آخرت (کے انعام) کے"

غزوۂ حنین میں بھی ابتداً مسلمانوں کی ہزیمت کا سبب مالِ غنیمت کے حصول میں لگ جانا تھا۔ صحیح بخاری کے یہ الفاظ قابل غور ہیں:

فاقبل المسلمون على الغنائم ثم

"مسلمان تو مالِ غنیمت کے حصول میں لگ گئے

وَاسْتَقْبَلُوْنَا بِالسِّهَامِ [۲۰] اور کافروں نے ہمیں تیروں پر رکھ لیا۔"

اس غزوہ حنین کے اموال غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ ہی تو تھا جس نے انصارِ باوفا کے بعض نوجوانوں سے شکوہ بھرے کلمات کہلوائے۔ ایک روایت کے مطابق انصارِ باوفا نے کہا:

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو انعام دیا اور ہمیں محروم رکھا۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں [۲۱]۔"

دوسری روایت کے مطابق انہوں نے کہا: مشکلات میں ہماری یاد آتی ہے اور غنیمت اوروں کو ملتی ہے [۲۲]۔

دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نومسلموں کی تالیفِ قلب کے لئے انہیں زیادہ سے زیادہ دیا اور عام مجاہدین مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کو بہت کم عنایت فرمایا۔ مگر جب آپ تک انصارِ باوفا کے شکوے پہنچے تو آپ نے ایک چرمی خیمہ نصب کر دیا اور انصارِ باوفا کو بُلا کر ان کے سامنے مختصر خطاب فرمایا جس کی نظیر فنِ خطابت میں نہیں ملتی۔

قال: یا معشر الانصار! ماقالۃ بلغنی عنکم و موجدۃ وجدتموھا فی انفسکم؟ الم آتکم ضلالا فھداکم اللّٰہ بی، وعالۃ فاغناکم اللّٰہ؟ واعداء فألف اللّٰہ بین قلوبکم؟ وقالوا: بلی للّٰہ ولرسولہ المن والفضل، فقال: الا تجیبونی یامعشر الانصار؟ قالوا: وبماذا نجیبك یارسول اللّٰہ؟ للّٰہ ولرسولہ المن والفضل! قال: اما واللّٰہ لو شئتم

---

[۲۰] صحیح بخاری: غزوہ حنین۔

[۲۱] صحیح بخاری: غزوہ طائف۔

[۲۲] حوالہ بالا۔

لقلتم فصدقتم ولصدقتم : أتيتنا مكذبا فصدقناك و مخذولا فنصرناك ، وطريداً فآويناك ، وعائلا فآسيناك - وجدتم انفسكم یا معشر الانصار فی لماعۃ من الدنیا فالفت بها قوما لیسلموا ، و وکلتکم إلی إسلامکم ، افلا ترضون یامعاشر الانصار ان یذھب الناس بالشاء والبعیر وترجعون برسول اللّٰہ إلی رحالکم؟ فوالذی نفس محمد بیدہ لولا الھجرۃ لکنت امرأ من الانصار۔ ولو سلك الناس شعبا و سلك الانصار شعباً لسلکت شعب الانصار۔ اللّٰھم ارحم الانصار فبکی القوم حتی اخضلوا لحاھم و قالوا : رضینا برسول اللّٰہ قسما و حظا - ثم انصرف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وتفرقوا۔"[۲۳]

ترجمہ: "اے جماعت انصار ! مجھے تمہاری طرف سے کچھ خبریں ملی ہیں اور تمہارے قلوب میں جو وسواس گذرے ہیں اُن کی اطلاع ہوئی ہے۔ سچ سچ کہنا، کیا تم گمراہ نہیں تھے ؟ اللہ کریم نے میرے ذریعے تمہیں ھدایت سے نوازا ! کیا تم لوگ مفلس نہیں تھے اللہ کریم نے میرے سبب تمہیں غنی بنادیا۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اللہ کریم نے میری وجہ سے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت ڈال دی۔" آپ یہ فرماتے جاتے اور انصار باوفا ہر سوال پر کہتے جاتے :"کیوں نہیں، اللہ کریم اور اس کے رسول کریم کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔" پھر آپ نے فرمایا :"اے انصار کی جماعت ! تم مجھے جواب نہیں دو گے؟" انصار باوفا نے عرض کیا :"اے اللہ کریم کے رسول کریم ! بھلا ہم کیا جواب دیں، کیونکہ اللہ کریم اور اس کے رسول کریم کا احسان ہم پر بے اندازہ ہے۔" آپ نے فرمایا :"اللہ کریم کی قسم !

---

[۲۳] صحیح بخاری : غزوہ حنین وطائف - طبری : ج ۳ ، ص ۱۳۸ - ۱۳۹ -

اے انصار، اگر تم چاہو تو جواب میں یوں کہہ سکتے ہو، اور تمہارا جواب بالکل سچا ہوگا کہ آپ ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ سب لوگوں نے آپ کو جھٹلا دیا تھا، مگر ہم نے آپ کی تصدیق کی، سب لوگوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا، مگر ہم نے آپ کی اعانت کی۔ آپ کی قوم نے آپ کو گھر سے نکال دیا، ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا۔ آپ ہمارے پاس مفلس بنکر آئے، ہم نے ہر طرح سے آپ کی مُعاونت کی۔ اے انصار! تم نے اس حقیر دنیا کے ایک تھوڑے سے حصہ کو (آج) دیکھا، جسے میں نے لوگوں کو دے دیا تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں اور میں نے تمہیں تمہارے اِسلام (کی دولت) کے سپرد کر دیا۔ اے جماعتِ انصار! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اپنے گھروں کو بھیڑ بکریاں لے کر جائیں اور تم اللہ کریم کے رُسول کو اپنے گھر لے جاؤ؟ اُس کریم کی ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا۔ اگر لوگ (انصار سے اختلاف کر کے) ایک وادی میں چلیں اور انصار دوسری وادی میں چلیں، تو میں انصار کی وادی میں چلوں گا۔ اے اللہ کریم! انصار پر رحم کرنا، انصار کی اولاد، اور اولاد کی اولاد پر رحم کرنا"۔ (بس یہ سُننا تھا کہ انصار باوفا کی چیخیں نکل گئیں۔ حال یہ ہوا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں اور کہہ اُٹھے ہم نے اپنے حصہ اور تقسیم کے بدلے میں اللہ کریم کے رسول کریم پر راضی ہیں"۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور انصار بھی منتشر ہو گئے ☆

☆ احقر کے خیال میں اِس واقعہ وفا کی ایک اور تعبیر بھی ہے۔ محبّت شراکت نہیں قبول کرتی۔ انصار باوفا نے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر (حضرت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ کی زبانی) پیارے سردار صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی وفا کے عوض ایک ہی تو عہد لیا تھا کہ اے اللہ کریم کے رُسول کریم! ایسا تو نہیں ہوگا کہ جب آپ کو قوت واقتدار حاصل ہو جائے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنے وطن واپس چلے جائیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا تھا۔ "نہیں تم میرے اور میں تمہارا"۔ آج جب انصار باوفا نے دیکھا کہ مالِ غنیمت کا اکثر حصہ قریش مکہ مکرمہ کو ملا ہے تو انہیں احساس ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جنہیں آج مال دیا جا رہا ہے، کہیں دل میں بھی وہی بس جائیں۔ کیونکہ اہل مکہ مکرمہ دراصل تو آپ کا خاندان ہی تھے۔ کہیں ایسا نہ ہو اں سے محبت کر کے ہم محبت کے ماروں کو چھوڑ کر مکہ مکرمہ ...

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانوں کے دلوں سے مالِ غنیمت کی محبت نکالنے کے لئے خاصی تگ و دو کرنا پڑی۔ حتیٰ کہ آپ نے یہاں تک فرمادیا کہ جو مجاہد مال غنیمت حاصل کرتا ہے۔ اس کا ثواب دو تہائی کم ہو جاتا ہے۔ آپ کا ارشاد مبارک ہے:

ما من غازیۃ تغزو فی سبیل اللہ	"جو لوگ بھی اللہ کریم کی راہ میں جہاد کرتے ہیں
فیصیبون الغنیمۃ الا تعجلوا ثلثی	اور مال غنیمت حاصل کرتے ہیں وہ اپنے آخرت
اجرھم من الاخرۃ و یبقی لھم	کے ثواب کا ⅔ حصہ یہاں (دُنیا میں) ہی حاصل
الثلث وان لم یصیبوا غنیمۃ	کر لیتے ہیں اور یوں اُن کے لئے صرف ⅓ حصہ
تم لھم اجرھم [۲۴]	ثواب باقی رہ جاتا ہے اور اگر وہ غنیمت نہیں

پا سکتے تو انہیں (آخرت میں) پورا پورا ثواب ملتا ہے۔"

ان مؤثر تعلیمات نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا اثر یہ ہوا کہ غنیمت کی محبت مسلمانوں کے قلوب سے محو ہو گئی اور صرف اللہ کریم کا بول بالا کرنے کے لئے جہاد کرنا ہی ان کا مقصد بن گیا۔ اس خوشگوار تبدیلی کا اندازہ ان واقعات سے لگایا جا سکتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
اظہار کے لئے یہ سارا بہانہ بنایا گیا تاکہ التفات ہماری طرف بھی ہو۔

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدن ورنہ
عاشق کار یست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

اور جب جواب میں حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سُن لیا کہ کیا تم یہ نہیں پسند کرتے کہ لوگ بھیڑ بکریاں لیکر گھروں کو جائیں اور تم اللہ کریم کے رسول کریم کو لیکر گھر جاؤ تو رہ دہ دل کو ایک بار پھر یقین آگیا کہ فکر کی بات نہیں آپ ہمارے ہی ہیں۔ دل میں جو آگ لگی تھی وہ پانی بن کر آنکھوں کے راستے نکل گئی۔ اور انصارؓ با دفا چشم ما روشن دل شاد اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر مدینہ منورہ چلے آئے۔

[۲۴] صحیح مسلم: کتاب الامارۃ، بیان ثواب من غزا فغنم۔

حضرت شدّاد بن ھاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دیہات کا ایک چرواہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت بھی کی۔ اور آپ کے ساتھ مدینہ منورہ مقیم رہا۔ آپ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو ھدایت فرمائی کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہیں یہاں تک کہ غزوہ خیبر کا موقع آیا اور وہ بھی اس میں شریک ہوا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اموالِ غنیمت تقسیم کرنا شروع کئے تو انہیں بھی بلایا کہ وہ اپنا حصہ لے لیں۔ جب اسے مال دیا جانے لگا تو اُس نے تعجب سے پوچھا: اے اللہ کریم کے رسُول کریم! یہ کیا؟ آپ نے فرمایا: "یہ مال غنیمت میں سے تمہارا حصہ ہے"۔ اس نے عرض کیا، میں نے اس کے لئے اسلام قبول کیا نہ اس کے لئے جہاد کیا۔ بلکہ میں نے تو اس لئے آپ کی اتباع کی کہ ایک تیر آئے اور میرے حلق سے پار ہو جائے۔ حتیٰ کہ میں شہید ہو کر جنت میں داخل ہو جاؤں"۔ یہ کہہ کر ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا کہ یوں تیر آئے اور پار ہو جائے۔ رضی اللہ عنہ

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ ان سعادت مندوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں شریک ہونے جا رہے ہیں۔ مگر غربت و تنگدستی کا یہ عالم کہ سواری کے لئے جانور ہے نہ زادِ راہ۔ مدینہ منورہ کی گلیوں میں آواز دیتے پھرتے ہیں: ہے کوئی ایسا شخص جو جہاد کے لئے سواری دے اور جو کچھ مال غنیمت میں آئے وہ اس میں برابر کا شریک بنے؟ ایک انصاری رضی اللہ عنہ نے سواری اور زادِ راہ پیش کر دیا اس مہم میں بہت سے اُونٹ ہاتھ آئے۔ واثلہ رضی اللہ عنہ اپنے حصہ کے اونٹ لے کر ان انصار صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں، یہ ہیں وہ اُونٹ جن میں برابر کے حصہ کا آپ سے وعدہ کر کے گیا تھا۔ باوفا انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ اونٹ تمہیں مُبارک۔ میں تو کسی اور شرکت کے شوق میں تمہارا شریک بنا تھا (یعنی اللہ کریم کی رضا)[۲۵]

۲۵؎ ابوداؤد: ج ۲، کتاب الجہاد

مذکورہ بحث سے مقصود یہ ثابت کرنا نہ سمجھ لیا جائے کہ مالِ غنیمت کا حصول اسلام میں ناجائز ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسلام کے نظام جہاد کا مقصد صرف اشاعت اسلام ہے البتہ اللہ کریم اس مقصد کے ساتھ ساتھ اپنے بندوں کو منکروں (کفّار) کا مال بھی بطور غنیمت عطا کر دے تو بالکل حلال اور طیّب ہے۔ جس سے نہ صرف مجاھدین کی معاشی خوشحالی کا سامان مہیّا ہو سکتا ہے بلکہ اسلامی ریاست کے مالیات کا ایک ذریعہ بھی بن سکتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنھم اور دیگر اسلامی ادوار میں رہا ہے۔
قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم غنائم کا باقاعدہ نظام کیا تھا یہاں ھم قدرے تفصیل کے ساتھ یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ ہر غزوہ میں کس قدر مال غنیمت اسلامی فوج کے ہاتھ آیا۔ یہاں یہ بھی بتاتے چلیں کہ غنیمت بحیثیت ذریعہ مالی نظام اور اس کی تقسیم جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ اس کی حکمت پر بحث "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مالیاتی نظام" کے تحت آئے گی۔ ان شاء اللہ

غنائم کی تفصیل

سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ذریعے اسلام کا پہلا مال غنیمت آیا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس لیا جو کہ اسلام کا پہلا خمس تھا اور باقی مال اہل سریہ میں تقسیم کر دیا گیا[۲۶]
سریہ زید بن حارثہؓ میں بہت سا مال، سونے چاندی کے سکّے، برتن اور چاندی بطور مالِ غنیمت آئے جن کا وزن تیس ہزار (۳۰۰۰۰) درہم تھا۔ بیت المال کا خمس لے کر باقی اصحاب سریہ میں تقسیم کر دیا گیا۔[۲۷] سریہ ابو عُبیدہ بن الجراحؓ بجانب ذی قصہ میں کچھ اونٹ ہاتھ آئے

[۲۶] طبقات ابن سعد: بیان سرایا۔

[۲۷] حوالہ بالا۔

خمس لے کر باقی تقسیم کر دیا گیا[۲۸] سریہ زید بن حارثؓ بجانب بنی سلیم میں اونٹ بکریاں اور قیدی ملے[۲۹] سریہ زید بن حارثہ بجانب الطرف میں بیس اونٹ ملے[۳۰] سریہ زید بن حارثہؓ بجانب حسمیٰ میں ایک ہزار اونٹ، پانچ ہزار بکریاں اور سو بچے اور عورتیں گرفتار ہو کر آئے مگر ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو خود بھی آزاد ہو گئے اور اپنا سامان اور جانور بھی ساتھ لے گئے[۳۱] سریہ علی ابن ابی طالب بجانب سعد بن بکر بمقام فدک میں پانچسو (۵۰۰) اور دو ہزار (۲۰۰۰) بکریاں مالِ غنیمت میں آئیں[۳۲] سریہ بشیر بن سعد انصاریؓ بجانب یمن و جبار میں اونٹ بطور غنیمت ملے[۳۳] سریہ غالب بن عبداللہ اللیثی بجانب المیفعہ میں اونٹ اور بکریاں مالِ غنیمت میں آئے[۳۴] سریہ غالب بن عبداللہ اللیثی بجانب بنی الملوح بمقام الکدید میں بھی مال غنیمت ہاتھ آیا[۳۵] البتہ مقدار اور نوعیت معلوم نہیں۔ سریہ غالب بن عبداللہ اللیثی بجانب فدک کے مال غنیمت میں اونٹ آئے[۳۶] سریہ شجاع بن وھب الاسدی کے مال غنیمت میں اونٹ اور بکریاں آئیں[۳۷] سریہ ابو قتادہ بن ربعی انصاریؓ کے مالِ غنیمت میں دو سو (۲۰۰) اونٹ اور دو ہزار (۲۰۰۰) بکریاں آئیں[۳۸] سریہ قطبہ بن عامر بجانب قبیلہ خثعم، سریہ علی ابن ابی طالب برائے قبیلہ طے کے بت فلس اور سریہ علی ابن ابی طالب بجانب یمن کے مال غنیمت میں اونٹ اور بکریاں آئیں مگر تعداد معلوم نہیں[۳۹] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال غنیمت میں سے بیت المال کا خمس نکال کر باقی شرکاء سرایا میں تقسیم کر دیا کرتے تھے[۴۰]

سرایا کے اموال غنیمت کی تفصیل کے بعد اب غزوات کی طرف آتے ہیں۔ تمام غزوات میں مال غنیمت نہیں ملا۔ ہم یہاں صرف ان غزوات کا ذکر کریں گے جن میں کچھ مال یا جائیداد بطور غنیمت ملی۔

۱ : **بدر کا مال غنیمت** : بدر سے پہلے چار غزوات ابواء، بواط، غزوہ بہ تلاش کرز

---

[۲۸] تا [۴۰] یہ تمام تفاصیل "طبقات ابن سعد" بیان سرایا سے نقل کی گئی ہیں۔

بن جابر الفہری اور غزوہ ذی العشیرۃ پیش آئے مگر کسی میں کوئی غنیمت نہیں ملی۔ بدر پہلا غزوہ ہے جس میں اللہ کریم نے مسلمانوں کو فتح و نصرت کے ساتھ کفّار سے غنیمت بھی دلوائی۔ یہ غنیمت دو حصوں میں منقسم تھی، ایک تو وہ اسلحہ، سازوسامان اور سواری کے جانور جو کفّار میدانِ بدر میں چھوڑ کر مر گئے یا فرار ہو گئے ان کی تفصیل کتبِ سیر میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ صرف اسقدر منقول ہے کہ فتح کے بعد آپ نے تین روز تک بدر میں قیام فرمایا۔ مالِ غنیمت حضرت عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور مقامِ صفراء پر پہنچ کر مجاھدین یا شہداء کے ورثاء میں تقسیم فرمایا۔ اب تک تقسیم غنائم کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ لہٰذا سورۃ انفال کی آیت:

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ الخ نازل ہوئی۔ آپ نے بیت المال کا خمس نکال کر باقی مال مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔ شرکاءِ بدر کے علاوہ آٹھ ایسے خوش قسمت افراد بھی تھے جنہیں مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا گیا۔ وہ تھے:

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور اپنی بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی علالت کی وجہ سے مدینہ منورہ رہ گئے تھے۔ دوسرے طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ تیسرے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ (ان دونوں حضرات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کی خبر لینے بھیجا تھا) چوتھے ابولبابہ رضی اللہ عنہ جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں بغرض انتظام چھوڑ گئے تھے۔ پانچویں عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ جنہیں آپ عالیہ چھوڑ گئے۔ چھٹے حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ جنہیں کسی وجہ سے بنی عمرو بن عوف کی طرف واپس لوٹا دیا گیا تھا۔ ساتویں حارث بن الصمۃ رضی اللہ عنہ اور آٹھویں خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ یہ حضرات اگرچہ شریکِ بدر نہ تھے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا شمار شرکاءِ بدر میں کیا ہے۔[۱۴۱]

۱۴۱ے تفسیر قرطبی: ج ۷، ص ۳۶۷۔ ابن الاثیر: ج ۲، ص ۵۱۔

البدایۃ والنہایہ: ج ۳، ص ۳۰۱۔

بدر کے مال غنیمت کا دوسرا حصہ وہ رقوم فدیہ تھیں جو اسراء بدر سے لی گئیں۔ فدیہ کی مقدار قیدیوں کی مالی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ہزار درہم سے چار ہزار درہم تک مقرر کی گئی۔ جو لوگ نادار تھے انہیں بلا معاوضہ چھوڑ دیا گیا۔ جو لوگ پڑھنا لکھنا جانتے تھے ان کے لئے یہ شرط لگائی گئی کہ وہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں اور آزاد ہو جائیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے اسی طرح لکھنا پڑھنا سیکھا[۴۲]

قیدیوں میں سے جو سرمایہ دار تھے ان سے زیادہ لیا گیا غریبوں سے کم لیا گیا اور بعض کو بغیر لئے چھوڑ دیا گیا۔ پیغمبر اسلام علیہ السلام کے دل میں فقراء اور بے کسوں کے لئے جو درد تھا اس کا مظاہرہ یہاں فقیر دشمنوں سے بھی کیا۔ آپکے چچا حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) بھی قیدی بن کر آئے تھے۔ انصارؓ باوفا نے بارگاہِ رسالت میں آکر عرض بھی کیا کہ عباس ہمارے بھانجے ہیں ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن مساوات نبوی نے اپنے چچا کے لئے بھی یہ رعایت برداشت نہ کی بلکہ حضرت عباس کی امارت کو ملحوظ رکھتے ہوئے عام قیدیوں کی تعداد فدیہ (۴۰۰۰ درہم) سے زیادہ اُن سے وصول کیا[۴۳]

ایک روایت کے مطابق اُن سے سو اوقیہ چاندی لی گئی۔ جو بدر کے قیدیوں میں سب سے زیادہ مقدار فدیہ تھی[۴۴] بدر کے قیدیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد (حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند) ابو العاص (رضی اللہ عنہ) بھی آئے تھے۔ ان سے زر فدیہ کا مطالبہ کیا گیا تو وہ خالی دست نکلے ان کی زوجہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مکہ مکرمہ کہلا بھیجا گیا کہ وہ اپنے خاوند کے

---

[۴۲] ابن سعد: طبقات، ج ۲، ص ۱۴۔ ابن ہشام: سیرۃ: بیان غزوۂ بدر۔
زرقانی، ج ۱، ص ۴۴۲۔ بخاری: کتاب المغازی۔

[۴۳] فتح الباری: ج ۷، ص ۲۴۸۔

[۴۴] حوالہ بالا۔

فدیہ کی رقم روانہ کر دیں۔ انہوں نے فدیہ کی رقم میں گلے کا وہ ہار بھی بھجوا دیا جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہ نے شادی کے موقع پر انہیں جہیز میں دیا تھا۔ جب یہ فدیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو تاریخ وفا کا پچیس سال پُرانا ورق سامنے کُھل گیا جس کی ایک ایک سطر بلکہ ایک ایک لفظ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بے مثالِ وفا و ایثار رقم تھی یہ وار ایسا نہ تھا جو محبت بھرے دل پر اثر نہ کرتا۔ آنکھوں نے دل کا ساتھ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے اختیار رو پڑے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا: تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی نشانی واپس کر دو۔ سب نے تسلیم و رضا کی گردنیں ڈال دیں۔ اور ہار واپس کر دیا گیا۔ البتہ ابو العاص کو یہ کہہ دیا گیا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ بھیج دیں[۴۵]

یہ فدیہ کی رقم تمام مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئی یا آئندہ اسلامی فوج کے ساز و سامان یا فقراء کی کفالت پر خرچ کی گئی۔ (واللہ اعلم)

غزوہ بنو قینقاع کی غنیمت[*]:

بنو قینقاع سُنار تھے لہٰذا سرمایہ دار بھی تھے ان کے مالِ غنیمت میں مال و زر اور ہتھیار

---

۴۵ ابو داؤد۔ بیانِ غزوہ بدر۔ طبری، ص ۱۲۴۸۔

* بنو قینقاع یہود کے تین نمایاں قبائل (بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع) میں سے ایک تھے بنو نضیر اور بنو قریظہ زمیندار اور تجارت پیشہ تھے۔ بنو قینقاع زرگر تھے۔ ان کے پاس زر و مال کے علاوہ اسلحہ کے بھی ڈھیر رہتے تھے۔ بڑے شجاع اور بہادر تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے اور اسلامی ریاست کی طرح ڈالی تو آپ نے یہود مدینہ منورہ کیساتھ میثاق مدینہ کے ذریعے معاہدہ امن و آشتی کر رکھا تھا مگر اسلام کے ازلی دشمن یہود ہر آن اسلام اور نبی علیہ السلام کے خلاف رہتے تھے۔ غزوہ بدر میں اللہ کریم نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا تو یہود کے سینہ پر سانپ

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

دونوں آئے۔ ان کے قلعہ سے سُناری کے اوزار بھی ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کے اموالِ غنیمت پر قبضہ کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے خمس لیا اور باقی غنائم مجاھدین میں تقسیم کر دیا۔ اس ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کمانیں الکتوم (جو غزوۂ احد میں ٹوٹ گئی) الروحاء اور البیضاء، دو زرہیں الصفدیہ اور فضتہ اور تین تلواریں سیف قلعی، بتار اور ایک اور، اور تین نیزے اپنے لئے مخصوص کئے[۴۶]

غزوہ سویق کی غنیمت*

غزوہ سویق کا مال غنیمت صرف وہ ستو کے تھیلے تھے جنہیں ابوسفیان اور ان کے لشکری خوف و ہراس میں بھاگتے وقت اپنا وزن کم کرنے کے لیئے چھوڑ گئے تھے۔ چونکہ کوئی باقاعدہ قتال نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا یہ ستو کے چند تھیلے بھی مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت بن گئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

لوٹ گیا۔ انہیں اندازہ ہو گیا کہ اسلام ایک زندہ اور طاقتور دین کے طور پر اُبھرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کے خلاف کھلم کھلا ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ بنو قینقاع چونکہ یہود کا زیادہ طاقتور اور جری قبیلہ تھا لہٰذا اس نے سب سے پہلے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لڑائی کی۔ یہ قلعہ بند ہو کر پندرہ روز تک محصور رہے بالآخر یہ طے پایا کہ جو فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے وہ انہیں منظور ہو گا۔ عبداللہ بن اُبی کی درخواست پر آپ نے ان کی جلاوطنی کی درخواست قبول کر لی۔ یہ شام کے علاقہ اذرعات کی طرف جلاوطن ہو گئے۔ یہ سات سو افراد تھے جن میں تین سو زرہ پوش تھے۔

[۴۶] ابن سعد: طبقات، ذکر غزوۃ بنی قینقاع۔

* غزوہ سویق: یہ غزوہ ذی الحجہ ۲ھ کو پیش آیا۔ ابوسفیان نے غزوۂ بدر میں شکست کے بعد قسم کھائی

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

غزوہ قرقرۃ الکدر کی غنیمت:**

اس غزوہ میں مسلمانوں کو ۵۰۰ اونٹ مال غنیمت میں ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس لے کر باقی ۴۰۰ اونٹ اپنے دو سو ساتھیوں میں برابر تقسیم کر دیئے۔ اونٹوں کے چرواہے بھی ساتھ غنیمت میں آئے تھے۔ یسار نامی چرواہا آپ نے اپنے لئے مخصوص کر لیا۔ اُسے نماز پڑھتے دیکھا تو آزاد کر دیا۔[۲۷]

غزوۂ بنی نضیر کے غنائم:***

غزوہ بنی نضیر کا اختتام اس مُعاہدہ پر ہوا کہ بنو نضیر دس روز کے اندر اندر اپنا جس قدر سامان چاہیں لے جائیں۔ مؤرخین کے مطابق وہ حریص اور طامع قبیلہ اپنے دروازوں کے چوکھٹ تک اکھاڑ کر لے گئے۔ باقی پچاس زریں، پچاس خود اور تین صد چالیس تلواریں اسلحہ میں سے چھوڑ گئے۔ علاوہ ازیں ان کے کھجوروں کے نخلستان بھی تھے۔ یہ تمام نبی کریم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

تھی کہ جب تک مقتولین بدر کا بدلہ نہ لے لے گا وہ نہ غسل جنابت کریگا نہ سر میں تیل ڈالے گا۔ اس نے اپنی قسم پوری کرنے کے لئے ۲۰۰ سواروں کیساتھ مدینہ منورہ کی طرف بڑھا اور یہود کی مدد سے مدینہ منورہ کے تین میل کے فاصلے پر واقع مسلمانوں کی چراگاہ عُریض پر حملہ کیا، ایک انصاری چرواہے حضرت سعد بن عمروؓ کو شہید کر دیا اور چند جھونپڑیوں اور گھاس کے انبار جلا کر راکھ کر دیئے اور بھاگ کھڑا ہوا۔ خوف و ہراس میں اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستو کے بورے پھینکتا گیا۔ ستو کو عربی میں سویق کہتے ہیں اس لئے غزوہ کا نام غزوہ سویق پڑ گیا۔" [۲۷] ابن سعد، طبقات، ذکر غزوہ قرقرۃ الکدر

** یہ غزوہ شوال ۲ھ کو ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر سے واپس تشریف لائے تو خبر ملی کہ سلیم

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص تھا۔ آپ نے انصارؓ باوفا کی مرضی سے یہ نخلستان مہاجرین میں تقسیم کر دیئے۔ جس کا مقصد صرف انصار باوفا پر سے مہاجرینؓ کا بار کفالت بٹانا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار باوفا کو بلا کر فرمایا:

"اگر تم چاہو تو میں مالِ بنی نضیر تمہارے اور مہاجرین کے درمیان برابر تقسیم کر دوں۔ اور مہاجرین حسبِ سابق تمہارے گھروں میں رہیں۔ یا یہ اموال مہاجرین کو دے دوں اور وہ تمہارے گھر خالی کر دیں"۔

انصار باوفا نے جواب دیا: "اے اللہ کریم کے رسُول کریم! آپ بنو نضیر کے اموال ہمارے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اور غطفان کے لوگ اکٹھے ہو کر لڑائی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۰۰ اصحابؓ کو لیکر روانہ ہوئے اور چشمۂ کدر تک پہنچ گئے۔ دشمن آپ کے رعب و دبدبے سے پہلے ہی تتر بتر ہو گئے۔ آپ نے ایک سریہ ان کے تعاقب میں بھیجا۔ جو پانچسو اونٹ بطور غنیمت لیکر واپس آیا۔

*** غزوہ بنی نضیر: یہود بنی نضیر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئے گئے تمام مواعید امن و سلامتی کو بالائے طاق رکھ کر بد عہدی پر اتر آئے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے قبیلہ عامر کے جن دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا ان کے خون بہا کی ادائیگی اور شرائط کا طریقہ کار طے کرنے بنو نضیر کے پاس گئے۔ کیونکہ معاہدہ کی رُو سے بنو نضیر کو بھی ایسی دیت کی ادائیگی میں شریک ہونا تھا مگر انہوں نے سازش سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکان سے ایک بھاری پتھر گرانے کا منصوبہ بنایا مگر اللہ کریم نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دی۔ اسی طرح کے ایک دو واقعات اور بھی ہوئے جب ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انپر لشکر کشی کا حکم دیا۔ یہ لوگ مضبوط قلعوں والے اور سرمایہ دار تھے قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے آپ نے ۱۵ دن تک ان کا محاصرہ کیا اور ان کے نخلستان کا وہ حصہ کٹوا دیا جسے وہ کمین گاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے تاکہ محاصرہ میں کوئی چیز حائل نہ ہو آخر صلح اس قبیلہ کی جلاوطنی پر ہوئی اور یہ شرط انکے شریعت موسوی کے مطابق تھی عمدۃ القاری ج ۸ صـ ۱۹۱ طبری صـ ۱۴۹۲

مہاجرین بھائیوں کو دیں۔ ہمارے ذاتی اموال میں سے جس قدر چاہیں انہیں دے دیں۔ اور جب تک چاہیں وہ رہیں بھی ہمارے گھروں میں ★ "
یہ سُن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور آپ نے دُعا فرمائی : اے اللہ کریم ! انصار پر رحم فرما۔ انصار کی اولاد پر بھی رحم فرما۔[۴۸]
آپ نے یہ اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیئے۔ انصار باوفا میں سے دو کو یعنی حضرت ابودجانہ اور حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہم کو ان کے افلاس کی وجہ سے عنایت فرمایا۔[۴۹]
ایک اہم واقعہ یہ بھی ہوا کہ اس غزوہ میں بنو نضیر کے دو شخصوں یامین بن عمیر رضی اللہ عنہ اور ابوسعید بن وھب رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ ان کے مال و اسباب میں سے کچھ نہ لیا گیا۔[۵۰] اگر اسلام کے باطنی دشمنوں کے مطابق آپ کے غزوات اور سرایا کا مقصد لوٹ مار کرنا تھا تو ان دو کا مال بھی نہ بچتا۔

★ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرطِ وجد میں آ کر اس موقع پر انصار باوفا کی تعریف میں کہا :
جزاکم اللہ خیراً یا معشر الانصار ! فواللہ ما مثلنا ومثلکم الا کما قال الشاعر الغنوی :

جزی اللہ عنا جعفراً حین ازلقت ... بنا نعلنا فی الواطئین فزلت
ابوا ان یملونا ولو ان امنا ... تلاقی الذی یلقون منا لملت

ترجمہ : اے انصار باوفا کی جماعت ! اللہ کریم ہی تمہیں جزائے خیر سے نوازے۔ اللہ کریم کی قسم ! ہماری اور تمہاری مثال تو ایسی ہے جیسے غنوی شاعر نے کہا : (۱) اللہ کریم جعفر کو جزا دے۔ جب روندنے والوں میں ہمارا پاؤں پھسلا اور اس نے لغزش کھائی (تو ہم گرے اور مصیبت میں گرفتار ہو گئے) تو وہ (کریم النفس لوگ) ہماری دست گیری سے اکتائے نہیں بالفرض اگر ہماری ہی صورت ہماری ماں کو پیش آتی تو شاید وہ بھی اکتا جاتی۔

۴۸؎ فتح الباری، ج ۷، ص ۲۵۴ - زرقانی : ص ۸۰ - ۸۶

۴۹؎ ابن کثیر : البدایۃ والنھایۃ ، ج ۸ ، ص ۷۴ - ۸۰ ، زرقانی : ص ۸۰ - ۸۶ ۵۰؎ حوالہ بالا۔

غزوہ مریسیع★ کا مالِ غنیمت

اِس غزوہ میں دو ہزار (۲۰۰۰) اونٹ اور پانچ ہزار (۵۰۰۰) بکریاں مالِ غنیمت میں آئے۔ علاوہ ازیں چھ سو (۶۰۰) مرد عورت اور بچے قیدی بنا لئے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس لے کر باقی اموال اور قیدی شرکاءِ غزوہ میں تقسیم کر دیئے۔ تقسیم میں ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر کیا گیا۔ گھر کا سامان اس کے ہاتھ فروخت کیا گیا جو زیادہ قیمت دیتا تھا۔ اِس بار سوار مجاہد کو تین حصے (۲ حصے گھوڑے کے اور ایک سوار کا) اور پیادہ کا ایک حصہ نکالا۔ قیدی بھی مجاہدین میں تقسیم کر دیئے گئے[۱]

قیدیوں میں سردار بنی المصطلق کی صاحبزادی حضرت جویریہ (رضی اللہ عنہا) بھی گرفتار ہو کر آئیں۔ قیدی تقسیم ہوئے تو ان کا مقدر انہیں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ جنہوں نے انہیں اس صورت میں رہائی دینے کا وعدہ کر لیا کہ یہ اُنہیں ایک مخصوص رقم ادا کریں۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

اے اللہ کریم کے رسول کریم! آپ جانتے ہیں میں سردار بنی مصطلق کی بیٹی ہوں۔ میں

★ غزوہ مریسیع یا بنی المصطلق ۲ شعبان ۵ھ کو بنی مصطلق کے ساتھ مریسیع کے چشمہ پر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی کہ سردار بنی مصطلق حارث بن ابی ضرار ایک بڑی فوج تیار کر کے مدینہ منورہ پر حملے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آپ نے حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو خبر کی تصدیق کے لئے روانہ فرمایا جنہوں نے واپس آکر خبر کی تصدیق کی۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ پر اپنا قائمقام مقرر کیا اور صحابہ کرام کی ایک جماعت لیکر چل پڑے۔ حملہ اس تیز رفتاری اور رازداری میں کیا گیا کہ بنو المصطلق کو کان وکان خبر نہ ہوئی۔ اور آپ نے اچانک انہیں جالیا، انکے مال واسباب پر قبضہ کر لیا اور افراد کو قیدی بنا لیا۔

[۱] ابن سعد، طبقات، بیان غزوہ مریسیع یا بنی المصطلق

کنیز نہیں رہ سکتی ۔ آپ نے ان کی رقم مکاتبہ ادا کر کے انہیں آزاد کر دیا ۔ پھر انہوں نے اپنی رضا و رغبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کی نعمت کبریٰ حاصل کر لی[۵۲] شرکاء غزوہ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کو اس مبارک نکاح کی خبر ہوئی تو انہوں نے تمام قیدی چھوڑ دیئے کہ اس قوم کے لوگ بھلا کیونکر قیدی بنائے جا سکتے ہیں جس قوم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کر لیں[۵۳]

اُم المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد محترم (حضرت) حارث بن ابی ضرار (رضی اللہ عنہ) بہت سے اونٹ لیکر مدینہ منوّرہ آئے اور دو نہایت عمدہ اونٹ پیچھے ایک وادی میں چھپا آئے (غالباً اپنی اور بیٹی کی سواری کے لئے) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا :

"میں بنی المصطلق کا سردار ہوں ۔ میری بیٹی کنیز بن کر نہیں رہ سکتی ۔ آپ فدیہ میں یہ اونٹ لے لیں اور اسے آزاد کر دیں ۔"

آپ نے فرمایا جویریہ سے دریافت کر لیں ، جو وہ چاہیں وہی ہو جائے گا ۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے کہا : میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے جہان پر ترجیح دیتی ہوں[۵۴]

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) حارث بن ابی ضرار (رضی اللہ عنہ) سے دریافت فرمایا : وہ دو اونٹ کیا ہوئے جو آپ نے وادی میں چھپا کر کھڑے کئے ہیں ؟

حضرت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ نے کہا ، "اشہد انک رسول اللہ" میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کریم کے رسول کریم ہیں ۔ کیونکہ اس معاملہ کی خبر آپ کو صرف اللہ کریم وحی کی صورت میں ہی دے سکتے ہیں ۔ اس کی خبر میرے سوا کسی اور کو نہیں تھی[۵۵]

---

۵۲ ابوداؤد ، کتاب العتاق ۔ ۵۳ حوالہ بالا ۔

۵۴ ابن حجر عسقلانیؒ ، الاصابہ فی تعریف الصحابہ ، ترجمہ جویریہ ، ج ۴ ، ص ۲۶۵ ۔

۵۵ اصابہ ، ترجمہ حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ ۔

غزوہ بنی قریظہ★ کے اموالِ غنیمت :

غزوۂ بنی قریظہ کے مالِ غنیمت میں اسلحہ، اسباب اور کپڑے وغیرہ تھے۔ کُل پندرہ سو (۱۵۰۰) تلواریں۔ (۳۰۰) زرہیں (۲۰۰۰) نیزے (۱۵۰۰) ڈھالیں چرمی۔ بہت سے سواری اور پانی کھینچنے کے اونٹ ملے۔ شراب اور شراب کے مٹکے جنہیں توڑ دیا گیا۔ مالِ غنیمت کے کُل تین ہزار بہتّر (۳۰۷۲) حصص بنائے گئے۔ سوار کو تین۳ حصے اور پیادہ کا ایک حصہ مقرر ہوا۔[۵۶]

★ غزوہ بنی قریظہ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "میثاقِ مدینہ" کے تحت مختلف قبائلِ یہود کیساتھ جو معاہدۂ امن و دوستی کیا تھا وہ اس مختصر مدت تک اس پر قائم رہے۔ پھر قریش مکہ کے بھڑکانے پر آمادۂ مخالفت ہو گئے۔ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تجدیدِ مُعاہدہ کی ضرورت پیش آئی۔ بنو قریظہ نے تجدید کی مگر غزوۂ احزاب میں حیُی بن اخطب (سردار بنو نضیر جس نے خیبر جلاوطن ہو کر ریاست حاصل کرلی تھی) کے کہنے پر انہوں نے بغاوت کی اور کھلّم کُھلا قریش مکہ اور دیگر قبائل کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑے مگر اللہ کریم نے ان سب کو شکست دی اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو فتح سے نوازا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے آخری فیصلہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اور ان کے محلّہ کا محاصرہ کیا۔ انہوں نے امن و صلح کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیں جو کہ ناقابلِ عفو جُرم تھا۔ ان کا محاصرہ پورا ایک ماہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ ان کی اپنی فرمائش پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ حکم ٹھہرے جنہوں نے تورات، کتاب تثنیہ اصحاح ۲۰ آیت ۱۰ کی رو سے فیصلہ دیا کہ ان کے مرد قتل کر دیئے جائیں اور عورتیں اور بچے قید ہوں اور مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے۔ توراۃ کے اس فیصلہ کا اصل متن یوں ہے :

"جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے۔ اگر وہ صُلح تسلیم کرلیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے۔ لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو اُن کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو اُن پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے۔ باقی بچے

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

غزوۂ خیبر★ کے غنائم

غزوۂ خیبر کے غنائم کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱: ابن الحقیق رئیس یہود کا وہ خزانہ جسے اُس نے اونٹ کی کھال میں چھپا کر کہیں ویرانہ میں دبا رکھا تھا جسے تلاش کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فروخت کیا اور اس کی قیمت نقد غنائم میں تبدیل کی گئی۔ یہود کا دیگر زر و مال اور قیدی مرد و زن وغیرہ۔

۲: یہود خیبر کی زمینات، باغات اور کھیت وغیرہ۔

اسلامی فوج میں کل چودہ سو (۱۴۰۰) اصحاب کرامؓ تھے جن میں دو سو (۲۰۰) سوار تھے۔ چونکہ سوار کے دو حصے زیادہ تھے لہٰذا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کل اٹھارہ سو (۱۸۰۰) حصے بنائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زرِ نقد، اموال اور زمینات تمام کے حصص کر کے فوج [illegible] تقسیم کر دیئے اور اپنا خمس وصول کر لیا۔

بلاذریؒ کی روایت کے مطابق خیبر کی زمین دو برابر حصوں میں تقسیم کی گئی۔ نصف بیت المال مہمانی اور سفارت کاری کے اخراجات کے لئے مختص کر دی گئی۔ دوسرا نصف حصہ مجاہدین میں مساوی تقسیم کر دیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک مجاہد کے برابر حصہ ملا۔[۵۷]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

[illegible]یں، جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مالِ غنیمت ہوں گی۔"

(تورات کتاب تثنیہ، اصحاح ۲۰۔آیت ۱۰)

۵۶ ابن سعد: طبقات، جزء المغازی، ذکر غزوہ بنی قریظہ

★ غزوۂ خیبر: یہ غزوہ آخر ۶ھ میں یا اوائل ۷ھ میں یہود خیبر کے خلاف لڑا گیا۔ یہود خیبر مسلمانوں اور مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے قوی ترین اور خطرناک ترین دشمن تھے۔ یہود خیبر مدینہ منورہ سے

اِن زمینوں کے حصول کے بعد مہاجرین جواَب تک انصارؓ باوفا کی زمینیں اپنے گذر اوقات کے لیئے لیں وہ انہوں نے اپنے انصار بھائیوں کو واپس کر دیں ۔ یہود کی درخواست پر یہ زمین پرانے مالکین کے قبضہ میں رہنے دی گئیں ۔ اب وہ مزارعین بن گئے ۔ وہ نصف حصہ پیداوار کی شرط پر زمینیں کاشت کرتے تھے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فصل کی برداشت کے وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیتے وہ پیداوار کو دو حصّوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہتے کہ جو حصّہ وہ چاہیں اپنے لئے چُن لیں ۔ یہود اس عدل پر حیران ہو کر کہتے : زمین اور آسمان ایسے ہی عدل

• (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

جلاوطن ہو کر خیبر آ کر آباد ہوئے ۔ یہاں رہ کر انہوں نے مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے خاتمے کی تمام کوششیں کیں اور تمام عرب میں بغاوت کی ایک لہر دوڑا دی جس کا مظہر غزوۂ احزاب کی صورت میں سامنے آیا ۔ یہود کا منافقین مدینہ منورہ مشرکین مکہ مکرمہ اور دیگر کافر قبائل غطفان وغیرہ سے بھی رابطہ تھا ۔ اور ان کے رئیس کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق (جو اپنے چچا سلام ابن ابی الحقیق کے بعد رئیس بنا) نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں ۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اس کے تمام پیشرؤں نے غلطی کی ۔ ان کی حکمتِ عملی درست نہیں تھی ۔ بہتر یہ ہے کہ بڑھ کر مدینہ منورہ پر حملہ کر کے اسے ملیا میٹ کر دیا جائے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے حضرت سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ پر افسر مقرر کیا اور (۱۴۰۰) کی فوج جس میں (۲۰۰) سوار تھے لیکر خیبر کی طرف بڑھے ۔ ازواج میں سے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں راستہ میں غطفان کو بھی ڈرایا ۔ اور اس حکمتِ عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ یہود کی کمک و مدد کو نہ پہنچے ۔ یہود اپنے چھ مشہور قلعوں میں بند ہو کر بہادری سے لڑے ۔ مگر آخر کار تمام قلعے فتح ہو گئے ۔ آخر میں قموص قلعہ ۲۰ روز کے محاصرہ کے بعد فتح ہوا ۔ اور یوں اللہ کریم نے یہود کی جڑ کاٹ دی ۔

۵۷ ابن سعدؒ : طبقات ، باب غزوات ۔ ذکر غزوہ خیبر ۔ ابوداؤد : حکم ارض خیبر

پر قائم ہیں۔[۵۸]

فقہاء نے زمینِ خیبر کے اس معاملہ کو مخابرہ کا نام دیا ہے۔ اس غزوہ میں چند عورتیں بھی شریک ہوئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو غصہ کے لہجہ میں فرمایا، تم کس کے ساتھ آئیں اور کس کے حکم سے آئیں؟ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کریم کے رسُول کریم ! ہم اس لئے آئیں کہ چرخہ کات کر کچھ پیدا کریں اور اس کام میں کچھ مدد دیں۔ ہمارے پاس زخمیوں کے لئے کچھ ادویات بھی ہیں اور ہم مجاھدین کو تیر اٹھا کر دیں گی۔ جب مال غنیمت تقسیم ہوا تو ان کا بھی حصہ نکالا گیا۔[۵۹]

یہاں ایک اور اہم معاشی موضوع کی طرف اشارہ کرتے چلیں۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی تمام اراضی فوج میں تقسیم نہیں کی بلکہ نصف تقسیم کی اور نصف مصالح عامہ کے لئے بیت المال کے قبضہ میں رہنے دی۔ مؤرخین نے اس کی مزید وضاحت کردی ہے کہ آپ نے الشق۔ النطاۃ اور اس کی ملحقہ زمینوں کو مجاھدین میں تقسیم کیا اور السلام، الکتیبہ، الوطیح اور اس کی ملحقہ زمینوں کو مسلمانوں کے مصالح عامہ کے لئے بیت المال کی اراضی بنادیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کا سربراہ اگر مصالح عامہ کے لئے مناسب سمجھے تو مناسب اراضی غانمین میں تقسیم کردے اور چاہے تو اُسے بیت المال کی اراضی قرار دے کر ان کے پرانے مالکین کے قبضہ میں بطور مزارعین رہنے دے اور ان پر خراج مقرر کردے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ صاحبین (امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ) اور سفیان ثوریؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔[۶۰]

---

[۵۸] ابوداؤد: باب المساقات۔

[۵۹] ابوداؤد، باب فی المرأۃ والعبد یحذیان من الغنیمۃ۔

[۶۰] امام طحاویؒ، شرح معانی الآثار۔ باب ما یفعل الامام بالارض المفتوحہ۔ شیخ الاسلام، تیسیر القاری، ج ۲، ص ۱۵۸۔

غزوۂ حُنین★ کے غنائم

غزوۂ حُنین کے اموال غنائم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں اسلام کے سب سے بڑے اموال تھے۔ جو اللہ کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کو ان کی معاشی بحالی کے لیئے عنایت فرمایا۔ یہ اللہ کریم کا کرم ہے کہ وہ اپنے بندوں پر جس طرح چاہیں کریں۔ مالِ غنیمت کیا تھا دولت کا ایک دریا تھا جو اس اُمّت پر امنڈ آیا تھا۔ اور حضرت قاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ جسے جتنا چاہیں عنایت فرمائیں۔ خالی کوئی نہیں گیا تھا۔ البتہ مصلحت وقت کے تقاضا کے پیشِ نظر جنابِ

★ غزوۂ حُنین: حنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے جہاں یہ غزوہ لڑا گیا۔ یہ مقام عرب کی مشہور تجارتی منڈی ذوالمجاز کے قریب ہے اور عرفہ سے تین میل دُور ہے۔ فتح مکہ کے بعد بہت سے قبائل جو اس انتظار میں تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت جب ہی تسلیم کریں گے جب وہ مکہ فتح کر لیں گے۔ چنانچہ آس پاس کے تمام قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے مگر ہوازن اور ثقیف پر اس کا اُلٹا اثر ہوا۔ دونوں فنِ حرب کے امام سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے اس خوف سے کہ مکہ مکرمہ کے بعد ان کی باری ہے لہٰذا اپنے اقتدار کو خطرہ میں دیکھ کر انہوں نے ارادہ کیا کہ اچھا ہوا اگر پہل کر کے مسلمانوں پر جو مکہ مکرمہ میں جمع ہیں حملہ کر دیا جائے اور اس نیت سے روانہ ہوئے۔ فوج کی سرداری کے لیئے قبیلہ ہوازن کے رئیس اعظم مالک بن عوف کو مقرر کیا۔ اور مشاورت کے لیئے عرب کے مشہور شاعر اور قبیلہ جشم کے سردار دُرید بن الصّمة کو چُنا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) کی فوج لیکر روانہ ہوئے۔ فوج میں بہت بڑی تعداد نو مسلم اور نا مسلم نوجوانوں کی بھی تھی۔ حنین کے مقام پر دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں۔ پہلے مسلمان غالب ہوئے۔ پھر غنیمت کے حصول میں لگ گئے تو کفار نے کمین گاہوں سے نکل کر اس زور کا حملہ کیا کہ پاؤں اُکھڑ گئے۔ جس کی بڑی وجہ نئے مسلمان نوجوان تھے بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار باوفا کو آواز دی۔ وہ دیوانہ وار پلٹے اور آن کی آن

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کو بہت زیادہ اور بعض کو کم دیا۔

اِس مالِ غنیمت میں چھ ہزار (۶۰۰۰) جنگی قیدی، چوبیس ہزار (۲۴۰۰۰) اونٹ، چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) سے زائد بکریاں اور (چار ہزار (۴۰۰۰) اوقیہ چاندی تھی۔[۱]

اسیرانِ جنگ کے بارے میں انتظار کیا گیا کہ ان کے اعزاء و اقارب آئیں گے مگر کئی دن گذر جانے کے باوجود بھی کوئی نہ آیا۔ تو آپ نے مالِ غنیمت کے پانچ حصے کئے۔ خمس آپ نے مصالح عامہ کے لئے رکھ لیا اور باقی چار حصے فوج میں تقسیم کر دیئے۔

مالِ غنیمت میں سے زیادہ سے زیادہ ایسے افراد کو دیا گیا جو اسلام میں ابھی ابھی داخل ہوئے تھے۔ اور مذبذب الاعتقاد تھے جنہیں قرآن مجید نے مؤلفۃ القلوب کہا ہے۔ ایسے افراد کے نام اور ان کا حصہ یوں تھا:

ابوسفیان معہ اولاد	:	۳۰۰ اونٹ اور ۱۲۰ اوقیہ چاندی
حکیم بن حزام	:	۲۰۰ اونٹ
نضیر بن حارث بن کلاہ ثقفی	،	۱۰۰ اونٹ
صفوان بن اُمیّہ	:	۱۰۰ اونٹ
قیس بن عدی	:	۱۰۰ اونٹ
سہیل بن عمرو	،	۱۰۰ اونٹ
حویطب بن عبدالعزیٰ	:	۱۰۰ اونٹ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ)

میں جنگ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ ہوازن اور ثقیف کشتوں، عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور اللہ کریم نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو فتح اور غنیمت سے نواز دیا۔ یہ شوال ۸ھ تھا۔

[۱] طبقات ابن سعد: جزوِ مغازی: بیان غزوہ حنین۔

ان کے علاوہ تین غیر مسلم غیر ملکی رؤسا کو غنیمت میں سے حصہ دیا گیا۔

اقرع بن حابس تمیمی : ۱۰۰ اونٹ

عیینہ بن حصن فزاری : ۱۰۰ اونٹ

مالک بن عوف نصری : ۱۰۰ اونٹ

ان کے علاوہ بہت سے لوگوں کو پچاس پچاس اونٹ ملے۔ البتہ عام فوجیوں کو فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریاں ملیں۔ لیکن چونکہ سواروں کو تین گنا حصہ ملتا تھا لہٰذا ہر سوار کو بارہ اُونٹ اور ایک سو بیس بکریاں ملیں[۶۲]

اس تقسیم پر انصارِ باوفا کو شکوہ بھی ہوا جس کا خاتمہ ان کے حبیب کریمؐ نے دل کی دولت پیش کرنے اور انصار باوفا کی طرف سے اس عظیم ترین دولت کیلئے تشکر و امتنان کے آنسوؤں پر ہوا۔ یہ دلدوز واقعات اس عنوان کے ذیل میں پہلے گذر چکے ہیں۔ وہاں دیکھیں غنیمت میں آئے ہوئے اسیرانِ جنگ ابھی جعرانہ* میں محفوظ تھے۔ ہوازن کے چودہ (۱۴) آدمیوں پر مشتمل ایک معزز سفارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ یہ قبیلہ وہ تھا جس سے آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تعلق رکھتی تھیں۔ رئیس قبیلہ زہیر بن صرد نے اسی دکھتی ہوئی رگ کو چھیڑا اور کھڑے ہو کر تقریر کرتے ہوئے کہا: یہ جو عورتیں چھپروں میں محبوس ہیں۔ ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں اور خالائیں ہیں۔ اللہ کریم کی قسم! اگر سلاطین عرب میں بھی کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ہم اس سے بھی توقع کرتے اور آپ کی ذات سے تو بہت زیادہ اُمیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔"

---

۶۲ حوالہ بالا: زرقانی علی المواھب، ج ۳، ص ۴۲

* جعرانہ: مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جہاں سے معتمرین (زائرین بیت اللہ) اور حجاج احرام بھی باندھتے ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

"خاندان عبدالمطلب کا حصہ تو تمہارا ہو گیا البتہ عام رہائی کی تدبیر بھی تمہیں بتائے دیتا ہوں نماز کے بعد جب سب لوگ اکٹھے ہوں تو یہی سوال دہرانا۔"

نماز ظہر کے بعد رئیس قبیلہ نے اپنا سوال دہرایا۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

"مجھے اپنے خاندان کا اختیار ہے البتہ باقی تمام مسلمانوں سے تمہاری سفارش کرتا ہوں۔"

مہاجرین اور انصارؓ باوفا بول اٹھے:

"اے اللہ کریم کے رسول کریم! ہمارا حصہ بھی آپ ہی کا حصہ ہے۔"

یوں چھپروں کے دروازے کھل گئے اور قیدی باہر آ گئے۔[۱۳]

---

[۱۳] طبری: تاریخ، ج ۳، ص ۱۶۷۹، بیان غزوہ حنین۔

باب ۷

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا مالیاتی نظام

بیت المال یا سرکاری خزانہ

کسی بھی حکومت یا نظام حکومت کے مالیاتی نظام یا مالیاتی پالیسی کا جائزہ لینے کے لئے آغاز بیت المال یا سرکاری خزانہ Public Exchequer سے کرنا پڑتا ہے۔ بیت المال یا سرکاری خزانہ دراصل اس عمارت یا چار دیواری ہی کا نام نہیں۔ جہاں سرکاری رقوم Funds اکٹھے کئے جاتے ہیں۔ بلکہ اس پورے نظام یا پالیسی کا نام ہے جس پر مالیاتی نظام کا پورا ڈھانچہ اُٹھایا جاتا ہے۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے مالیاتی نظام کا جائزہ لینے کے لئے ہم پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی سرکاری خزانہ یا بیت المال تھا؟

اس سوال کے جوابات بیک وقت دو ہیں۔ بیت المال کی مذکورہ تعریف کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُبارک دور میں بیت المال یا سرکاری خزانہ ضرور تھا جس کی پالیسی کے تحت آپ تقسیم دولت کیا کرتے تھے جس کا ذکر انشاءاللہ اس باب میں آگے آرہا ہے۔

رہا دوسرا جواب کہ کیا کوئی سرکاری خزانہ کی عمارت بھی تھی؟

اس کے جواب میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ مؤرخین کی ایک بہت بڑی جماعت کی یہ رائے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بیت المال کی کوئی عمارت نہیں تھی اور جو کچھ بھی آپ کے پاس آتا آپ اُسے بغیر روکے یا جمع کئے مستحقین میں تقسیم فرمادیا کرتے تھے یا ضروری

مدات پر خرچ کردیا کرتے۔ اس سلسلہ میں علامہ ذہبی کے الفاظ قابل توجہ ہیں؛

لم یکن بیت المال معروفاً عند العرب فی عصر الجاھلیۃ او عصر الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) و ابی بکر (رضی اللہ عنہ) حیث ان الدولۃ فی بدء تکوینھا مع قلۃ الموارد وضعف الایرادات و ان سیاسۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کانت تقتضی بتوزیع المال لفورہ ان جاء غدوۃ لم ینتصف النھار أو عشیۃ لم یبیت حتی یقسمہ [1]	زمانہ جاہلیت کے عرب سرکاری خزانہ (بیت المال) کے نام سے متعارف نہیں تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیت المال کی عمارت کا وجود نہیں پایا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلامی ریاست کا آغاز ہو رہا تھا وسائلِ مالیات کم تھے اور آمدنی نہایت قلیل تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال آتا آپ فوراً تقسیم فرما دیتے۔ یہاں تک کہ صبح آتا تو دوپہر نہ ڈھلنے دیتے اور شام کو آتا تو رات نہ بیتنے دیتے۔

لیکن یہ بات قرینِ قیاس نہیں کہ اتنی بڑی سلطنت اور اس کے نظام کو چلانے کے لئے جس قدر اخراجات کی ضرورت تھی۔ جبکہ آنے والے وفود کو آپ تحائف اور سفر خرچ بھی دیا کرتے تھے اور خیبر اور فدک کی سالانہ آمدن بھی آ رہی تھی۔ بعض قبائل عرب جزیہ بھی دے رہے تھے اور ان سب کے باوجود کوئی بیت المال (یا اس نام کے علاوہ کسی نام) کی کوئی عمارت نہ تھی۔ لہٰذا ڈاکٹر حمید اللہ کی یہ تحقیقی رائے دل کو لگتی ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے متصل ایک کمرہ تھا جس کی کڑی نگرانی بھی کی جاتی تھی۔ اسمیں سرکاری اموال اور اجناس رکھے جاتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کی نگرانی کرتے تھے۔ یہ پہلا بیت المال تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ پہلے وزیر مالیات تھے [2] اس تحقیق کی تائید

---

[1] الذہبی: شمس الدین ابی عبداللہ (م ۷۴۶)، کتاب دول الاسلام فی التاریخ، پہلا ایڈیشن، مطبع دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد (ہند) ۱۳۳۷ھ، ج ۱، ص ۸۔

[2] ڈاکٹر حمید اللہ: خطباتِ بہاولپور، پہلا ایڈیشن، جامعہ اسلامیہ بہاولپور ص ۱۸۳۔

اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے ابنِ قیم جوزیہ نے نقل کیا ہے :

کان بلال علی نفقاتہ [۳] "حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپؐ کے اخراجات کے نگران تھے"۔

بیت المال کے ذرائع آمدن*

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اسلامی ریاست کے ذرائع آمدن یہ تھے۔

۱: زکوٰۃ ۲: جزیہ ۳: غنائم کا خمس

۴: صدقات نافلہ اور ہنگامی چندہ ۵: قروضِ حسنہ ۶: اوقاف ۷: فیئ

۱: زکوٰۃ

زکوٰۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام مالیات کا بنیادی ستون تھا جس زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اسی زمانہ میں زکوٰۃ کی ترغیب کی آیات (مثلاً سورۃ المومنون آیات ۱ تا ۴) اتری تھیں مگر زکوٰۃ کی ادائیگی ایک کارِ خیر اور احسان کا معاملہ تصور کیا جاتا تھا، نہ تو اس کا کوئی نظام معین تھا نہ اس کی ادائیگی کے بارہ میں تشریعی احکامات مقرر کئے گئے تھے [۴]۔ جب مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کے دوران قریش مکہ کے سفیروں کے کہنے پر نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں لاکر ان سے دریافت کیا گیا کہ ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کیا ہیں؟ تو حضرت جعفر

---

[۳] ابن قیم جوزیہ : زاد المعاد ، ج ۱ ، ص ۲۳۔

* بیت المال کے ذرائع کی تمام تفاصیل کے لئے دیکھیں میری کتاب "اسلام کا قانون محاصل" مطبوعہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور۔

[۴] احمد امین بک : فجر الاسلام ، ج ۱ ، لجنۃ التالیف والترجمۃ ، ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء ، ص ۲۸۰۔

طیّار رضی اللہ عنہ نے جواب میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"وہ محترم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔[۵]"

یعنی قیامِ مکہ مکرمہ کے دوران زکوٰۃ کی ادائیگی کا نظام بغیر تحدید کے تھا۔ گویا طبیعتوں کو اس مالی فریضہ کی ادائیگی کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔ ہجرت کے بعد دورانِ قیام مدینہ منورہ فرضیت زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا۔ اور وہ حکم تھا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً "ان کے اموال سے زکوٰۃ وصول کریں اور تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (التوبہ: ۱۰۳) اسطرح انہیں پاک اور صاف کریں۔"

اس حکم کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا نصاب، مدت اور اموال زکوٰۃ متعین فرمائے اور ان سے متعلق تشریعی احکامات مقرر کئے۔

مدینہ منورہ میں زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم کب اترا؟ اس بارے میں فقہاء کا جو اختلاف ہے اس کی حیثیت بھی زکوٰۃ کے کارِ خیر سمجھے جانے اور زکوٰۃ کے فرض سمجھے جانے کے زمانہ کے متعین کرنے کے فرق سے ہے۔ مثلاً کچھ فقہاء نے سمجھا کہ زکوٰۃ ۲ھ میں فرض ہو گئی[۶] انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایسا حکم دیکھا جس میں آپ نے ادائیگی زکوٰۃ کی کسی وقت تاکید فرمائی۔ دوسرے فقیہ نے کسی دوسرے وقت آپ کو زیادہ زکاۃ کی تاکید کرتے دیکھا تو اس نے وہ سال فرضیت زکوٰۃ کا سمجھ لیا۔

مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں زکوٰۃ ہجرت کے پانچویں سال ۵ھ

۵۔ احمد ابن حنبل: مسند، ج ۱، ص ۲۰۲۔

۶۔ بحوالہ محمد سلی العماری: الزکوٰۃ: فلسفتها واحکامها، رابطۃ العالم الاسلامی، سلسلۃ دعوۃ الحق، ذوالحجۃ ۱۴۰۲ھ، ص ۴۰۔

میں فرض ہوئی [۷]

غالباً اس کی تائید اس واقعہ سے کرتے ہوں گے کہ جب ۵ھ میں وفد عبدالقیس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے انہیں جن اسلامی تعلیمات کا حکم دیا ان میں نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر فرمایا [۸]

اس بات پر جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ فرضیت زکوٰۃ کا حکم فتح مکہ کے بعد ۸ھ میں نازل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم محرم ۹ھ میں وصول زکوٰۃ کے لئے محصلین مقرر کئے۔ جن کے بارے میں چند معلومات ہم یہاں بیان کر رہے ہیں۔

محصلین زکوٰۃ کا تقرر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یکم محرم ۹ھ کو زکوٰۃ اور جزیہ وصول کرنے کے لئے محصلین مقرر کئے۔ ہر ہر قبیلہ اور علاقہ کے لئے الگ محصل تھا۔ جو قبائل کا دورہ کر کے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے۔ عموماً مختلف قبائل کے رؤسا ہی ان کے محصلین زکوٰۃ ہوتے تھے۔ ان محصلین کا تقرر عموماً وقتی ہوتا تھا۔ اس کار خیر کی انجام دہی کے لئے جن سعادت مند اشخاص کو چنا گیا ان میں سے چند کے اسماءِ گرامی جو مل سکتے ہیں مندرجہ ذیل ہیں:

نمبر شمار	نام محصل	مقام تقرر	نمبر شمار	نام محصل	مقام تقرر
۱:	حضرۃ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ [۹]	مدینہ منورہ	۲:	حضرۃ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ	نجران
۳	حضرۃ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	بنو فزارہ	۴	حضرۃ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ	خیبر

[۷] ابن حجر عسقلانی: فتح الباری، کتاب الزکوٰۃ۔

[۸] صحیح بخاری: کتاب الزکوٰۃ، ج ۱۔

[۹] حضرۃ عمر اور حضرۃ ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما کے نام بخاری، کتاب الصدقات میں مذکور ہیں

۵:	حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	صوبہ یمن	۶:	حضرت خالد رضی اللہ عنہ	صوبہ یمن
۷:	حضرت عمرو بن سعید بن العاص رض	تیماء	۸:	حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ	بحرین
۹:	حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ	طے و بنی حاتم	۱۰:	حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ	حضرموت
۱۱:	حضرت عیینہ بن حصن فزاری رض	بنو تمیم	۱۲:	ایک ہذیلی (رضی اللہ عنہ)	بنو ہذیم
۱۳:	حضرت مالک بن نویرہ رضی اللہ عنہ	بنو حنظلہ	۱۴:	حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ	بنو سعد
۱۵:	حضرت زبرقان بن بدر رضی اللہ عنہ	بنو سعد	۱۶:	حضرت ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ	بنو لیث
۱۷:	حضرت محمیہ بن جزء الاسدی رضی اللہ عنہ	تحصیل خمس	۱۸:	حضرت ضحاک بن سفیان کلابی رض	بنو کلاب
۱۹:	حضرت بسر بن سفیان الکعبی رض	بنو کعب	۲۰:	حضرت بریدہ بن حصیب الاسلمی رض	غفار و اسلم
۲۱:	حضرت رافع بن مکیث جہنی رضی اللہ عنہ	جہینہ	۲۲:	حضرت عبداللہ بن اللتبیہ رضی اللہ عنہ	بنو ذبیان
۲۳:	حضرت عبادہ بن بشر الاشہلی رضی اللہ عنہ	سلیم و مزینہ[۱۰]	۲۴:	حضرت صفوان بن صفوان رضی اللہ عنہ	بنی عمرو[۱۱]

مذکورہ فہرست پر ایک نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خاندان نبوی کا کوئی فرد نہیں نظر آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صدقہ و زکوٰۃ کا مال خاندانِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام تھا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک بار حضرت فضل بن عباس اور حضرت عبدالمطلب بن زمعہ بن حارث رضی اللہ عنہما نے خدمتِ عالیہ میں آکر درخواست بھی کی کہ انہیں بھی عامل زکوٰۃ مقرر کیا جائے تو آپ نے بے تکلفی سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ صدقات کا مال آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیلئے جائز نہیں۔ کیونکہ یہ تو لوگوں کا میل (اوساخ الناس) ہے[۱۲]۔ دراصل ان محصلین کو ان کی خدمات

---

[۱۰] اس فہرست کے اکثر نام ابن سعد نے طبقات جزء مغازی: ص ۱۱۵ پر ذکر کئے ہیں۔ بعض اسماء ابوداؤد، کتاب الخراج سے نقل کئے گئے ہیں۔ زاد المعاد، ذکر مصدقین و امراء نبوی۔ بلاذری فتوح البلدان۔

[۱۱] حضرت صفوان بن صفوان رضی اللہ عنہ کا نام ابن حجر عسقلانی نے اصابہ ذکر صفوان میں ذکر کیا ہے۔

[۱۲] صحاح ستہ، کتاب الصدقات میں یہ حدیث مذکور ہے۔

کے معاوضہ کے طور پر انہی صدقات کی وصولی میں سے وظیفہ ملتا تھا[۱۳] جس کا لینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لئے جائز نہیں تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن سعادت مند افراد کو کلکٹر مقرر فرماتے انہیں چند احکامات کا پابند بناتے مثلاً:

ل: انہیں ھدایات دی گئی تھیں کہ وہ زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے خود جایا کریں گے اور لوگوں کو اس بات کا مکلف نہیں بنائیں گے کہ وہ خود آکر زکاۃ دیا کریں۔ اس حکم میں جہاں ایک طرف عوام کی سہولت کا خیال رکھا گیا تھا وہاں دوسری طرف ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ زکوٰۃ سے بچنے کے مواقع کم از کم ہو جاتے تھے۔ گو اس مبارک دور میں زکوٰۃ سے بچنے کا کسی کو تصور بھی نہیں ہو گا۔ مگر آپ کی یہ ھدایات تو قیامت تک کے کلکٹرز اور زکوٰۃ دہندگان کے لئے ہیں۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"میں ایک درے میں بکریاں (جو اس وقت عربوں کی کل کائنات تھی) چرا رہا تھا دو ناقہ سوار میرے پاس آکر رکے۔ اونٹ بٹھا کر اترے اور مجھے کہنے لگے: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہیں تمہارے ریوڑ کی زکوٰۃ وصول کرنے آئے ہیں۔ میں نے خوشی خوشی بچہ والی شیر دار بکری ان کے حوالہ کرنا چاہی مگر انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا "ہمیں اس کے لینے کا حکم نہیں"۔ میں نے ایک دوسرا بچہ دیا انہوں نے اونٹ پر لادا اور روانہ ہو گئے"[۱۴]

ب: ایک ھدایت یہ تھی کہ محصلین لوگوں سے ان کا اچھا مال چھانٹ کر نہ لیں اور نہ حق سے زیادہ لیں۔ عام حکم تھا:

ایاك وكرائم اموالهم[۱۵] "خبردار لوگوں سے ان کے بہترین اموال (چھانٹ کر) نہ لینا"۔

---

[۱۳] ابو داؤد: السنن، باب ارزاق العمال

[۱۴] نسائی: السنن، کتاب الصدقات ص: ۳۹۳ [۱۵] متفق علیہ، کتاب الزکوٰۃ۔

اِس حکم پر اتنی سختی سے عمل کیا گیا کہ بعض اوقات لوگوں نے بخوشی اچھے سے اچھا مال زکوٰۃ میں دینا چاہا تو محصلین نے وصولی سے معذرت کرلی۔ حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا محصّل آیا۔ انہوں نے پہلے بیٹھ کر ان تمام جانوروں کے نام بتائے جن کے لینے کی انہیں اجازت نہ تھی۔ چنانچہ ایک شخص نے ایک کوہان دار فربہ اونٹنی بطور زکوٰۃ لاکر حاضر کردی مگر انہوں نے لینے سے انکار کردیا[۱۶] شیردار بکری کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے۔

ج: اگرچہ زکوٰۃ وصول کرنے والے اللہ کریم سے ڈرنے والے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا کڑا احتساب کیا کرتے (دراصل یہ درس بھی تو قیامت تک کے لئے تھا) ایک بار حضرت عبداللہ بن اللبتیہ رضی اللہ عنہ بنو ذیبان کا مالِ زکوٰۃ لیکر حاضرِ خدمت ہوئے تو ان کے ساتھ ایک دوسری گٹھڑی بھی لے کر آئے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ دو الگ الگ مال کیا ہیں؟ انہوں نے کہا یہ مالِ زکوٰۃ اور وہ میرے لئے تحائف۔ آپ نے فرمایا: اگر تم گھر بیٹھے رہتے تو تمہیں یہ ھدایا کون دیتا؟ اس کی آپ نے سختی سے ممانعت فرمائی۔ اور اعلان فرمایا:

هِدَايَا الْاُمَرَاءِ غُلُوْلٌ: "اُمراء کے لئے ھدایا قبول کرنا رشوت ہے"

اس واقعہ سے آپ نے حضرت عبداللہ بن اللبتیہ رضی اللہ عنہ کی امانت و دیانت کا اندازہ بھی لگایا کہ اللہ کریم نہ کرے اگر ان کے دل میں غبن کا ذرا بھر بھی شائبہ ہوتا تو دونوں مال (زکوٰۃ اور ھدیہ) اکٹھے لاکر آپ کی خدمت میں پیش نہ کرتے۔ دراصل وہ اور ان کی طرح کے دوسرے محصلین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ تھے اور لوگ انہیں عقیدت کے ساتھ تحائف دیتے تھے جن کا لینا بھی جرم نہ تھا۔ مگر ان کو اس سے باز رکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے محصلین کے لئے رشوت اور غبن کا یہ راستہ بند کرنا چاہتے تھے۔

---

[۱۶] نسائی: کتاب الصدقات، ص ۲۹۲۔

البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے فیضانِ محبت اور تربیت کاملہ کا ان محصلین کرام رضی اللہ عنہم پر یہ اثر تھا کہ ان سے رشوت یا غبن کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی تھی۔ ایک عجیب واقعہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو پیش آیا جب وہ یہودِ خیبر کے پاس حسبِ معاہدہ زمین کی پیداوار کا نصف وصول کرنے تشریف لے گئے۔ تو انھوں نے آپ (رضی اللہ عنہ) کو رشوت دینا چاہی۔ انہوں نے یہ کہہ کر رَدّ کر دیا "اللہ کریم کے دشمنو! تم مجھے بھی حرام کھلانا چاہتے ہو؟ (یہ بھلا کیونکر ممکن ہے) ۱۷ے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائلی سرداروں اور اغنیاء کو یہ فرامین جاری کر دیئے تھے کہ وہ محصلین سے تعاون کریں اور انہیں زکوٰۃ بلاکم وکاست اور بغیر کسی لیت ولعل کے ادا کیا کریں۔ ہر قبیلہ جب حلقہ بگوش اسلام ہوتا تو ان کو بھی تاکید کر دی جاتی کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف گورنروں اور سرداروں کو جو مکاتیبِ مبارکہ تحریر فرمائے ان میں زکوٰۃ کی تاکید بطورِ خاص کی جاتی تھی چند مکاتیب مبارکہ بطور مثال درج کئے جاتے ہیں؛

حضرت عمرو بن مُرّہ جُہنی رضی اللہ عنہ کو گرامی نامہ میں لکھا:

"یہ تحریر اللہ کریم کے رسول کریم کی جانب سے ہے۔ اس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان پر حق ظاہر کیا اور بُرے بولنے والی کتاب دی۔ عمرو بن مرّہ جہنی کو اپنی زمین پر کلیۃً اختیار ہو گا۔ وہ جہاں چاہیں اپنے مویشیوں کو چرائیں اور پانی پلائیں۔ بشرطیکہ اپنے جانوروں کی مقررہ زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ کھیتی کے مویشیوں پر زکوٰۃ نہیں۔ اس معاہدے پر اللہ کریم اور مسلمان گواہ ہیں ۱۸ے

۱۷ے بلاذری: فتوح البلدان، مطبوعہ مصر فتح خیبر

۱۸ے کنزالعمال: بحوالہ سید محبوب رضوی، مکتوبات نبوی، لاہور، ستمبر ۱۹۸۵ء ص ۹۸

حضرت منذر بن ساوی رضی اللہ عنہ گورنر بحرین کے نام ایک والا نامہ میں تحریر فرمایا:

"السلام علیکم! میں آپ کے پاس ابُوھریرۃ رضی اللہ عنہ اور قدامہ رضی اللہ عنہ کو بھیج رہا ہوں آپ اپنے علاقہ سے جو عشر و زکوٰۃ اور جزیہ وصول کر چکے ہوں وہ ان کے حوالہ کر دیں"[۱۹]

حضرت اُسیبخت بن عبداللہ رضی اللہ عنہ مرزبان ہجر کے نام گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

"۔۔۔۔ میرے کار پردازوں نے آپ کے مرتبہ کی رفعت و بلندی کا اظہار کیا ہے۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ نماز، زکوٰۃ اور مسلمانوں کے تعلق کا پُورا پُورا لحاظ رکھا جائے"[۲۰]

حضرت اُکیدر رضی اللہ عنہ والیٔ دومۃ الجندل کے نام تحریر فرمایا:

"۔۔۔۔ چراگاہوں میں چرنے والے جانوروں کے علاوہ کسی جانور پر زکوٰۃ نہ لی جائے گی۔ اور حساب سے الگ کسی جانور کو زکوٰۃ میں شامل نہ کیا جائے۔ نماز کو وقت پر ادا کرنا ہوگا۔ اور زکوٰۃ کو سچائی سے ادا کرنا ہوگا۔۔۔۔"[۲۱]

قبیلہ لخم کے نام گرامی نامہ میں تحریر کیا:

"قبیلہ لخم میں سے جو اسلام قبول کرے گا۔ نماز ادا کرے گا۔ زکوٰۃ دے گا، اللہ کریم اور اس کے رسول کریم کا خمس ادا کرے گا۔ اور مشرکین سے اپنے تعلقات منقطع کرے گا وہ اللہ کریم اور اس کے رسول کریم کی پناہ اور ذمہ داری میں ہے"[۲۲]

بنی البکاء کو جو فرمانِ رسالت مرحمت ہوا اس میں درج تھا:

"تم لوگوں میں سے جو اسلام قبول کرے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، اللہ کریم

---

[۱۹] ابن سعد، طبقات، ج ۲، مطبوعہ لندن، ص ۲۸

[۲۰] حوالہ بالا۔ ص ۲۷

[۲۱] ابن سعد، طبقات، ج ۳، ص ۳۶۔ فتوح البلدان، ج ۱، ص ۶۱۔

[۲۲] طبقات، ابن سعد، ج ۳۔

اور رسول کریم کا فرمانبردار رہے، مال غنیمت میں سے اللہ کریم کا خمس نکالتا رہے۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب (رضی اللہ عنہم) کی امداد کرتا رہے۔ اپنے اسلام کا اعلان کرے اور مشرکین سے تعلقات نہ رکھے وہ اللہ کریم اور اس کے رسول کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امان میں ہے۔[۲۳]"

محولہ بالا مکتوبات یا ان کے ٹکڑوں کے یہاں نقل کرنے کا مقصد اگرچہ یہی تھا کہ یہ واضح کیا جائے کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قبائل کے نام فرامین ارسال کر دیئے تھے کہ وہ زکوٰۃ فریضہ دینی و مالی سمجھ کر ادا کریں۔ اور محصلین سے تعاون کریں مگر ان کے مطالعہ سے اس زمانہ میں بیت المال کے دیگر ذرائع آمدن کا پتہ بھی چل جاتا ہے کہ زکوٰۃ کے ساتھ دیگر ذرائع آمدن جزیہ اور مال غنیمت کا خمس بھی تھے جن کا ذکر ہم آئندہ چل کر کر رہے ہیں۔

اموال زکوٰۃ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی روشنی میں مندرجہ ذیل اموال زکوٰۃ مقرر فرمائے:

۱: زمینی پیداوار کا عُشر یعنی کھیتوں اور باغوں کی پیداوار کی زکوٰۃ[۲۴]

---

[۲۳] طبقات: ابن سعد، ج ۲

[۲۴] زمینی پیداوار کی زکوٰۃ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے:

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال: فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر۔ (صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ، ج ۱)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس زمین کی آبپاشی بارش اور چشموں (یا ندیوں) سے ہو اس کی پیداوار کا دسواں (۱/۱۰) حصہ (بطور عشر) لیا جائے اور جو زمین پانی کھینچ کر (ٹیوب ویل کنواں وغیرہ سے) ہو اس کی پیداوار کا بیسواں حصہ (۱/۲۰) لیا جائے۔

۲: نقدین یعنی سونا اور چاندی کی زکوٰۃ [۲۵]

دراصل اسلامی اقتصادیات میں نقد صرف سونا اور چاندی کو ہی سمجھا جاتا ہے۔ اور اسلامی ریاست میں خلافت بنو عباس کے بعد تک بھی سونا اور چاندی ہی کے سکہ جات بازار میں چلا کرتے تھے۔

۳: سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ [۲۶]

---

[۲۵] سونا اور چاندی کی زکوٰۃ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف ہے:

ما من صاحب ذهب ولا فضة لا يؤدي منها حقها الا اذا كان يوم القيامة صفحت له صفائح من نار فأحمي عليها في نار جهنم فيكوى بها جنبه وجبهته وظهره كلما بردت أعيدت عليه في يوم كان مقداره خمسين ألف سنة حتى يقضى الله بين العباد فيرى سبيله إما الى الجنة وإما إلى النار ۔ (متفق علیہ)

"ہر وہ شخص جو سونا اور چاندی کا مالک ہے مگر ان کا حق (زکوٰۃ) نہیں ادا کرتا۔ قیامت میں اس کے لئے اُن میں سے آگ کے ٹکڑے بنائے جائیں گے۔ پھر انہیں آگ میں تپایا جائے گا جن سے اس (سرمایہ دار) کے پہلو اور پیشانی کو داغا جائے گا۔ جب وہ (پیشانی اور پہلو) ٹھنڈے ہو جائیں گے تو انہیں دوبارہ داغا جائیگا اور عمل اس دن جاری رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار (۵۰،۰۰۰) سال ہے حتیٰ کہ اللہ کریم بندوں کے درمیان فیصلہ سنا دے۔ پھر اسے (اس سرمایہ دار کو) اسکا راستہ دکھا دیا جائے گا جو یا جنت کی طرف ہوگا یا دوزخ کی طرف۔"

[۲۶] جنگل میں چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے:

عن ابی ذر رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: في الابل صدقتها وفي الغنم صدقتها وفي البز صدقته (بحوالہ ابن حزم ظاہریؒ: المحلی، ج ۵ ص ۲۳۴–۲۳۵)۔

"حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سُنا اونٹوں میں زکوٰۃ ہے، بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ ہے۔ تجارت کے لئے کپڑا میں زکوٰۃ ہے۔

سائمہ جنگل میں چرنے والے جانوروں کو کہتے ہیں جو سال کا اکثر حصہ جنگل کی گھاس پھونس چرا کرتے ہیں۔ گھر پر چارہ کھانے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں۔

۴، اموالِ تجارت [۲۷]

۵، رکاز [۲۸] : کانوں اور خزینوں سے نکلنے والی معدنیات اور دفینوں کی زکوٰۃ۔

نصابِ زکوٰۃ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اموالِ زکوٰۃ کی مختلف اصناف کے نصاب کی تعیین بھی فرمائی۔ نصاب وہ مقدارِ مال ہے کہ جب صاحبِ مال کے پاس وہ موجود ہو تو اس پر زکوٰۃ

---

[۲۷] اموالِ تجارت کی زکوٰۃ پر یہ دو حدیثیں سند ہیں :

۱، حدیث جو نمبر ۲۶ کے تحت نمبر ۱ پر درج ہے :

۲ : عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ قال، کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یامرنا ان نخرج مما نعدہ للبیع۔

"حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ اس مال میں سے زکوٰۃ نکالیں جسے ہم تجارتی مال شمار کرتے ہیں"

(الدار القطنی، ص ۲۱۴ : نصب الرایہ، ج ۲، ص ۳۷۶)

[۲۸] رکاز یعنی کانوں اور دفینوں کا پانچواں حصہ (۱/۵) کا وجوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ سے ہوتا ہے :

وفی الرکاز خمس فقیل ما الرکاز یارسول اللہ؟ فقال الذھب والفضۃ الذی خلقہ اللہ فی الارض یوم خلقت۔

"اور رکاز میں خمس ہے آپ سے دریافت کیا گیا یارسول اللہ رکاز کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا، وہ سونا اور چاندی جو اللہ کریم نے خلقی طور پر زمین میں ودیعت فرمایا اہل عرب نے رکاز کا لفظ معدنیات اور دفینوں دونوں کیلئے استعمال کیا ہے یہی ابو حنیفہ کی رائے ہے"

(ابو یوسف : کتاب الخراج المکتبہ السلفیہ، قاہرہ، ص ۲۳۔)

فرض ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ اُس پر پورا سال گذر جائے اور صاحب مال پر کوئی قرض بھی نہ ہو۔

۵ : نقدین یعنی سونا اور چاندی کا نصاب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا کا نصاب ۲۰ مثقال (دینار) اور چاندی کا نصاب دوسو (۲۰۰) دراہم ہے۔ اگر کسی کے پاس بیس۲۰ دینار سونا ہو تو وہ آدھا دینار زکاۃ میں دے گا۔ اور جس شخص کے پاس دوسو (۲۰۰) دراہم چاندی ہو وہ پانچ دراہم چاندی زکوٰہ میں دے گا۔ اس نصاب کی بنیاد مندرجہ ذیل احادیث رسُول کریم ہیں :

۱: عن علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) فاذا کانت لک مائتا درھم وحال علیھا الحول ففیھا خمسۃ دراھم ولیس علیک شیئ حتی یکون لک عشرون دیناراً، فاذا کانت لک عشرون دیناراً و حال علیھا الحول ففیھا نصف دینار فما زاد فبحساب ذٰلک[29]

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تیرے پاس دوسو (۲۰۰) درہم (چاندی) ہو اور اس پر پورا سال گذر جائے تو اس میں سے پانچ (۵) دراہم زکوٰۃ کے ہیں۔ اور تیرے اوپر کچھ واجب نہیں۔ جب تک تیرے پاس بیس (۲۰) دینار (سونا) ہو، اور جب تیرے پاس بیس۲۰ دینار ہوں اور ان پر پورا سال گذر جائے تو ان میں آدھا (½) دینار زکوٰۃ ہے۔ اور جو ان میں زیادتی ہوگی اس پر اسی حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی ۔"

اس حدیث شریف میں دراہم کیساتھ فضتہ (چاندی) کا لفظ نہیں اور دینار کے ساتھ ذھب (سونا) کا لفظ مذکور نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل اس دور مُبارک میں (اور

---

[29] ترمذی نے (کتاب الزکوٰۃ میں) اس حدیث کو مرفوعا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے۔

بعد کے اسلامی ادوار میں بھی) درہم ایک خاص وزن کا چاندی کا سکہ تھا اور دینار ایک خاص وزن کا سونے کا سکہ تھا۔ یوں دوسو (۲۰۰) درہم چاندی کا نصاب تھا اور بیس (۲۰) دینار سونے کا نصاب تھا۔

۲: عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، لیس فی اقل من عشرین مثقالا من الذھب ولا فی اقل من مائتی دراھم صدقۃ[30]

"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیس (۲۰) مثقال (دینار) سے کم سونا اور دوسو (۲۰۰) دراہم سے کم چاندی میں کوئی شئی واجب نہیں[*]"

ب: زرعی پیداوار کا نصاب

زرعی پیداوار کے نصاب کے بارے میں دو حدیثیں ہیں:

۱: عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال: فیما سقت السماء العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر[31]

"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو زمین بارش سے سیراب ہوگی اس کی پیداوار سے عشر ۱/۱۰ لیا جائیگا اور جو زمین پانی کھینچ کر (بذریعہ کنواں یا ٹیوب ویل وغیرہ) سیراب ہوگی اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ (۱/۲۰) بطور زکوٰۃ لیا جائے گا۔"

۲: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس فیما دون خمسۃ

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پانچ اوسق سے کم پیداوار میں

---

[30] متفق علیہ۔ [*] مروجہ اوزان میں چاندی کا نصاب ۶۱۲ء۳۲ گرام یا ۱/۲ ۵۲ تولے ہے اور سونا کا نصاب ۴۸ء۸۷ گرام یا ۱/۲ ۷ تولے ہے۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

اوسق صدقۃ [۳۲] صدقہ نہیں"۔

ج: سائمہ جانور کی زکوٰۃ کا نصاب:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چرائی کے جانوروں میں سے بھیڑ بکری اونٹ اور گائے پر زکوٰۃ فرض کی۔ ان سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ کا نصاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جو آپ نے حضرت عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ کو اس وقت عنایت فرمائی جب وہ یمن کے گورنر بنا کر بھیجے جا رہے تھے۔ اسی طرح کی ایک تحریر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رؤسائے یمن شرجیل اور حارث رضی اللہ عنہما کے نام بھی لکھ کر دی۔

اس تحریر میں اونٹوں کا نصاب یوں ہے:

۱: چراگاہوں میں چرنے والے ہر پانچ (۵) اونٹوں پر چوبیس (۲۴) تک ایک بکری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

[۳۱] متفق علیہ، کتاب الزکوٰۃ۔ امام ابو حنیفہؒ نے اس حدیث کی رو سے فتویٰ دیا ہے کہ زمینی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں۔ بلکہ ہر قلیل و کثیر پیداوار سے عشر (۱/۱۰) لیا جائے گا۔

[۳۲] متفق علیہ، اس حدیث کی رو سے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ۔ امام احمد بن حنبل کی رائے ہے کہ زمینی پیداوار کا نصاب ۵ وسق (آجکل کے اوزان میں ۹۴۸ کلوگرام) ہے اسی پر امت کا عمل ہے۔

[۳۳] صحیح بخاری، کتاب العلم؛ دارقطنی، ص ۲۱۰۔ سید محبوب رضوی: مکتوبات نبویؐ لاہور، ۱۹۸۵ء ص ۲۶۱/۲۶۹ بحوالہ مستدرک حاکم۔

حضرت عمرو بن حزمؓ کے انتقال کے بعد یہ تحریر ان کے پوتے قاضی ابوبکر بن محمد بن حزم رضی اللہ عنہ کے پاس رہی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے انہی حضرت قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کو تدوین حدیث کے کام پر مامور فرمایا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو صدقات واجبہ (زکوٰۃ) کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک احکامات کی جب بھی تلاش ہوتی تو ان ہی کی دستاویز سے رجوع کرتے (صحیح بخاری کتاب العلم)

دی جائے گی۔

۲: ۲۵ سے ۳۵ تک ایک بنتِ مخاض (اونٹنی کا وہ بچہ جو عمر کے دوسرے سال میں داخل ہوجائے) دیا جائے گا۔

۳: ۳۶ سے ۴۵ تک ایک بنتِ لبون (اونٹنی کا وہ بچہ جو عمر کے تیسرے سال میں داخل ہوچکا ہو) دیا جائے۔

۴: ۴۶ سے ۶۰ تک ایک حِقّہ (وہ اونٹ یا اونٹنی جو عمر کے چوتھے سال میں داخل ہوچکی ہو) دی جائے۔

۵: ۶۱ تا ۹۰ تک ایک جذعہ (وہ اونٹ یا اونٹنی جو عمر کے پانچویں سال میں داخل ہوچکی ہو) دی جائے۔

۶: ۹۱ تا ۱۲۰ تک ۲ حقے دیئے جائیں۔

۷: ۱۲۰ سے زیادہ اونٹوں پر، ہر چالیس کی زیادتی پر ایک بنتِ لبون ہے اور ہر پچاس (۵۰) کی زیادتی پر ایک حقہ مقرر ہے۔

اس تحریر میں بکری اور بھیڑ کا نصاب یوں ہے:

۱: چراگاہوں میں چرنے والی بکریوں، بھیڑوں کی زکوٰۃ ۴۰ سے ۱۲۰ تک ایک بکری ہے۔

۲: ۱۲۱ سے ۲۰۰ بکری بھیڑوں تک ۲ بکریاں ہیں۔

۳: ۲۰۱ تا ۳۰۰ بکریوں کی زکوٰۃ ۳ بکریاں ہیں۔

اور اسی طرح ہر سینکڑے پر ایک بکری کا اضافہ کیا جائے۔

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی اسی تحریر میں گائے کا نصاب★ یوں درج تھا:

★ عرب میں بھینسوں کا رواج ۹۲ھ / ۷۱۱ء میں ہوا جب محمد بن قاسمؒ نے سندھ فتح کیا اور ہزاروں بھینسیں عراق اور شام کے لئے روانہ کیں۔ بعد میں فقہائے کرام نے بھینس کی زکوٰۃ کو گائے کی زکوٰۃ پر قیاس کیا۔ (ابو عبید قاسم بن سلام: کتاب الاموال، ص ۳۵۸۔ نمبر ۱۰۲۷)

"چالیس گایوں پر ایک گائے اور تیس (۳۰) گایوں پر ایک بچھڑا۔"

د : اموال تجارت کا نصاب :

اموالِ تجارت (عروض التجارۃ Articles of Trade) کا نصاب سونا یا چاندی کا نصاب ہی ہے۔ دراصل اموال تجارت پر زکوٰۃ اسطرح ہے کہ ان اموال تجارت کا حساب (Calculation) سال کے خاتمہ پر ان اموال تجارت کی قیمت کا اندازہ مروّجہ سکوں میں کر کے اگر وہ سونا یا چاندی کسی ایک کا نصاب پورا کر دیں تو ان پر زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں سکے دو ہی قسم کے تھے۔ سونے کا دینار اور چاندی کا درہم۔ لہٰذا اگر ان اموال تجارت کی قیمت کا اندازہ چاندی کے دراہم میں لگایا گیا اور وہ ۲۰۰ دراہم یا ۲۰۰ دراہم سے زیادہ بنتا تو اس پر چاندی کی زکوٰۃ کا نصاب یعنی دوسو (۲۰۰) دراہم پر بحساب ڈھائی فیصد (۲½ ٪) پانچ دراہم ہوتی ہے۔ اور اگر اموالِ تجارت کا حساب سونے کے دنانیر میں لگایا جائے اور وہ بیس (۲۰) دینار یا اس سے زیادہ ہو تو اس پر ڈھائی فیصد (۲½ فیصد) کے حساب سے آدھا دینار (½) دینار ہوگا۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اموالِ تجارت پر (۲½ فیصد) کے حساب سے زکوٰۃ فرض فرمائی۔

س : رکاز کا خمس :

رکاز۔ معادن اور دفینوں کا خمس (⅕) بھی زکوٰۃ ہی ایک قسم ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کا کوئی نصاب مقرر نہیں فرمایا۔ نہ ہی ان پر پورے سال کے گذرنے کی شرط ہے۔ بلکہ یہ جب بھی ملیں اور سال میں جتنی بار نکالی جائیں یا ہاتھ لگیں ان کا پانچواں حصّہ (⅕) بیت المال کے لئے مقرر فرمایا۔ ★★

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

مصارف زکوٰۃ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کو اس کے مصارف ثمانیہ** (آٹھ مصارف) پر خرچ کر کے ان آٹھ مصارف کی عملی تعلیم اپنی اُمّت کو فرمائی۔ ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اموال زکوٰۃ میں سے کچھ لینے کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب میں ارشاد فرمایا۔ وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

"ان اللّٰہ لم یرض بحکم نبیٍ ولا غیرہٖ فی الصدقات حتی حکم فیھا فجزأھا ثمانیۃ اجزاء، فان کنت من تلک الاجزاء اعطیتک حقک"[۲۳]

"یقیناً اللہ کریم نے صدقات (کے مصارف) کو کسی نبی یا کسی اور شخصیت کی مرضی پر نہیں چھوڑا بلکہ اس میں اپنا فیصلہ دیا ہے۔ اور اس نے صدقات کے آٹھ مصارف مقرر کئے ہیں۔ اگر تم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

** رکاز اور مذکورہ بالا تمام اموالِ زکوٰۃ کے نصاب سے متعلق مسائل کی تفصیل کے لئے میری کتاب "اسلام کا قانون محاصل" کا مطالعہ مفید ہوگا۔ ان شاء اللہ

** قرآن کریم نے یہ آٹھ مصارف یوں بیان کئے ہیں:

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللّٰہ وابن السبیل ط فریضۃ من اللّٰہ و اللّٰہ علیم حکیم۔

(التوبہ (۹) : ۶۰)

"یقیناً صدقات حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پرچانا منظور ہے اور گردنوں کے چھڑانے کے لئے اور ان کے لئے جو تاوان کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں اور مسافروں کے لئے یہ مقرر ہے اللہ کریم کی جانب سے، اور اللہ کریم جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔"

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان مصارف میں کسی ایک کے تحت آتے ہو تو تمہیں تمہارا حصہ دوں گا (ورنہ میں اپنی مرضی سے نہیں دے سکتا)۔"

زکوٰۃ کے آٹھ مصارف یہ ہیں :

۱: فقراء ۲: مساکین ۳: عاملین زکوٰۃ ۴: مؤلفۃ القلوب

۵: گردن چھڑانے میں ۶: غارمین۔ تاوان کے بوجھ تلے دبے ہوئے۔

۷: فی سبیل اللہ ۸: ابن السبیل۔ مسافر۔

اب ان آٹھوں مصارف کے بارے میں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یا ان ارشادات کی تشریحات نقل کرتے ہیں :

۱: فقراء :

فقراء فقیر کی جمع ہے۔ فقیر کی تعیین کرتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

" صدقہ مالدار اور تندرست و توانا پر جائز نہیں " دو شخصوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صدقہ کا مال مانگا۔ آپ نے بغور نیچے اوپر انہیں ہٹا کٹا قوی و تندرست دیکھ کر فرمایا :

" اگر تم چاہو تو میں تمہیں دے دوں لیکن امیر شخص کا اور قوی و طاقتور کمائے شخص کا اس میں کوئی حق نہیں "[۳۴]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

[۳۳] اس حدیث کو ابو داؤد نے کتاب الزکوٰۃ میں حضرت زیاد بن حارث الصدائی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت زیادؓ کہتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کی بیعت کی۔ اسی اثنا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر ایک شخص نے اموالِ زکوٰۃ میں سے کچھ لینے کا سوال کیا۔

[۳۴] حافظ ابن کثیرؒ، تفسیر القرآن العظیم، تفسیر سورۃ التوبہ، آیت ۶۰

اس ارشاد مبارکہ سے یہ اخذ کیا جانا بے جا نہ ہوگا کہ فقیر وہی ہوگا جس میں دو باتیں موجود ہوں : ۱: مالدار نہ ہو ۲: طاقتور کماؤ نہ ہو۔

۲: مساکین

مساکین مسکین کی جمع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"مسکین یہی گھوم گھوم کر ایک لقمہ دو لقمے، ایک کھجور دو کھجور لیکر ٹل جانے والے ہی نہیں" لوگوں نے دریافت کیا اے اللہ کریم کے رسول کریم! پھر مساکین کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو بے پرواہی کے برابر نہ پائے، نہ ایسی حالت رکھے کہ کوئی دیکھ کر پہچان لے اور کچھ دیدے نہ کسی سے خود کوئی سوال کرے"[۳۵]

اس ارشاد کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ مسکین وہ ہے جو اسقدر مال نہ رکھتا ہو جو اسے استغنا نصیب کر دے۔

۳: عاملین زکوٰۃ

صدقہ وصول کرنے والے تحصیلدار ہیں جنہیں زکوٰۃ کے مال سے اُجرت یا تنخواہ لینے کا حق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار جن پر صدقہ حرام ہے اس عہدے پر نہیں آ سکتے۔ عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ درخواست لے کر گئے کہ ہمیں صدقہ وصول کرنے کا عامل بنا دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

[۳۵] حافظ ابن کثیرؒ: تفسیر القرآن العظیم۔ تفسیر سورۃ التوبہ۔

پر صدقہ حرام ہے ۔ یہ تو لوگوں کا میل کچیل ہے۔[۳۶]

۴: مؤلفۃ القلوب

جن کے دل پر چانا مطلوب ہوں ۔ اُن کی متعدد اقسام ہیں ۔ بعضوں کو تو اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ اسلام قبول کرلیں ۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن اُمیہ کو حنین کے غنائم میں سے دیا ۔ حالانکہ اسوقت تک وہ مسلمان نہیں ہوا تھا ۔ اُس کا اپنا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس داد و دہش نے میرے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ محبت پیدا کر دی حالانکہ پہلے سب سے بڑا دشمن آپ کا میں تھا۔[۳۷]

بعضوں کو اس لئے دیا جاتا ہے کہ اُن کا اسلام مضبوط ہو جائے ۔ اور ان کا دل اسلام پر لگ جائے ۔ جیسے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین والے دن مکہ مکرمہ کے طلقاء (آزاد کردہ سرداروں) کو سو سو اونٹ عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا : میں ایک کو دیتا ہوں اور دوسرے کو جو اس سے زیادہ محبوب ہے نہیں دیتا ۔ اس لئے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ اوندھے منہ جہنم میں گرے۔[۳۸]

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یمن سے کچا سونا مٹی خدمتِ اقدس میں ارسال کیا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چار اشخاص میں تقسیم فرمایا ۔ اقرع بن حابس تمیمی ، عیینہ بن بدر، علقمہ بن علاثہ اور زید خیر ۔ اور فرمایا : " ان کی دلجوئی کے لئے اکیلے انہیں ہی دے رہا ہوں۔"[۳۹]

بعضوں کو اس لئے دیا کہ ان جیسے اور لوگ بھی اسلام قبول کرلیں ۔ بعض کو اس لئے دیا

---

[۳۶] صحاحِ ستہ ، کتاب الصدقات میں یہ بیان مذکور ہے۔

[۳۷] ابن کثیر ، تفسیر ، تفسیر سورۃ التوبہ آیت نمبر ۶۰ ۔

[۳۸] حوالہ بالا ۔

[۳۹] حوالہ بالا ۔

کہ وہ اپنے آس پاس والوں سے صدقہ پہنچائیں یا آس پاس کے دشمنوں کی نگہداشت رکھیں اور انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے سے باز رکھیں۔[40]

۵: گردنیں چھڑانے میں

احادیث نبویہ میں گردنیں چھڑانے۔ غلام آزاد کرانے کی بڑی فضیلت وارد ہوتی ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ آزاد کردہ غلام کے بدلے میں آزاد کنندہ کا کنندہ ہر ہر عضو جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے یہاں تک کہ شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ بھی[41] اس لئے کہ ہر نیکی کی جزاء اس جیسی ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تین قسم کے لوگوں کی مدد اللہ کریم کے ذمہ حق ہے:

۱: وہ غازی جو اللہ کریم کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔

۲: وہ مکاتب غلام اور قرضدار جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہو۔

۳: وہ نکاح کرنے والا جس کا ارادہ بدکاری سے محفوظ رہنے کا ہو"[42]

کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت کے قریب کردے اور دوزخ سے دور۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نسمہ آزاد کر اور گردن خلاصی کر۔"

اس نے عرض کیا: کیا یہ دونوں ایک ہی نہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں۔ نسمہ کی آزادی تو یہ ہے کہ تو اکیلا ہی کسی غلام کو

---

[40] ابن کثیر، تفسیر، تفسیر سورۃ التوبہ۔ آیت نمبر ۶۰۔

[41] حوالہ بالا۔

[42] حوالہ بالا۔

آزاد کر دے ۔ جبکہ گردن خلاصی یہ ہے کہ تُو بھی اس میں (بذریعہ مال زکوٰۃ) جو تجھ سے ہوسکے مدد کرے[۴۳]

۶: قرض دار

قرضدار کی چند اقسام ہوسکتی ہیں ۔ ایک شخص خود قرضہ لیکر قرضدار بن جائے ۔ دوسرے کسی دوسرے کے قرض کا ضامن بن جائے ۔ تیسرے کسی نے برائی پر قرض لیا، پھر توبہ کر لی ۔ ایسے تمام قرضدار مالِ زکوٰۃ سے لینے کے حقدار ہیں ۔

اس مسئلہ کی اصل حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہتے ہیں: میں نے [illegible] کے قرض کا حوالہ اپنی طرف لیا تھا ۔ پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ٹھہرو، ہمارے پاس مالِ صدقہ آئے گا تو ہم اس میں سے تمہیں دیں گے ۔ پھر فرمایا قبیصہ سُن تین قسم کے لوگوں ہی کو سوال حلال ہے ۔ ایک تو وہ ضامن پڑے پس اُس رقم کے پورا ہونے تک اُسے سوال جائز ہے پھر سوال نہ کرے ۔ دوسرا وہ جس کا مال کسی آفتِ ناگہانی سے ضائع ہوجائے اسے بھی سوال کرنا درست ہے ۔ یہاں تک کہ پیٹ بھرائی ہوجائے ۔ تیسرا وہ شخص جس پر فاقہ گذرنے لگے اور اس کی قوم کے تین ذی ہوش لوگ اس کی شہادت کے لئے کھڑے ہوجائیں کہ ہاں بے شک فلاں شخص پر فاقے گذرنے لگے ہیں ۔ اسے بھی مانگ لینا جائز ہے تاوقتیکہ اس کا سہارا نہ ہوجائے اور سامانِ زندگی مہیا ہوجائے ۔ ان کے سوا اوروں کو سوال کرنا حرام ہے اگر وہ مانگ کر کچھ لیکر کھالیں گے تو حرام کھائیں گے[۴۴]

ایک شخص نے زمانہ نبوی میں ایک باغ خریدا ۔ قدرتِ خدا سے آسمانی آفت سے باغ کا پھل مارا گیا اور اس سے وہ بہت قرض دار ہوگیا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرض

---

[۴۳] ابن کثیر، تفسیر، تفسیر سورۃ التوبہ، آیت نمبر ۶۰

[۴۴] صحیح مسلم: باب المسئلہ ۔

خواہوں سے فرمایا کہ تمھیں جو ملے لے لو۔ اس کے سوا تمھارے لئے اور کچھ نہیں [۴۵]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک قرضدار کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بلا کر اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھے گا کہ تو نے قرض کیوں لیا اور رقم کیوں ضائع کر دی؟ جس سے لوگوں کے حقوق برباد ہوئے۔ وہ جواب دے گا کہ اے اللہ کریم تجھے خوب علم ہے میں نے نہ وہ رقم کھائی نہ پی نہ اُڑائی بلکہ میرے مال سے مثلاً چوری ہو گئی یا آگ لگ گئی یا کسی اور آفت کی نذر ہو گئی۔ اللہ کریم فرمائیں گے میرا بندہ سچا ہے۔ آج تیرے قرض ادا کرنے کا سب سے زیادہ مستحق میں ہی ہوں۔ پھر اللہ کریم کوئی چیز منگوا کر اس کی نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دے گا جس سے نیکیاں برائیوں سے بڑھ جائیں گی اور اللہ کریم اسے اپنے فضل سے جنّت میں لے جائے گا۔[۴۶]

۷: فی سبیل اللہ:

اللہ کریم کی راہ میں سے مُراد وہ مجاہدین اور غازی ہیں جن کا دفتر میں کوئی حق نہ ہو۔ حاجی بھی اللہ کریم ہی کی راہ میں شامل ہے۔ دفتر سے مُراد سرکاری خزانہ کا رجسٹر ہے۔

۸: ابن السبیل

وہ مسافر مراد ہے جو سفر میں بے سروسامان رہ گیا ہو۔ اُسے بھی مال زکوٰۃ سے اتنی رقم دی جائے جس سے وہ اپنے شہر پہنچ سکے۔ گو وہ اپنے ہاں مالدار ہی ہو، یہی حکم ان کا بھی ہے جو اپنے شہر سے سفر کو جانے کا قصد رکھتے ہوں لیکن مال نہ ہو تو انہیں بھی سفر خرچ مال زکوٰۃ سے دینا جائز ہے جو اسے آمد و رفت کے لئے کافی ہو۔ آیت کے اس لفظ کی دلیل کے علاوہ

---

[۴۵] صحیح مسلم: حوالہ بالا

[۴۶] احمد بن حنبل، مسند، بحوالہ ابن کثیر۔ تفسیر سورۃ التوبہ، آیت نمبر ۶۰۔

ابو داؤد وغیرہ کی یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مالدار پر زکوٰۃ حرام ہے بجز پانچ قسم کے مالداروں کے۔ ایک تو وہ جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر ہو۔ دوسرا وہ جو مالِ زکوٰۃ کی کسی چیز کو اپنے مال سے خرید لے۔ تیسرا قرضدار۔ چوتھا اللہ کریم کی راہ کا غازی مجاھد۔ پانچواں وہ جسے کوئی مسکین بطور تحفے کے اپنی کوئی چیز جو زکوٰۃ میں اُسے ملی ہو دے۔ اور روایت میں ہے کہ زکوٰۃ مالدار کے لئے حلال نہیں مگر فی سبیل اللہ جو ہو اور جو مسافرت میں ہو۔ اور جسے اس کا کوئی مسکین پڑوسی بطور تحفہ ھدیے کے دے یا اپنے ہاں بلا لے۔[۴۷]

۲: جزیہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بیت المال کا دوسرا مالی ذریعہ جزیہ تھا۔ جزیہ کا ٹیکس اُن اہلِ کتاب پر لگایا جاتا تھا جو دینِ اسلام کی نعمت سے تو بہرہ ور نہ ہوتے مگر اسلامی ریاست کے باوفا شہری بن کر رہنے کا عہد کرتے تھے۔ دراصل عرش کے کریم سلطان عظیم و جلیل پروردگار نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زمین پر اپنی حاکمیت کو قائم کرنے اور اس کریم کے بندوں کو خود ساختہ خداؤں اور آقاؤں کی بندگی سے نکال کر اس کریم سلطان کی بندگی میں داخل کرنے کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں دس سالہ قیام کے دوران مصائب برداشت کر کے دعوت و تبلیغ کا کام جاری رکھا۔ اور آپ کے پیروکار نہتے مسلمان بھی اس مشقِ ستم کا نشانہ بنتے رہے۔ مگر ہجرت مدینہ منورہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت ملی تو آپ نے بالجبر اسلام قبول کرانے کی بجائے کفار کے سامنے تین راستے کھول دیئے: اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے بھائی بن جائیں اور یوں دنیا و آخرت میں عزت والے بن جائیں یا اسلامی ریاست کے مطیع و فرمانبردار شہری بن کر رہیں اور جزیہ ادا

---

[۴۷] ابن کثیر، تفسیر سورۃ التوبہ: زکوٰۃ کے بقیہ اہم مسائل کے لئے کتاب کے آخر میں منسلک ضمیمہ اوّل ملاحظہ ہو۔

کریں یا میدانِ کارزار میں آکر جگر آزمائیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ صرف کفار اہل کتاب (عیسائی و یہود اور مجوس) سے قبول کیا۔ اس میں عرب اور غیر عرب کی تمیز نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران ایلہ، دومۃ الجندل اور اہل یمن کے عیسائیوں، یہود اور مجوس سے جزیہ لیا۔ مشرکین جزیہ دے کر اسلامی ریاست میں شرکت نہیں کر سکتے تھے۔[۴۸]

جزیہ کی تعریف

جزیہ اس معمولی رقم کا نام تھا جو اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری اسلامی ریاست کی طرف سے ان کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کے معاوضہ کے طور پر دیا کرتے تھے۔ ایسے شہریوں سے اسلامی ریاست کی دفاعی ضروریات کا مطالبہ نہیں کیا جاتا تھا۔ جب مسلم رعایا خون اور جان کا نذرانہ اسلامی ریاست کے دفاع کے لئے اور زکوٰۃ کا مالی ٹیکس معاشرہ کی معاشی بدحالی سے دفاع کے لئے پیش کرتی ہے اور جب غیر مسلم شہری داخلی اور خارجی امن و سلامتی سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو عقل تقاضہ کرتی ہے کہ غیر مسلم رعایا بھی اس امن و سلامتی کو باقی رکھنے میں معاونت کریں۔ یہ معاونت مالی تعاون کی صورت میں ہو سکتی ہے اس مالی معاونت کے لئے جو ٹیکس عائد کیا جاتا ہے اس کا نام جزیہ تھا۔

جزیہ کی نوعیت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جزیہ کا کوئی منظم طریق کار نہ تھا، نہ ہی اس کے اصول و قوانین مرتب ہوئے تھے۔ نہ ہی جزیہ میں لی جانے والی کسی جنس کا تعین کیا گیا تھا

---

[۴۸] ابن اثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم: الکامل فی التاریخ۔ طبع اوّل، ج ۲، مطبع منیریہ ۱۳۴۹ھ ص ۱۹۱

نہ ہی مقدار مقرر تھی۔ جزیہ کی نوعیت کی مندرجہ ذیل تین صورتیں سامنے آتی ہیں؛

ا: کبھی سونا کی شکل میں جزیہ لیا گیا۔ جیسے یمن، ایلہ، اذرح اور تبوک کے یہودیوں سے لیا گیا۔[۴۹]

ب: کبھی زیورات، کپڑوں، بھیڑ بکریوں اور ایندھن کی صورت میں لیا گیا۔ جیسے مقنا اور عیسائیوں سے لیا گیا۔[۵۰]

ج: بعض صورتیں ایسی ہیں کہ جزیہ کا بدل ایک مخصوص حصہ پیداوار اور کمائی لے لیا جاتا تھا مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مقنا (خلیج عقبہ کے شرقی ساحل پر یہودیوں کی آبادی تھی) کو گرامی نامہ تحریر فرمایا کہ: تم لوگوں پر کھجور کے باغوں کی پیداوار، بحری شکار اور کاتتے ہوئے سوت کے ¼ حصہ کی ادائیگی واجب ہے۔ اس کی ادائیگی کے بعد تم ہر قسم کے جزیہ اور بے گار سے مستثنیٰ ہو گے۔[۵۱]

وصولی کا طریقہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں وصول کا کوئی ایک مقررہ طریقہ نہ تھا۔ بہر حال دو صورتیں ایسی سامنے آتی ہیں جن کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذمیوں سے جزیہ لیا کرتے تھے:

---

[۴۹] ابن عساکر: ابوالقاسم علی بن الحسین: التاریخ الکبیر، مطبع روضۃ الشام ۱۳۲۹ھ، ج: ۱، ص: ۱۱۴ - ۱۱۵۔

[۵۰] ابن اثیر: ج ۲، ص ۱۹۱، البلاذری: ابوالحسن (م ۲۷۹ھ) فتوح البلدان، طبع اول، مصر ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۲ء، ص ۷۱ - ۷۵

[۵۱] البلاذری: فتوح البلدان، ج ۱، ص ۶۰

و: کبھی پوری بستی یا آبادی پر ایک مقدار مقرر کر دی جاتی۔ جیسے اہل یمن، ایلہ، تبالہ اور جرش کے یہود سے لیا گیا۔ یہاں ہر بالغ پر ایک دینار یا اس کی قیمت کے برابر کوئی جنس۔

ب: کبھی تمام آبادی میں سے بالغ اور کمانے والے افراد کی تعداد معلوم کر کے ان پر فی کس ایک دینار یا اس کی مالیت کے مساوی کوئی اور جنس لے لی جاتی [۵۲]

اس سلسلہ میں ابن قیم کی یہ روایت قابلِ ذکر ہے:

بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذا الی یمن وامرہ ان یاخذ من کل حالم دیناراً او قیمتہ معافر وھی ثیاب معروفۃ [۵۳]

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار وصول کریں یا اس کی قیمت کے برابر معافر ہیں۔ معافر کپڑوں کی معروف قسم تھی۔"

بیت المال کی ضرورت اور اہلِ ذمہ کی حالت

مقدار جزیہ کے گھٹنے بڑھنے میں بیت المال کی ضرورت اور اہلِ ذمہ کی مالی حالت کا بڑا خیال کیا جاتا تھا۔ اگر مسلمانوں کی معاشی ضروریات زیادہ ہوتیں تو مقدار جزیہ میں اضافہ کر دیا جاتا۔ اور اگر مسلمانوں کی مالی ضرورت قدرے بہتر ہوتی تو مقدار جزیہ گھٹا دیجاتی [۵۴]

اسی طرح اگر اہلِ ذمہ کی مالی پوزیشن بہتر ہوتی تو ان سے قدرے زیادہ شرح وصول کر لی جاتی اور اگر ان کی مالی حالت کمزور ہوتی تو معمولی شرح جزیہ لگائی جاتی [۵۵]

---

[۵۲] البلاذری: فتوح البلدان، ص ۷۰-۷۱

[۵۳] ابن اثیر: تاریخ، ج ۲، ص ۲۶۱ [۵۴] ابن قیم: زاد المعاد، ج ۲، ص ۲۲۴

[۵۵] عبداللطیف بدوی عوض: النظام المالی الاسلامی المقارن، المجلس الاعلی للشئون الاسلامیۃ، قاہرہ ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء، ص ۳۳

وصولی کا وقت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں وصولی جزیہ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ جنگ میں فتح پانے کے فوراً بعد وصول کر لیتے۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ ایلہ، اہلِ جرباء اور اہلِ اذرح سے وصول کیا تھا۔[۵۷] اور اکثر اوقات بعد میں وصول فرمایا کرتے تھے۔[۵۸]

غنائم کا خمس

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بیت المال کا تیسرا مالی ذریعہ غنائم Spoils of War کا خمس (⅕) تھا۔ یہ اللہ کریم کی طرف سے آپ کو عنایت کردہ حق تھا۔★ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل زمانہ جاہلیت میں بھی حاکم وقت یا رئیس قبیلہ غنیمت کا چوتھائی لیتا تھا اور اس میں تمام قیمتی اشیاء وہ اپنے لئے چُن لیتا اور جو تقسیم سے بچ جاتا یا بچا لیا جاتا

---

۵۶ حوالہ بالا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی یہی کیفیت رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جزیہ کی مقدار اور جنس کا تعین کر دیا تھا۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں میری کتاب "اسلام کا نظامِ محاصل" شائع کردہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور۔

۵۷ اتاہ ایلۃ فصالحہ واعطاہ الجزیۃ واتاہ اہل جربا و اذرح واعطوہ الجزیۃ
زاد المعاد، ج ۲، ص ۵۔

★ واعلموا انما غنمتم من شیءٍ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن

"اور معلوم رہے کہ تم کو کسی چیز سے بھی کچھ مالِ غنیمت ملے سو اس میں پانچواں حصہ اللہ کریم کے واسطے ہے اور رسول کریم کے واسطے اور

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وہ اس کے قبضہ میں آتا۔ ** مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم غنیمت کے نظام میں بھی اصلاحات فرمائیں جن کے دوررس و خوشگوار معاشی اثرات پڑے۔ دوسرے دورِ جہالت میں غنیمت کا سال صرف اسی کا حصہ تھا جو لوٹ لیتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حق ساری فوج کو دیا۔

۱: سرکاری خزانہ یا بیت المال کو چوتھائی (¼) کی بجائے پانچواں حصہ (⅕) ملے گا۔ اس کا دوہرا فائدہ ہوا۔

الف: مسلمانوں کو کافروں کے خلاف جہاد کرنے کی تشویق ہوئی۔

ب: کفار کو شوق دلایا گیا کہ وہ بھی اسلامی لشکر میں شامل ہو کر مالِ غنیمت میں سے حصہ وافر لے سکتے ہیں۔ اور یہ وافر ملنا بھی یقینی تھا۔ لہٰذا جب کفار کا مقصد مالِ غنیمت کی خاطر لڑنا ہے تو وہ مقصد اسلامی فوج کے خلاف لڑنے کی بجائے ان کے ساتھ مل کر لڑیں اور حاصل کریں۔

۲: مالِ غنیمت انفرادی کی بجائے اجتماعی مال قرار دیا۔ حتیٰ کہ اس میں سے ایسے افراد کو بھی حصہ دیا گیا جنہوں نے کسی شرعی عذر سے عملاً لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا۔ مثلاً بدر کے مالِ غنیمت میں سے چند ایسے اشخاص کو حصہ ملا جو لڑ نہ سکے۔ یہ تفصیل باب ۶ میں بدر کے مالِ غنیمت کے ذیل میں درج ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

السَّبِیل۔ (الانفال (۸) : ۴۱)

ان کے قرابت والوں، اور یتیموں اور مسافروں کے واسطے۔"

غنیمت شریعت مطہرہ کی تعریف میں ہر اُس مال کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو کفار سے بذریعہ غلبہ اور قوت ملتا ہے: "الغنیمۃ فی شرعۃ الاسلام کل مال وصل الی المسلمین من الکفار عن طریق الغلبۃ والقوۃ" (یحییٰ بن آدم قرشی: کتاب الخراج، ص ۱۷-۱۹۔

** اس بارے میں چند معلوماتِ مفیدہ اور حوالہ کے لئے ایک اموی شاعر کا شعر باب اوّل میں ملاحظہ فرمائیں:

۳: سپہ سالار اور عام سپاہی برابر تھے لہٰذا معاشی مصنوعی تفاوت ختم کرنے کی ایک کوشش کی گئی۔

۴: گھڑسوار کو زیادہ اور پیدل کو کم دیا گیا۔ جس کا مقصد جہاد کے لئے گھوڑے پالنے کے شوق کی حوصلہ افزائی کرنا تھا۔

۵: بیت المال یا سرکاری خزانہ کا حصہ (۵/۱) بھی رئیس دولۃ کا ذاتی حصہ نہیں قرار دیا گیا۔ بلکہ مصالح عامہ پر خرچ کرنے کے لئے تھا۔

اموالِ غنائم کا سلسلہ اللہ کریم نے ہجرت مدینہ منورہ اور مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کی تاسیس کے بعد فرمایا۔ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو جہاد بالسیف کی اجازت نہ تھی۔ لہٰذا مسلمان سہمے ہوئے زندگی کے دن گذار رہے تھے۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد ان کی خود اعتمادی، بے باکی اور جرأت میں اضافہ ہوا۔ انہوں نے کفار اور یہود سے جہاد کیا۔ جنھوں نے اسلام قبول کر لیا وہ ان کے بھائی بن گئے اور جو لڑے بھڑے ان کے اموال بطور غنیمت حاصل کئے گئے جو اسلام اور مسلمانوں کی شوکت اور غلبہ کا موجب اور کفار کی معاشی بدحالی اور پریشانی کا موجب بنے۔

اسلام میں سب سے پہلے غنیمت حضرت عبداللہ ابن جحش رضی اللہ عنہ کے سریہ کے نتیجے میں آئی۔ اس کا ذکر باب ۶ میں سرایا کے عنوان کے تحت کیا جا چکا ہے۔ پہلا خمس (۵/۱) غزوہ بدر کے موقع پر لیا گیا۔ یہ رائے امام بخاریؒ اور ابن جریرؒ کی ہے۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان دو اونٹوں کے بارے میں جن کے کوہانوں کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کاٹ ڈالا تھا یہ منقول ہے کہ ان میں سے ایک اونٹنی انہیں بدر کے خمس میں سے ملی تھی۔ ابن کثیرؒ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے[۵۸]

ابو عبید قاسم بن سلامؒ اور بعض دیگر علمائے اسلام (جن میں واقدیؒ بھی شامل ہیں) کی رائے ہے کہ پہلا خمس غزوہ بنو قینقاع میں ملا۔ کیونکہ اس غزوہ سے پہلے تو خمس کے احکام

---

۵۸ بخاریؒ: صحیح، غزوہ بدر۔ ابن کثیرؒ: البدایۃ والنھایہ، ج ۳، ص ۳۰۱ - ۳۰۳۔

ہی نہیں اُترے تھے۔ (واقدی، ص ۲۱۶) البتہ یہ بات محقق ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد پہلا خمس (۱/۵) ضرور غزوہ بنو قینقاع کے دن ملا تھا۔

غنائم کی تقسیم

بیت المال کا خمس (۱/۵) نکال لینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیہ ۴/۵ غانمین اور مجاہدین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ گھوڑ سوار مجاہدین کو تین حصے (دو حصے گھوڑے کے اور ایک حصہ مجاہد کا) اور پیدل کو ایک حصہ دیا جاتا۔ جو مجاہد کافر مشرک کے کپڑے اور اسلحہ وغیرہ چھین کر لاتا وہ اُسی کا ہوتا۔ البتہ اس سے بھی خمس ۱/۵ کا مطالبہ کیا جاتا۔ ابن اسحاق کی تحقیق کے مطابق یوم بنی قریظہ پہلا غزوہ ہے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس ۳۶ گھوڑے تھے اور اسی موقع پر سوار کے دو حصے اور پیدل کا ایک حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طے فرمایا[۵۹]۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جن بزرگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قومی خدمت (گورنری) نگرانی، نماز کی اقامت وغیرہ کے لئے مقرر فرماتے۔ وہ گو عملی طور پر لڑائی میں شریک نہ ہوتے مگر اموالِ غنیمت میں ان کا حصہ بھی ہوتا۔ مگر یہ حصہ سوار کے برابر ہوتا یا پیدل کے برابر ہوتا تھا اس کی وضاحت نہیں مل سکی[۶۰]۔

اراضیٔ غنیمت کی تقسیم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتوحات دو طرح تھیں:

۱: بذریعہ قرآن فتوحات: مثلاً مدینہ منورہ اور یمن کی فتوحات۔

---

[۵۹] المعاد، ج ۲، ص ۲۱۶۔

[۶۰] حوالہ بالا، ص ۲۱۷۔

۲: بذریعہ سیف فتوحات، مثلاً بنی قریظہ، بنی نضیر، خیبر اور مکہ مکرمہ کی فتوحات۔
وہ فتوحات جو بذریعہ قرآن ہوئیں ان کے اہالیان کی اراضی انہی کے قبضہ میں رہنے دی گئی۔
اور اُن سے کوئی تعارض نہیں کیا گیا۔ جیسے اہل مدینہ منورہ اور اہل یمن کیساتھ سلوک فرمایا۔
البتہ فتوحات بذریعہ تلوار کے علاقوں کی اراضی غنیمت کی تقسیم کے بارے میں آپ کے
دو طرزِ عمل موجود ہیں:

ا: آپ نے بنی قریظہ، بنی نضیر اور خیبر کی اراضی مجاھدین میں تقسیم فرمادی، گو اراضئ خیبر کا آدھا حصہ بیت المال کے لئے رکھا جو مصالح عامہ اور محتاجوں کی کفالت کے لئے تھا۔

۲: آپ نے مکہ مکرمہ کی زمین حسبِ سابق اہل مکہ کے پاس رہنے دی:
اسکی دو وجہیں سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک فقہی وجہ اور دوسری خالصتاً معاشی وجہ۔

ل: فقہی وجہ جو فقہائے اسلام نے بتائی ہے اُس کی رُو سے مکہ مکرمہ کی اراضی اس لئے تقسیم نہیں کی گئی کیونکہ مکہ مکرمہ دارالمناسک (دارالحج) ہے اور یہ وقف علی المسلمین ہے حتیٰ کہ فقہاء کی ایک بہت بڑی جماعت مکہ مکرمہ کے مکانات کو کرایہ پر دینے اور اس کی زمینوں کو اجارہ پر دینے کے خلاف ہے کیونکہ یہ تمام اوقاف المسلمین ہیں۔[۱]

ب: معاشی وجہ یہ ہوسکتی تھی کہ مکہ مکرمہ بےآب وگیاہ وادی ہے۔ اس کی اراضی قابلِ کاشت ہی نہ تھی۔ نہ پانی نہ آلات کشا ورزی۔ لہٰذا ایسی اراضی کو لے کر بھی کوئی کیا کرتا؟ اس کی کاشت کی کوشش تو بلکہ معاشی ذرائع کا ضیاع Wastage of Economic Resources تھا۔ مگر اصل وجہ پہلی ہی ہے۔

---

[۱] زادالمعاد: ج۲، ص ۶۸ - ۶۹ پر یہ ساری بحث مذکور ہے۔

اراضیٔ غنیمت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مستقل آمدن کا ذریعہ بنیں"

یہ تین اراضی تھیں۔ اراضیٔ خیبر، اراضیٔ فدک، وادی القریٰ اور تیما۔
ان تینوں کا مختصر تعارف یہ ہے۔

۱: خیبر کی آمدن

خیبر کی فتح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے یہود کو بے دخل اور جلا وطن کرنے کی بجائے انہیں وہاں رہائش اختیار کرنے کی اجازت اس شرط پر عنایت فرمائی کہ وہ خیبر کی زمین کاشت کریں گے اور تمام زرعی پیداوار (اناج اور پھلوں) کا نصف (½) مسلمانوں کے بیت المال کے لئے ہوگا۔ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم (بالخصوص مہاجرینؓ) کو زراعت کا تجربہ نہیں تھا۔ اور اگر وہ اس کام میں ہاتھ ڈالتے تو زیادہ سے زیادہ وقت اسے دینا پڑتا۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کیساتھ معاہدہ کر لیا۔ اس کی نمایاں شرط یہ تھی کہ یہ معاہدہ اس وقت تک رہے گا جب تک آپ چاہیں گے[۶۲]

۲: فدک کی پیداوار

فدک حجاز کے بالائی حصہ میں دوسرے قصبات کی طرح ایک مستقل ریاست کا درجہ رکھتا تھا۔ اس کی زمین زرخیز اور پیداوار کے لئے مشہور تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی فتح سے فارغ ہوئے تو فدک کی طرف توجہ فرمائی۔ وہاں کے آباد یہودیوں نے نصف (½)

---

[۶۲] ابوداؤد (سنن) کتاب المساقات: اسکی مزید تفصیل کے لئے باب ۶ کا عنوان "غزوۂ خیبر کا غنیمت" پڑھیں۔

پیداوار پر صلح کرنا چاہی۔ آپ نے ان کی پیشکش منظور فرمالی۔ اور اس طرح فدک کی آمدنی بیت المال کا جزو بن گئی۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصالح عامہ پر استعمال فرمایا کرتے تھے [۶۳]

۲ : وادی القریٰ اور تیما کی پیداوار

وادی القریٰ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک کے بعد فتح کیا۔ یہ خیبر اور تیما کے درمیان ایک نو آبادی تھی جسے یہودیوں نے قبل از اسلام آباد کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں سے کہا کہ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو اُن کا جان و مال محفوظ رہے گا۔ مگر انہوں نے مقابلہ کیا۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے بہادری کے جوہر دکھائے، بہت سامال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ یہودیوں کی زمینیں اور باغات ان کے قبضہ میں رہنے دیئے اور ½ حصہ پیداوار پر صُلح کا معاہدہ طے پاگیا۔ [۶۴]

تیما وادی القریٰ اور شام کے درمیان شام کے قریب ایک قصبہ کا نام ہے۔ قدیم زمانے میں شام سے آنیوالے حجاج کرام کے راستہ میں پڑتا تھا۔ یہیں سمؤال (یہودی شاعر) کا مشہور قلعہ "الابلق الفرد" تھا۔

جب اہلِ تیما نے دیکھا کہ اہلِ خیبر، اہلِ فدک اور اہلِ وادی القریٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کرلی ہے تو انہوں نے بھی اپنی خیر صلح میں ہی سمجھی۔ ان کا مال و جائیداد اُنہی کے قبضہ میں رہا۔ البتہ پیداوار کا نصف (½) دیا کرتے تھے [۶۵]
مذکورہ بالا اور بنو نضیر کے نخلستانوں کی آمدن بیت المال کا مستقل ذریعہ آمدن بن گئے۔

---

[۶۳] سیرۃ ابنِ ھشام : ج ۲ : ص ۳۶۸ ۔

[۶۴] زاد المعاد : ج ۱ : ص ۴۰۴ ۔

[۶۵] زاد المعاد : ج ۱ : ص ۴۰۵ ۔

بنو نضیر کا ذکر باب ۶ عنوان "بنو نضیر" کے ذیل میں پڑھ لیں۔

خمس کی تقسیم

قرآنِ مجید نے آیت خمس (جسے شروع حاشیہ میں معہ ترجمہ نقل کر دیا گیا ہے) کی رُو سے خمس کے شرعی حصص مندرجہ ذیل ہیں:

۱: اللہ کریم (للّٰہ)
۲: رسُول کریم (والرسول)
۳: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ قرابت (ولذی القربیٰ)
۴: یتامیٰ (والیتامیٰ)
۵: مساکین (والمساکین)
۶: مسافر (وابن السبیل)

مگر یہاں اللہ کریم کا اسم مُبارک اور حصہ تو صرف برکت اور تعظیم کیلئے ہے اسکے علاوہ پانچ حصے باقی رہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا حصہ اپنی حاجات اور ازواج مطہرات کے نفقات پر خرچ فرمایا کرتے تھے[۶۶]۔ دوسرا حصہ آپ اپنے قرابت داروں میں سے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو عنایت کیا کرتے تھے البتہ بنی عبد شمس اور بنی نوفل کو نہیں دیا کرتے تھے ایک بار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کریم کے رسولِ کریم! ہم اور بنو مطلب اور بنو ہاشم تمام ہی آپ کے ذوالاقارب ہیں مگر آپ بنو مطلب اور بنو ہاشم کو خمس کا حصہ دیتے ہیں ہمیں نہیں دیتے، انہیں ہم پر برتری کی کیا وجہ ہے؟

---

[۶۶] بخاری صحیح، کتاب المزارعۃ۔

آپ نے فرمایا: "وہ لوگ جاہلیت اور اسلام دونوں صورتوں میں میرے ساتھ رہے (یعنی مصائب کے دور میں بھی الگ نہیں ہوئے)[۶۷] باقی تین حصّے یتیموں۔ محتاجوں اور مسافروں کی کفالت پر خرچ کیا کرتے تھے۔

۴: مالِ فئی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے عہدِ مبارک میں اموال فئ بیت المال کا ایک مؤثر مالی ذریعہ تھے جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم مصالحِ عامہ کے لئے خرچ کیا کرتے تھے۔

اَموالِ فئ ان اموال کو کہتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار اور مشرکین سے بغیر جنگ وجدال کے مل جاتے تھے۔ یا جنگ کے بعد ان کی زمینیں ایک مقررہ حصّہ پر ان ہی کے قبضہ میں رہنے دی جاتیں یا ان پر خراج یا جزیہ مقرر کر دیا جائے۔ ان تمام صورتوں میں حاصل شدہ مال کو "فئ" کہا جاتا ہے۔

یہ اموال دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد اسلامی ریاست کے بیت المال کے لئے مخصوص تھے★ اس کی مثال بنو نضیر کے اموال ہیں۔

---

[۶۷] زاد المعاد: ج ۲، ص ۶۵۔

★ اموال فئ اور اس کے مصارف کے بارے میں مندرجہ ذیل قرآنی آیات قابلِ توجہ ہیں؛

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى	ترجمہ: اور جو مال اللہ کریم نے ان (کفار) سے اپنے رسُولِ کریم کے ہاتھ لگوا دیا حالانکہ تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ بلکہ اللہ کریم جس پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو غالب کر دیتا ہے اور اللہ کریم ہر شے پر قادر ہے (لہٰذا) جو مال بھی اللہ کریم

جن میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عیال کے لئے ایک سال کا نفقہ لے لیتے اور باقی جہاد کے اسلحہ اور دیگر سازو سامان پر خرچ فرمادیا کرتے تھے[۱۸] اس تعریف کی رُو سے خیبر، فدک وادی القریٰ اور تیما کی زمینات کی پیداوار کا حصہ بھی "اموال فئ" میں شامل تھا۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ

رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِى الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاۤءِ مِنْكُمْ وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۘ لِلْفُقَرَاۤءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِىْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَ

نے ان بستیوں والوں سے اپنے رسُول کریم کے ہاتھ لگوایا وہ اللہ کریم کے لئے ہے رسول کریم اور اس کے قریبی رشتہ داروں کے لئے ہے اور یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ دولت تم میں سے اغنیاء کے درمیان ہی گردش کرتی رہے اور تمہیں جو کچھ رسُولِ کریم دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس سے وہ منع کر دیں اس سے باز رہا کرو اور اللہ کریم سے ڈرتے رہا کرو یقیناً اللہ کریم کی سزا بڑی سخت ہوگی۔ (یہ مال) ان محتاج مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور ان کے مالوں سے انہیں جُدا کر دیا گیا وہ تو صرف اللہ کریم کا فضل اور اسکی رضا کے متلاشی ہیں اور اللہ کریم اور اسکے رسول کریم کی مدد کرتے ہیں وہی سچے لوگ ہیں اور (یہ مال) ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو (ان مہاجرین سے) پہلے (مدینہ منورہ میں) قیام پذیر ہیں۔ اور انہوں نے ایمان بھی قبول کیا اور وہ مہاجرین سے

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اموال فئی اسی دن تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ شادی شدہ اور بال بچے والوں کو دو حصے اور کنوارے کو ایک حصہ عنایت فرمایا کرتے تھے[۶۹] اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّت کے مصالح کا اندازہ کرتے اور بعض اوقات موقع پر ہی اموال فئی تقسیم فرما دیتے تھے۔

اموال فئی میں سے غرباء کی کفالت، مقروضوں کے قرضوں کی ادائیگی، غیر شادی شدہ کی شادی کرانے اور یتامیٰ اور بیواؤں کی مالی مدد کے لئے خرچ کیا کرتے تھے[۷۰]

انہی اموال فئی میں سے آپ ان لوگوں کو بھی عنایت کرتے جو اسلام میں نئے تھے اور جن کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

يُؤْثِرُونَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ	محبت بھی کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو چیز دی جائے
خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ	اس کے بارے میں اپنے دل میں کوئی تنگی نہیں محسوس
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ	کرتے بلکہ انہیں اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں خواہ
جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ	ان پر فاقہ گذر جائے اور جو نفس کی بخیلی سے بچ گیا
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ	وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور (یہ مال) اُن
سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ	کے لئے بھی جو ان (مہاجرین و انصار) کے بعد آئیں
قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ	گے اور کہتے ہوں گے اے ہمارے پروردگار ہمیں
اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝	بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم
(سورۃ الحشر (۵۹) : ۹۔۱۰)	سے پہلے دین میں داخل ہوئے اور ایمان والوں

کا بیر ہمارے دلوں میں نہ رکھ۔ اے ہمارے پروردگار! تو ہی نرمی کا معاملہ فرمانے والا مہربان ہے“

۶۸ بخاری صحیح : غزوہ بنی نضیر

۶۹ زاد المعاد : ج ۲، ص ۲۲۰ ۷۰ حوالہ بالا : ص ۲۲۲

دل رکھنا مطلوب تھا۔[1]

۵: صدقاتِ نافلہ اور ہنگامی چندے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار جب بیت المال میں مالی وسائل کی کمی ہوتی تو ہنگامی ضروریات جو بالعموم جنگی اخراجات کے لئے ہوتی تھیں کو پورا کرنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے صدقاتِ نافلہ Optional Charities اور ہنگامی چندوں Irregular Contributions سے پورا کیا کرتے تھے کئی بار یہ صدقات چند محتاجوں اور مسافروں کی کفالت اور مصالحِ عامہ کے لئے بھی طلب کئے گئے۔ اور جواب میں صحابہ کرام نے اپنی کمائیاں آپ کے سامنے ڈھیر کر دیں۔ تاریخ اسلام سے ایسی متعدد مثالیں تلاش کی جا سکتی ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقاتِ نافلہ اور ہنگامی چندوں کی ترغیب دی۔

۱: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور مکہ مکرمہ سے مہاجر مسلمانوں کی بھی ایک معتدبہ تعداد ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ کر آباد ہوئی تو آپ نے محسوس فرمایا کہ یہاں مسلمانوں کو پینے کے پانی کی شدید قلت کا سامنا ہے۔ آپ نے مخیّر اور مالدار مسلمانوں کو اس کارِ خیر کی ترغیب دی کہ مسلمانوں کی اس بنیادی ضرورت کی فراہمی کے لئے مدد کریں۔ اللہ کریم نے یہ سعادت اکیلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حصہ میں لکھی تھی۔ اکیلے انہی نے ایک کنواں جس کا پانی بہت شیریں اور ٹھنڈا تھا ایک یہودی سے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔[2]

---

[1] زاد المعاد۔ ج ۲ ؛ ص ۲۲۲

[2] بخاری صحیح ، کتاب العلم ، ۱۴۱

۲: حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک جماعت پیش ہوئی۔ جو ننگے پیر اور ننگے بدن تھے جو چیتے کے کل کی طرح کا صوف یا عبا پہنے ہوئے تھے اور تلواریں حمائل تھیں۔ ان میں سے زیادہ تر قبیلہ مضر کے لوگ تھے۔ ان کے چہروں سے فاقہ کشی کی حالت ٹپکتی تھی۔ ان کی حالتِ زار دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور سُرخ ہو گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اذان دیں۔ جب صحابہ کرامؓ جمع ہوئے تو حجرہ میں داخل ہوئے۔ پھر باہر تشریف لا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے سامنے سورۃ النساء اور سورۃ الحشر کی آیات تلاوت فرمائیں جن کا مدعا یہ ہے کہ اللہ کریم نے تمام انسانوں کو خواہ وہ امیر وکبیر ہوں یا فقیر وصغیر ایک انسان آدم سے پیدا کیا لہٰذا تمام اولادِ آدم آپس میں بھائی بھائی ہیں اور انہیں ایک دوسرے کی مدد کرنا چاہیئے اور انسان کو ڈرنا چاہیئے کہ کل وہ قیامت کے دن کیا کچھ اپنے کریم کے سامنے (خرچ کر کے) لے جا رہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو یہ سُن کر اثر تو ہونا ہی تھا۔ آن کی آن میں اناج و کپڑوں کا ڈھیر لگ گیا ایک انصاری صحابیؓ نے درموں کا ایک توڑا جو اسقدر وزنی تھا کہ اُن سے اُٹھایا نہ جاتا تھا لا کر پیش کر دیا۔ جو ان فاقہ کشوں میں تقسیم کر کے ان کے افلاس کا علاج ہنگامی بنیادوں پر کر دیا گیا[۲۷۳]

۳: غزوہ تبوک کے وقت مسلمانوں کی معاشی بدحالی کا ذکر ہم پہلے باب[۲] میں کر چکے ہیں۔ یہ غزوہ ان حالات میں پیش آیا کہ مسلمانوں کے پاس سوائے جگر آزمانے کے اور مادی وسائل بالکل نہ ہونے کے برابر تھے۔ مگر عزم بالجزم ہو اور جینے کا ڈھنگ آتا ہو تو ایسی مشکلات رنگ راہ نہیں بن سکتیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم کو اسلامی لشکر کے زادِ راہ کی تیاری کی ترغیب دی۔ اکیلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان اور ایک ہزار دینار[★] بارگاہِ نبوی میں لا کر پیش کئے[۲۷۴]۔ آپ خوش

[۲۷۳] مسلم صحیح، کتاب الزکوٰۃ ۔ احمد بن حنبل: مسند، ج ۴، ص ۳۵۸۔

★ اسی باب میں آگے اسکی مزید تفصیلات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی اخراجات، عنوان "غزوۂ تبوک کے جنگی مصارف" کے تحت آئیں گی۔

ہو ہو کر انہیں بار بار پلٹتے اور فرماتے جاتے اس نیکی کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔ اے اللہ کریم! میں عثمان سے راضی، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھر کا آدھا اثاثہ لا کر قدموں میں ڈھیر کر دیا، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دو سو (۲۰۰) اوقیہ چاندی لا کر پیش کی۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے (۷۰) وسق کھجوریں لا کر حاضر کیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا سارا سامان لا کر قدموں پر نچھاور کر دیا۔ جس کی کل مالیت غالباً پانچسو درہم تھی۔ مگر سب پر گوئے سبقت لے گئے[۴۷] دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم نے بھی اپنی اپنی استطاعت کے موافق اس غزوہ کے لئے ہنگامی امداد پیش کی۔

۱۶: قرضِ حسنہ

بیت المال کے مالی ذرائع میں سے ایک کم اہم مگر قابلِ اعتماد ذریعہ سرکاری قرضہ بھی تھا۔ یہ قرضِ حسنہ ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے قرضے عموماً جنگی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے لیئے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مالدار کفار اور یہودیوں سے بھی قرضہ لیا کرتے تھے۔ کفار میں سے آپ نے صفوان، حویطب اور ابن ربیعہ سے جنگی اخراجات پورے کرنے کے لئے قرضہ لیا۔

صفوان بن امیہ سے قرضہ غزوۂ حنین کے موقع پر لیا۔ عبد اللہ بن ربیعہ ابو جہل کے مادر زاد بھائی تھے۔ نہایت دولت مند تھے ان سے تیس ہزار درہم قرض لیئے[۴۸]

---

[۴۷] زرقانی؛ ج ۳، ص ۶۴

[۴۸] احمد بن حنبل؛ مسند، ج ۴، ص ۳۶ علامہ ابن حجر نے اصابہ میں اس روایت کو نقل کیا ہے مگر وہاں قرضہ کی مقدار دس ہزار درہم ہے۔

۱۷۔ اوقاف

اوقاف (واحد وقف ۔ Endowments) بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں بیت المال کا نہایت قابلِ اعتماد ذریعہ بن گئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اوقاف دو قسم کے تھے۔ ایک وہ اوقاف جو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر کئے تھے۔ اوقاف کی ترغیب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے لئے مہمیز کا کام کرتا تھا :

اذا مات الانسان انقطع	ترجمہ : جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے تمام
عنہ عملہٗ الا من ثلاثۃ :	عمل ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر تین اعمال اس سے مستثنیٰ
صدقۃ جاریۃ او علم	ہیں : ایک صدقہ جاریہ، دوسرا علم نافع اور تیسرا
ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ[۲۶]	نیک اولاد جو اس کے لئے ہر وقت دُعا گو رہے۔

صحابہ کرام میں سے مخیر حضرات نے اس دعوت پر لبیک کہا اور اپنی جائیدادیں اللہ کریم کی جائیداد میں منتقل کر دیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ انصار مدینہ میں امیر ترین تھے۔ ان کا ایک کھجوروں کا لدا پھندا باغ جس میں ٹھنڈا اور میٹھا پانی تھا۔ مسجد نبوی شریف کے بالکل قریب تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے اور اس کا ٹھنڈا پانی نوش فرماتے۔ جب قرآنی آیت :

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا	"تم اس وقت تک نیکی اور بھلائی کو ہرگز نہیں پہنچ
مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط	سکتے جب تک تم اپنی وہ چیز خرچ نہ کر دو جو تمہیں
(پارہ ۴)	سب سے زیادہ عزیز ہے"۔ نازل ہوئی۔

---

[۲۶] مسلم صحیح، کتاب الوقف

تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کریم کے رسول کریم! مجھے سب سے زیادہ عزیز اپنا باغ بیرحا ہے وہ آج سے اللہ کریم کے لئے صدقہ (وقف) ہے۔ آپ مختار ہیں۔ جہاں اور جیسے چاہیں اس میں تصرف فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باغ کی آمدن کو انہی کے اعزہ و اقارب کے لئے وقف فرما دیا۔[۷]

دوسری قسم ان اوقاف کی تھی جو بیت المال کے اوقاف تھے۔ یہ سارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اوقاف تھے۔

۱: مخیریق یہودی نہایت مالدار تھے۔ ان کے سات باغات تھے، انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی۔ وہ غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور وصیت کر دی کہ اگر میں اس غزوہ میں مر جاؤں تو میرے اموال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف ہیں۔ وہ اس غزوہ میں قتل کر دیئے گئے۔ ان کے اموال (جن میں سات باغ بھی تھے) آپ کے قبضہ میں آئے۔ آپ نے انہیں مسلمانوں کی فلاح کے لئے وقف کر دیا۔[۸]

۲: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غنیمت میں تین مخصوص و منتخب حصے تھے (جو دراصل اوقاف تھے)

۱: اموال بنی نضیر آپ کے موارث کے لئے وقف تھے۔

۲: اموال (پیداوار) فدک۔ مسافروں کے لئے وقف تھے۔

۳: خیبر کی پیداوار وقف عام تھی۔[۹]

---

[۷] بخاری و مسلم و ترمذی: کتاب الاوقاف۔ فقہائے کرام نے اس قسم کے وقف کو وقفِ اہلی یعنی اقارب کیلئے وقف۔

[۸] مخیریق کا تعارف اور ان کے ساتوں باغات کے نام باب ۳ عنوان "مدینہ منورہ میں آپ کی زندگی" کے تحت ذکر کئے جا چکے ہیں۔ یہاں تکرار مناسب نہیں سمجھا گیا۔ وہاں دیکھ لیں۔

[۹] ابن سعد: طبقات: ج ۲۔ عنوان "اوقاف النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔

گویا مخریق یہودی کے ساتوں باغ، اموالِ بنی نضیر، پیداوار فدک اور پیداوار خیبر کا نصف آپ کے اوقات تھے۔

۴: ابن سعد نے صرف تین کا ذکر کیا ہے۔ مگر وادی القریٰ اور تیما کی پیداوار کا نصف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے مصالح عامہ کے لئے وقف کر رکھے تھے۔ اور یہ بیت المال کی آمدن کا مستقل اور بڑا ذریعہ تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالیاتی پالیسی اور بیت المال کے اخراجات

مالیاتی پالیسی کے نمایاں خدوخال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مالیاتی پالیسی کی نمایاں خصوصیات مندرجہ ذیل تھیں:

۱: جو مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملتا وہ فوراً مستحقین یا ضروری اخراجات پر خرچ فرما دیتے۔ بچا کر رکھنے کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔ دراصل محتاجوں اور ضرورتمندوں کی معاشی کفالت کا خیال مستقبل کی ضروریات پر غالب رہتا تھا۔ لہٰذا آپ ترجیحی بنیادوں پر مستحقین کی ضروریات پوری کیا کرتے تھے۔ علامہ ذہبی کے الفاظ قابل ذکر ہیں:

وان سیاست الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کانت تقتضی بتوزیع المال بفوده ان جاء غدوة لم ینتصف النهار او عشیته لم یبت حتی یقسمہ ۞	ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالیاتی پالیسی یہ تھی کہ جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال آتا آپ فوراً تقسیم کر دیتے۔ یہاں تک کہ صبح کو آتا تو دوپہر نہ ڈھلنے دیتے اور شام کو آتا تو رات نہ گذرنے دیتے۔"

۞ علامہ ذہبی: کتاب دول الاسلام فی تاریخ، حوالہ بالا، ص ۸۔

چند نظائر ملاحظہ ہوں:

ایک دفعہ بحرین سے خراج کی رقم اتنی آئی کہ اس سے پہلے کبھی بھی مدینہ منورہ میں اتنی رقم نہیں آئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسے مسجد نبوی کے صحن میں ڈال دیا جائے۔ آپ مسجد میں نماز پڑھنے تشریف لائے مگر آپ نے اس کثیر رقم پر نگاہ تک نہ ڈالی۔ نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو آپ نے اسے تقسیم فرمانا شروع کر دیا۔ جو سامنے آیا وہ لیتا گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جو غزوۂ بدر کے بعد دولت مند نہیں رہے تھے انہیں اتنا دیا کہ اُٹھ کر چل نہیں سکتے تھے۔ اسی طرح مستحقین میں تقسیم کرتے رہے۔ جب سب تقسیم ہو گیا تو کپڑے جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے[۸۱]

رئیس فدک نے ایک بار غلّہ سے لدے ہوئے چار اونٹ خدمتِ نبوی میں بھیجے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو آپ کے وزیر مالیات بھی تھے نے کچھ غلّہ بازار میں فروخت کر کے ایک یہودی کا قرض اُتارا۔ آپ کی خدمت میں آکر اطلاع کی۔ آپ نے دریافت فرمایا: کیا کچھ بچ رہا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کچھ بچ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا جب تک کچھ باقی ہے میں گھر نہیں جا سکتا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں کیا کروں؟ کوئی سائل ہی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات مسجد میں بسر فرمائی۔ دوسرے دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر عرض کیا: اے رسول کریم! اللہ کریم نے آپ کو سبکدوش کر دیا ہے جس کا مطلب تھا کہ جو کچھ تھا تقسیم ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کریم کا شکر ادا کیا اور اُٹھ کر گھر تشریف لے گئے[۸۲]

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[۸۱] صحیح بخاری: ، ج ۳ ، باب القسمۃ

[۸۲] ابو داؤد: السنن ، باب قبول ھدایا المشرکین۔

ساتھ ایک راستہ سے گذر رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! اگر اُحد کا پہاڑ میرے لئے سونے کا ہو جائے تو میں کبھی یہ پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گذر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی باقی ہو۔ البتہ وہ دینار جو میں قرض ادا کرنے کے لئے رکھ چھوڑوں[۸۳]

اُم المؤمنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو چہرۂ انور متغیر تھا۔ میں نے دریافت کیا اے اللہ کریم کے رسول کریم! خیر ہے؟ فرمایا: کل جو سات دینار آئے تھے۔ شام ہو گئی وہ بستر پر پڑے رہ گئے (تقسیم کیوں نہ کر دیئے گئے)[۸۴]

ایک بار بعد نمازِ عصر خلافِ معمول جلدی جلدی گھر تشریف لے گئے اور پھر فوراً باہر تشریف لے آئے۔ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو تعجب ہوا۔ فرمایا: مجھے نماز میں خیال آیا کہ سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے۔ مجھے ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور وہ پڑے کا پڑا رہ جائے۔ اس لئے گھر جا کر اُسے تقسیم کرنے کا کہہ کر آیا ہوں۔[۸۵]

الغرض اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جو آپ کی مالیاتی پالیسی کے اس نمایاں پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوڑ کر اور بچا کر رکھنے کے حق میں نہیں تھے بلکہ گردشِ دولت Circulation of Wealth کو بہتر تصور کرتے تھے۔

۲: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالیاتی پالیسی کا دوسرا نمایاں پہلو تقسیم دولت میں اصول ترجیح Principle of Preference کی بجائے اصولِ مساوات Principle of Equality پر عمل کرنا ہے۔ اصول ترجیح کا تقاضا یہ

---

[۸۳] صحیح بخاری، کتاب الاستقراض۔

[۸۴] احمد بن حنبل، مسند، ج ۶، ص ۲۹۳

[۸۵] صحیح بخاری: یفکر الرجل الشیئ فی الصلوٰۃ۔

ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو ان کی بعض خدمات یا کسی سماجی، سیاسی یا معاشی برتری کی وجہ سے دوسروں پر تقسیم دولت کے وقت ترجیح دی جائے۔ یہ اصول سرمایہ دارانہ نظام کی تمام بُرائیوں کی اصل وجہ ہے۔ اس اصول کے تحت تقسیم دولت اور ذرائع دولت صرف چند انسانوں یا خاندانوں کی ذاتی ملکیت بن کر رہ جاتے ہیں۔ اور وہ معاشی طور پر کمزور انسانوں کا استحصال کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مُبارک عمل سے اس ظالمانہ اصولِ تقسیم دولت کو روزِ اوّل ہی سے رَدّ فرما دیا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیادی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لئے اصولِ مساوات پر عمل فرمایا۔ اور یوں حقِ معیشت میں غریب اور امیر کو برابر کر دیا۔ احمد شوقی کی قبر پر اللہ کریم کی رحمتیں نازل ہوں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عادلانہ اور خیر خواہانہ عمل کی تعبیر اس طرح کی ہے۔

؎ انصفت اهل الفقر من اهل الغنیٰ   فالکل فی حق الحیاۃ سواء

فلو ان انساناً تخیّر ملۃ   ما اختار الا دینك الفقراء

الا شتراکیون انت امامهم   لولا دعاوی القوم والغلواء

ترجمہ: اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے غریبوں کو امیروں سے پورا پورا انصاف کر کے ان کا حق لے کر دیا اور یوں تمام انسان زندگی کے حقِ (معیشت) میں برابر برابر ہو گئے۔

اگر انسانوں کو اپنی مرضی سے کوئی دین اختیار کرنیکی اجازت دی جاتی تو غُرباء آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا دین اختیار کرتے۔

اشتراکیوں کے امام تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بشرطیکہ ان لوگوں نے بے جا دعوے نہ کئے ہوتے اور حد سے نہ گذرتے۔"

مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مُبارک میں دولت کا سب سے بڑا ذریعہ غنائم Spoils of War تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

پہلے بادشاہ یا سردار غنائم میں سے اچھا مال اور زیادہ مال اپنے لئے چھانٹ لیتے تھے۔ آپ نے ایسا ہرگز نہیں کیا بلکہ سارا مال تمام لوگوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے غنیمت کا ¼ بادشاہِ وقت لیتا تھا مگر آپ نے یہ حصہ گھٹا کر ⅕ کر دیا تاکہ عام لوگوں کو دولت میں زیادہ سے زیادہ شریک کیا جا سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حصہ غنیمت میں ایک عام مجاہد کے برابر کر دیا[۸۶] اور تمام مجاہدین بھی اپنے حصص میں برابر تھے تاکہ تقسیم دولت کی ناہمواریوں کو کم کیا جا سکے۔ البتہ سوار کو تین حصے اس لئے ملتے تھے کہ جہاد کے لئے گھوڑے پالنے کا شوق بڑھے مگر یہاں بھی گھڑ سوار تمام برابر تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اگر دونوں گھوڑ سوار تھے تو مالِ غنیمت کے حصہ میں برابر تھے۔

بیت المال میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات پر صرف اتنا ہی خرچ فرماتے جتنے کی اجازت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب اللہ کے مقرر کردہ احکام سے ملتی۔ اور بیت المال کو اپنا ذاتی خزانہ نہیں تصور فرماتے تھے۔ اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے لوٹ کے ایک بال کا بھی زیادہ مستحق نہیں سمجھتے تھے[۸۷]

حتیٰ کہ اموالِ فئ جو خالصتاً آپ کے لئے تھے وہ بھی آپ نے مسلمانوں کے لئے وقف کر دیئے[۸۸] اگر اموال فئ میں نقد یا اناج ہوتا تو فوراً محتاجوں میں تقسیم فرما دیتے جو لوگ صاحبِ اہل و عیال ہوتے تھے ان کو دو حصے اور مجرّد لوگوں کو ایک حصہ

---

۸۶ ابوداؤد: حکم ارض خیبر: ولرسول صلی اللہ علیہ وسلم مثل سہم واحد ہم؛ (اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی عام لوگوں کی طرح ایک حصہ مقرر تھا)

۸۷ ابوداؤد: کتاب الصلوٰۃ القاعد۔

۸۸ ابن سعد، طبقات: باب اوقافت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ملتا تھا[۸۹]

سچی بات تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا وہ حصّہ بھی بیت المال سے نہ لیا جس کے لینے کی اجازت تھی ورنہ ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کو قسم کھا کر یہ روایت نہ کرنا پڑتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیت کبھی متواتر تین دن گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھا سکے۔ یہاں تک کہ اس دنیا سے پردہ فرمالیا[۹۰] اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کو کہنا پڑا کہ ہم اہلِ بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چاند گذر کر دوسرا چاند نظر آجاتا اور ہمارے گھر میں چولہا نہ جلتا۔ کھجور اور پانی پر ہماری گذر بسر ہوتی تھی[۹۱]

بیت المال کے اخراجات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بیت المال کے اخراجات Expenditure کے الگ الگ اور منظم شعبہ جات نہیں تھے البتہ چونکہ آپ کے مبارک زمانہ میں ذرائع آمدن دو طرح کے تھے۔ ایک وہ جن کے اخراجات کتاب اللہ نے متعین کر دیئے تھے۔ مثلاً زکوٰۃ اور غنائم کا خمس اس لئے ان ذرائع سے حاصل شدہ اموال کو آپ اللہ کی مقرر کردہ مدات Head of Expenditures پر خرچ فرماتے۔ مثلاً زکوٰۃ اپنے مصارف ثمانیہ* پر خرچ کی جاتی تھی اسی طرح غنائم کا خمس اپنی پانچ مدات** پر خرچ کیا جاتا تھا۔

---

۸۹ ابن سعد، طبقات : باب اوقاف النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

۹۰ متفق علیہ، کتاب الزھد۔

۹۱ حوالہ بالا۔

* زکوٰۃ کے مصارف ثمانیہ کا ذکر اس باب میں پہلے ہو چکا ہے۔

** خمس کے مصارف اسی باب میں پہلے بیان کئے جا چکے ہیں۔

دوسری قسم ایسے اموال پر مشتمل تھی جن کا خرچ کرنا اور ان کے اخراجات کا متعین کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اجتہاد اور صوابدید پر تھا۔ مثلاً اموال فئ، صدقاتِ نافلہ ھدایا - Gifts قرضۂ حسنہ، جزیہ، اوقاف وغیرہ کو آپ جہاں اُمّت کی فلاح اور دینِ اسلام کی سربلندی کے لئے بہتر سمجھتے وہاں خرچ فرماتے۔ ان اخراجات کی طرف اسی باب میں بار بار اشارہ کیا جاچکا ہے۔ البتہ آئندہ صفحات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکومتی اور جنگی اخراجات پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے:۔

فصل دوم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکومتی اخراجات

تعارف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکومتی اخراجات کا عنوان جب ہمارے آج کے محترم قاری جس نے سرمایہ دارانہ نظام کے عیاشانہ حکومتی اخراجات دیکھے ہیں تو ضرور اس کا دماغ سوچتا ہوگا کہ شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت بھی وزیروں کی ایک ڈار ہوگی۔ پھر ہر وزیر کا ایک وسیع سیکرٹریٹ ہوگا جس میں سکیلوں Grades پر سوار سیکرٹریوں اور ان کے لاتعداد جونیئرز Juniors کی ایک فوج ظفر موج ہوگی۔ جن کی تنخواہوں اور سفری الاؤنس کے بل کروڑوں سے تجاوز کرتے ہوں گے۔ شاید نیلی پیلی کاروں، رہائش کے لئے وسیع کمیٹ اور قالین زدہ کوٹھیاں ہوں گی۔ جن کی خدمت کے لئے مظلوم اور کم تنخواہ یافتہ عملہ کی ایک بہت بڑی تعداد ہوگی۔ قانون سے بالاتر صدر اور وزیر اعظم اور اُن کے وزراء کے لئے

کئی کئی کاریں اور ان کے ڈرائیورز ہوں گے جن کے اخراجات اربوں تک پہنچتے ہوں گے جنہیں پورا کرنے کے لئے غربت کے بوجھ تلے کراہتے ہوئے عوام پر ہر روز نئے ٹیکس لگائے جاتے ہوں گے۔

مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں سرمایہ دارانہ نظام کی ایسی کوئی گندگی نہیں پائی جاتی تھی۔ وہ سادگی کا زمانہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے وزراء اور اہل کار جنہیں اللہ کریم کی حاضری اور حساب دہی کا خوف ایک خطرے سے عظیم تر تھا وہ قوم اور اُمت کا ایک پیسہ بھی ناجائز اور جائز میں بھی اسراف و تبذیر سے خرچ کرنا ایک لمحہ کے لئے برداشت نہیں کرتے تھے۔ ہاں البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی کم حکومتی اخراجات کر کے اس وقت کی اسلامی ریاست کے افراد کو زیادہ سے زیادہ معاشی سکون اور فلاح کا موقع دیا اور آج کل کے مسلمان حکمران حد سے زیادہ اخراجات کر کے خود بھی پریشان رہتے ہیں جبکہ عوام پر معاشی بدحالی کے منحوس چکروں Vicious Circles of Poverty کی رفتار بڑھاتے جا رہے ہیں۔

شاید بعض افراد کا خیال یہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکومتی اخراجات تو ہوتے ہی نہ ہوں گے اور حکومت شاید پھونک مارنے سے چل رہی ہو گی۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں تمام خطۂ عرب اسلامی ریاست میں شامل تھا۔ جس کی آبادی پچیس (۲۵) لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ اس ریاست کے مخالفین میں فارس کا کسریٰ اور روم کا قیصر بھی تھا جسے اپنے دفاع اور اندرونی استحکام کے لئے بہت بڑے انتظام کی ضرورت تھی۔

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ، عُشر، اور جزیہ وغیرہ کی وصولی کے لئے باقاعدہ عاملین Collectors مقرر کر رکھے تھے (اس کا ذکر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مالیاتی نظام کے تحت کریں گے۔) اور دیگر انتظامی ڈھانچہ بھی تھا جس پر باقاعدہ اخراجات آتے ہوں گے۔ آپ نے مشرکین کہ

اور آخری عمر میں عیسائی حکمرانوں سے ٹکر لینے کے لئے باقاعدہ لشکر تیار کئے اور ان پر اخراجات بھی آئے جن کا ذکر باب ۵، ۶ میں کیا جا چکا ہے۔

اس باب میں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن حکومتی اخراجات کا ذکر کرتے ہیں جن تک تاریخ اسلامی کے مطالعہ کے بعد ہماری رسائی ہو سکی ہے۔ ممکن ہے کوئی عالم زیادہ محنت اور تحقیق کر کے زیادہ معلومات فراہم کر سکے۔

سیکرٹریٹ کے اخراجات

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چند کاتبوں Secretaries پر مشتمل ایک باقاعدہ سیکرٹریٹ - Secretariat - تھا۔ ان میں کم از کم چالیس کاتبینِ وحی تھے کچھ کاتبینِ زکاۃ تھے جو زکوٰۃ کی وصُولی، جانچ پڑتال اعداد و شمار تقسیم وغیرھا کا حساب کتاب Account رکھا کرتے تھے۔ اموالِ غنیمت اور اموالِ خمس کا حساب رکھنے والے بھی تھے[۱] دو تین کاتب آپ کے سفارتی خطوط لکھنے اور جواب تیار کرنے کے لئے مقرر تھے ان سیکرٹریوں میں سے نمایاں حضرت زید بن ثابت، حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت ابی ابن کعب، حضرت علاء ابن الحضرمی، حضرت حنظلہ الاسیدی، حضرت شرحبیل بن حسنہ، حضرت مغیرہ، حضرت عقبہ، حضرت خالد بن سید اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنھم تھے[۲]

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کاتبین کے رئیس تھے اور یہی صیغہ تحریرات کے اصل ذمہ دار تھے ان کی عدم موجودگی میں بعض دوسرے اصحاب لکھتے تھے[۳]

---

[۱] حمید اللہ: ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، جامعہ اسلامیہ، بہاولپور، ص ۱۸۴۔

[۲] طبری، تاریخ: ج ۲، ص ۱۸۲ ذکر من کان یکتب الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[۳] حوالہ بالا۔

گو اس کی صراحت نہیں مل سکی کہ یہ کاتبین تنخواہ دار تھے یا رضا کارانہ اپنی خدمات اسلامی ریاست کے کریم النفس سربراہ کے سپرد کئے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض مثلاً حضرت ابی بن کعب حضرت خالد بن سعید اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنھم کو ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا پڑتا تھا۔ لہٰذا ان کی اپنی اور ان کے اہلِ خانہ کی ضروریات کے لئے کیا انتظام ہوتا ہوگا۔ غالباً وہ بیت المال سے وظیفہ لیتے ہوں گے۔

تعلیمی اخراجات

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں دوسرے ممالک سے سیاسی دستاویز کا تبادلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ اس غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو دوسرے ممالک کی زبانوں کو سیکھنے کی تلقین کی اور انہیں اپنے سیکرٹریٹ کا ترجمان مقرر کیا ترجمانِ اعلیٰ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سریانی زبان پندرہ (۱۵) روز کی قلیل مدت میں سیکھ لی[۴] انہوں نے ایران کے سفیر سے فارسی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم سے حبشی، ایک دوسرے خادم سے قبطی اور ایک تیسرے خادم سے رومی (یونانی) زبان سیکھ لی۔ انہیں اللہ کریم نے آسانی سے عطا فرمایا کہ ان زبانوں کے ماہر بن گئے[۵]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بھی کئی غیر ملکی زبانوں پر عبور رکھتے تھے[۶] ان

---

[۴] ابن کثیر، تاریخ: ج ۵، ص ۳۴۹۔

[۵] کرد علی: الاسلام والحضارۃ العربیہ، ج ۱، ص ۱۶۳۔

[۶] حاکم، مستدرک، ج ۳، ص ۵۴۹، کان لابن زبیر مائۃ غلام و یتکلم مع کل غلام منھم بلغۃ غیر اخری۔

مترجمین کی کفالت کا انتظام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہوں گے۔

آپ کے سیکرٹریٹ میں ایک امین الخاتم (آپ کی مہر کا نگران) بھی مقرر تھا۔ یہ خوشگوار فریضہ حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ الدوسی رضی اللہ عنہ انجام دیتے تھے [۱]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کریم نے معلم بنا کر بھیجا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ پہلی وحی [۲] میں تعلیم کی اہمیت کو صیغۂ امر سے اُجاگر کیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت مسلمہ کی تعلیم و تربیت کے لئے باقاعدہ انتظام کیا۔ ہجرت مدینہ منورہ کے بعد سب سے پہلے مسجد نبوی میں صُفّہ کے نام سے دنیا کی سب سے پہلی اقامتی یونیورسٹی Residential University کی بنیاد رکھی۔ آپ شاید یونیورسٹی کا نام سُن کر چونک جائیں لیکن جب آپ اس یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلبہ کے جنگی، اصلاحی، اداری اور دیگر بے شمار کارناموں کا مطالعہ کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ عظیم کام جو صفہ کی یونیورسٹی نے کیا وہ کوئی دوسری یونیورسٹی انجام نہ دے سکی۔ باب ۲ میں اس پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس یونیورسٹی میں تعلیم مفت تھی۔ ایک بار ایک محترم استاد نے ایک شاگرد سے ایک کمان جہاد کے لئے لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا

"یہ آگ کی کمان ہے"

یعنی استاد تعلیم کے معاوضہ میں شاگرد سے کچھ نہیں لیتا تھا۔ گویا تعلیم مفت تھی۔ اس درسگاہ کے مبارک اساتذہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخراجات آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخیر انصاری صحابہ

---

[۱] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر چاندی کی تھی اور اس پر محمد رسول اللہ کا نقش تھا۔ یہ مہر خلفائے راشدینؓ میں سے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد تک محفوظ رہی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں پانی میں گر کر گم ہو گئی: تاریخ ابن کثیر ج ۵ ص ۳۵۵ - ۳۵۶

[۲] اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔ (سورۃ العلق : ۱)

ترجمہ: پڑھ اپنے پروردگار کے مُبارک نام سے جس نے پیدا کیا۔

کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے پورے کیا کرتے تھے۔ باب ۲ میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

آپ اس دور میں بھی تعلیم کو تمام سطح Massive Scale پر دیکھنا چاہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقصد کے لئے صحابہ کرام کی جماعتیں باہر دیہاتوں میں بھیجا کرتے تھے یہ لوگ دن کو لکڑیاں چُن کر اپنی معاشی ضروریات پوری کرتے اور رات کو لوگوں کو دین کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ (بخاری کتاب المغازی، غزوہ ذات الرجیع)

بعض اوقات مختلف قبائل کی درخواست پر آپ ان کے ہاں اساتذہ کرام مبعوث کرتے جن میں سے بعض کو کفار اور مشرکین نے دھوکہ سے شہید بھی کر دیا جیسا کہ باب ۶ میں عضل اور قارۃ کے قبیلوں کی درندگی کے واقعات میں گذر چکا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض حالات میں تعلیمی اخراجات اس صورت میں کئے کہ آپ نے ملنے والی مالی آمدن کو تعلیم دلوانے کے عوض معاف کر دیا۔ مثلاً بدر کے قیدیوں میں سے جو پڑھے لکھے تھے ان کے ذمہ یہ لگا دیا گیا کہ وہ دس دس افراد کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں یہی ان کا فدیہ ہے باب ۶ میں یہ گذر چکا ہے۔

مختلف صوبوں میں مقررہ والیان اور گورنروں کے ذمہ یہ لگا دیا گیا تھا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں لوگوں کی تعلیم کا انتظام کریں۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو انہی ھدایات کے ساتھ یمن بھیجا گیا تھا۔ جن کے ماتحت حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو تعلیم کا انسپکٹر جنرل بنا کر بھیجا گیا۔ وہ ہر گاؤں میں تعلیم کا انتظام کرتے [۵] اسی طرح دیگر علاقوں میں کیا گیا۔ ظاہر ہے اس طرح مقرر کئے جانے والے اساتذہ یا منتظمین کی کفالت بیت المال سے ہی ہوتی ہوگی یا مقامی مسلمان آبادی یہ کارِ خیر انجام دیتی ہوگی۔

---

[۵] حمید اللہ، ڈاکٹر: خطباتِ بہاولپور، پہلا ایڈیشن، ص ۱۸۴ (ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن میں تعلیم کے لئے روانہ فرمایا۔

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو:

مدینہ منورہ کے لوگوں کی تعلیم کے لئے حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا۔

عدالتی اخراجات

عدل اور انصاف اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ انصاف سستا اور جلد ہونا چاہیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دور میں گو اسلام کی اعلیٰ ترین عدالت کے اعلیٰ ترین جج تھے مگر آپ تک رسائی کے لئے بلاتمیز رنگ و نسل اور امارت و غربت تمام انسانوں کے لئے یکساں مواقع تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عدالتیں تین قسم کی تھیں:

۱: عدالتِ اصلاح

یہ اوّلین عدالت تھی جس کا مقصد اسلامی معاشرہ کے افراد میں عدالت کے ذریعے اصلاح کا پروگرام آگے بڑھانا تھا تاکہ ان کے درمیان تباہ کن اختلافات پیدا نہ ہوں اور ایسے اختلافات کو عدالتِ اصلاح کے ذریعے ختم کر دیا جاتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں عدالتِ اصلاح کا کام نمازِ ظہر کے بعد کیا کرتے تھے[۹] اور دوسرے علاقوں میں آپ کے مقرر کردہ قضاۃ بھی یہ کام

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: مگر دونوں کو اکٹھا نہیں، بلکہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو مشرقی یمن اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو مغربی یمن یعنی عدن اور جند کے علاقہ میں تعلیم کے لئے بھیجا۔) (بحوالہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی: سیرۃ المصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۳، لاہور ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء، ص ۱۴۲)

۹ھ ابن عبدالبرّ: الاستیعاب، ج ۱، ص ۲۹۳، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۱۸ھ

ملا علی قاری: فتح الباری، ج ۱۳، ۱۵۵، باب الامام یأتی قوم فیصلح۔

کیا کرتے تھے۔[۱۰]

ب: عدالت اصلاح بین الناس

یہ عدالت قانونی دعاوی سن کر صلح کرانے کی تمام ممکنہ اخلاقی کوششیں کرتیں اور ناکامی کی صورت میں نزاعی مقدمات کو مصالحت کے اصول پر طے کرتی۔ اور اس مقصد کے لئے قانون سے پورا کام لیتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی [illegible] عدالتِ اصلاح کی ذمہ داریوں کو کبھی تنہا اور کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مجلس سے مل کر نبھایا۔ آپ نے اسی عدالت کے ذریعے بنی عمرو اور بنی عوف کی صلح کرائی اور اسی طرح اہلِ قبا کی صلح کرائی۔[۱۱]

ج: عدالت تحکیم

یہ عدالت فریقین کی مرضی اور ثالثی کے اصول پر فریقین کے دعووں کا فیصلہ کرتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائع اور مشتری کے جھگڑے اسی عدالت کے تحت طے کرائے۔[۱۲]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مذکورہ بالا عدالتوں کے دائرہ کار کو تمام اسلامی ریاست میں عام کرنے کے لئے مختلف صوبوں کے صدر مقامات پر قضات Judges مقرر فرماتے چند مشہور عدالتوں کے مقامات اور قاضیوں کے نام یہ ہیں:

---

[۱۰] بیہقی: السنن الکبریٰ، ج ۱۰، ص ۸۶۔ آداب القاضی: بعث رسول صلی اللہ علیہ وسلم العمال والقضاۃ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گورنروں اور ججوں کا تقرر فرمایا کرتے تھے۔)

[۱۱] عمدۃ القاری، ج ۲، ص ۴۰۲۔ ۴۰۶

[۱۲] التاج الجامع [illegible] التحکیم۔

عدالت نجران

اس عدالت کے جج امین الامّت حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے۔ نجران کے عیسائیوں نے اسلامی ریاست کے ذمّی بن کر رہنا پسند کیا اور یہ شرط بھی عائد کی کہ ان کے نگران اور جج وہ خود ہی مقرر کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد انہوں نے غیر جانبدار مسلمان جج کے تقرر کا مطالبہ کر دیا۔ لہٰذا حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا تقرر عمل میں آیا۔ اس عظمتِ کردار کے مالک جج نے اس خوش اسلوبی سے فیصلے کئے کہ اہلِ نجران جنہوں نے اسلام قبول نہ کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا خود بخود حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے۔[۱۳]

عدالتِ یمن

اس عدالت کے لئے حضرت علی، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم مختلف اوقات میں مقرر کئے گئے۔[۱۴]

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی اسی قسم کی ایک عدالت کے جج مقرر کر کے بھیجے گئے تھے۔[۱۵]

اس عدالتی نظام کو چلانے اور قاضیوں کی کفالت کا انتظام بیت المال سے ہوتا تھا۔

امورِ داخلہ کے اخراجات

کسی بھی ریاست کے اندرونی استحکام و ترقی اور بیرونی دنیا میں اس کے وقار کا انحصار

---

[۱۳] بیہقی : ج ۱۰، ص ۸۶، ادب القاضی۔

[۱۴] حوالہ بالا۔

[۱۵] سرخسی : المبسوط، ج ۱۶، ص ۶۰۔ علامہ عینی : عمدۃ القاری : ج ۱۱، ص ۳۸۶ تا ۴۰۴

سب سے زیادہ اس کے داخلی معاملات پر ہوتا ہے۔ اندرونی خلفشار اور بدنظمی بیرونی دنیا میں بے وقاری کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس پر حکومت کے بہت زیادہ اخراجات آتے ہیں لیکن انہیں داخلی امن اور خوشحالی کی خاطر بخوشی قبول کیا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو سب سے پہلے اس کے داخلی استحکام اور امن کی خاطر مدینہ منورہ کو اس کا دارالخلافہ قرار دیا جس کا نام مدینہ اور قبۃ الاسلام رکھا اور اسے حرم قرار دیا[16] اور یوں اس دارالخلافہ کو معنوی امن مل گیا جسے صوری بنانے کے لئے آپ نے میثاقِ مدینہ تیار کیا اور یہود مدینہ منورہ اور آس پاس کے قبائل کو اس کا پابند بنایا۔ اور جب اللہ کریم نے اپنا کرم کر کے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تمام جزیرۃ العرب پر غلبہ عنایت فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے داخلی استحکام کو مضبوط بنانے کے لئے ملک کو بارہ صوبوں میں تقسیم کیا۔ اور ہر صوبہ کا الگ الگ حاکم مقرر کیا اور اس نظام کے تمام اخراجات بیت المال سے پورے کئے جاتے تھے[17] اس کی تائید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واضح ارشاد سے ہوتی ہے۔

---

[16] وفاء الوفاء، باخبار دار المصطفیٰ۔ ج ۱۔ ص ۷۔ ۸

[17] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ مبارک میں مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کو مندرجہ ذیل صوبوں میں تقسیم فرمایا اور ہر ایک کا الگ الگ گورنر مقرر کیا۔ گورنروں کے نام بھی درج کئے جا رہے ہیں:

صوبہ	گورنر	صوبہ	گورنر
مکہ مکرمہ	عتاب بن اُسید انصاریؓ	نجران	سفیان بن حربؓ۔ عمرو بن الحزمؓ
طائف	مالک بن عوفؓ۔ عثمان بن العاصؓ	صنعاء (یمن)	باذان العجمیؓ۔ مہاجر بن امیہؓ
بحرین	العلاء الحضرمیؓ	السواحل	ابو موسیٰ اشعریؓ
عمان	عمرو بن العاصؓ	جند	معاذ بن جبلؓ

باقی اگلے صفحہ پر

من كان لنا عاملا فليكتسب زوجة فان لم يكن له خادم فليكتسب خادما فان لم يكن له مسكن فليكتسب مسكنا ومن اتخذ غير ذالك فهو غلول [18]

"جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بیوی کا خرچ لینا چاہیئے۔ اگر اس کے پاس خادم نہ ہو تو خادم رکھنے کا معاوضہ لے۔ اگر اس کا ذاتی مکان نہ ہو تو مکان کا کرایہ لے۔ البتہ اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہوگا۔"

حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ گورنروں، قاضیوں اور دیگر سرکاری ملازمین کو تنخواہ دیا کرتے تھے:

عن بريدة رضي الله عنه عن النبي الكريم صلى الله عليه وسلم قال: من استعملناه على عمل فرزقناه رزقا فما اخذ بعد ذالك فهو غلول [19]

"حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو ہم کسی کام پر مقرر کریں اور اسے معاوضہ (تنخواہ وغیرہ) دیں تو وہ اس معاوضہ کے باوجود بھی اگر کچھ لیتا ہے تو وہ خیانت ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکاری کام پر لگایا اور آپ کو معاوضہ دیا:

قال عمر رضي الله عنه عملت على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم

"میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں (سرکاری) کام کیا اور آپ نے مجھے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

وادی القری	عمرو بن سعید بن العاص	یمامہ	ثمامہ بن اثال رض
تیما	یزید بن ابی سفیان رض	حضر موت	زیاد بن عبید انصاری رض

حوالہ: صحیح بخاری: ما کان یبعث من الامراء ۔ فتح الباری، ج ۱۳، کتاب التمنی، ص ۲۰۵، طبع مصر

[18] حوالہ بالا۔

[19] حوالہ بالا۔

فصلی [۲۰] ... مختانہ دیا"

اگرچہ اس دور میں تنخواہوں یا الاؤنسوں Allowances کا ماہانہ یا سالانہ نظام نہ تھا۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گورنروں اور قاضیوں کے لئے معاوضہ کی مختلف صورتیں طے کر دیتے تھے۔ مثلاً:

حضرت قیس بن مالک ارحبی رضی اللہ عنہ جب ہمدان کے گورنر مقرر ہوئے تو آپ نے اُن کے لئے جبل نسار کے محصولات میں دوسو (۲۰۰) صاع اناج اور خیوان کے انگوروں کے محصولات میں سے دوسو (۲۰۰) صاع مقرر کر دیئے۔ ان کے بعد آنے والے حضرات کیلئے بھی ایسا ہی کیا گیا[۲۱]

البتہ نقد وظیفہ مقرر کرنے کی ابتداء حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ سے ہوئی جب انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کا گورنر مقرر فرمایا تو ان کے لئے یومیہ ایک درہم مقرر کیا[۲۲]

---

[۲۰] حوالہ بالا

[۲۱] عربی عبارت: قد استعمل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم قیس بن مالک الارحبی رضی اللہ عنہ علی قومہ ھمدان، قد اقطعہ من ذرۃ نسار ماتی صاع ومن زبیب خیوان ماتی صاع کذالک رزقاً دائماً ولعقبہ بعد ذالک۔

کرد علی: الاسلام والحضارۃ العربیۃ: ج ۲، دارالکتب المصریۃ، ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۶، ص ۹۹۔

بلاذری کی تحقیق کی رو سے نسار بنی عامر کے پہاڑ یا چشمہ کا نام ہے۔

معجم البلدان ج ۴۔ ص ۵۰۲، ج ۸۔ ص ۲۸۴، طبع مصر، ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۲ء/

یاقوت حموی کے مطابق نسار یمن میں ایک مقام کا نام ہے۔ ان کے نزدیک ذرہ (جس کا ذکر اد پر عربی عبارت میں کیا گیا ہے جزیرۃ العرب کا محصول نہیں۔ البتہ یمن میں اس کا رواج تھا۔

[۲۲] ڈاکٹر عبداللطیف بدوی عوض: النظام المالی الاسلامی المقارن، مصر ۱۳۹۲ھ ۱۹۷۲ء/ ص ۱۰۳۔

شاید اس کے ساتھ اناج وغیرہ بھی ہوگا۔ واللہ اعلم

امن عامہ کے قیام کے لئے پولیس (شرطۃ) کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگرچہ پولیس کا باقاعدہ محکمہ تو اموی دور میں قائم ہوا۔ اور خلافتِ راشدہ کا دور بھی اس محکمہ کے اثرات سے خالی رہا۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کی خدمات حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ انجام دیا کرتے تھے اور اس نیک کام کے لئے ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انہیں رفاقت نصیب رہی یہ بیت المال سے وظیفہ بھی لیتے ہوں گے۔

اگر کوئی شخص امن عامہ کو تباہ کرنے کی کوشش کرے تو اس کو سزا ملتی ہے جو اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کی انتہائی سزا جان لینا ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص کسی کے زندہ رہنے کا حق چھین لے یا کسی ایسے جرم کا ارتکاب کرے جو امنِ عامہ کو تباہ کر دے مثلاً رہزنی، زناکاری، ارتداد، اسلامی حکومت سے بغاوت وغیرہ ایسے مجرموں کی گردنیں مارنے کے لئے ایک باقاعدہ عملہ کی ضرورت ہوتی ہے جنہیں جلاد کے ہیبت ناک لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ کام حضرت علی حضرت زبیر حضرت محمد بن مسلمہ حضرت عاصم بن ثابت حضرت ضحاک بن سفیان کلابی، حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہم اجمعین انجام دیا کرتے تھے[۲۳] اور اس کا معاوضہ بھی لیتے ہوں گے اور اگر رضاکارانہ بھی خدمت انجام دیتے ہوں گے تب بھی ان کے حق خدمت کا جواز ضرور تھا۔

محصلین زکوٰۃ وعشر کے وظائف

اسوقت کی اسلامی ریاست کو اپنے حکومتی اخراجات، عوام کی معاشی فلاح و بہبود کی سکیموں اور معذور و محتاج شہریوں کی کفالت کے لیئے اغنیاء کے تعاون کی ضرورت تھی۔ اسلام نے اس غرض کے لئے اغنیاء

---

[۲۳] ابن قیم جوزیہ : زاد المعاد۔ بحوالہ شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور، سن طباعت درج نہیں، ص ۹۹۔

پر زکوٰۃ عشر اور صدقاتِ واجبہ مقرر کئے ہیں اور اخلاقی طور پر ان سے صدقاتِ نافلہ کی توقع بھی کی ہے۔ ایسے تمام ذرائع آمدن اسوقت تک مؤثر نہیں ہوتے جب تک ان کے اکٹھا کرنے کے مؤثر انتظامات نہ ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں ایسے ذرائع آمدن سے مال اکٹھا کرنے کے لئے محصلین Collectors کا تقرر کیا جنہیں بیت المال سے وظیفہ دیا جاتا تھا۔ اس کی تفصیلات ہم اس کتاب کے باب۸ میں بیان کر رہے ہیں۔ وہاں دیکھ لیں۔

مساجد کی تعمیر اور انکی آبادی کے اخراجات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گو اینٹ گارا پر اخراجات کے سخت مخالف تھے جس کا اظہار آپ نے متعدد مواقع پر کیا مگر مساجد کی تعمیر اور ان کی آبادی کے لئے آپ نے ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی اور مساجد کے تعمیراتی کاموں میں بنفس نفیس شامل ہوتے۔ مسجد دراصل اسلام کے نمایاں ترین شعائر میں سے ایک ہے۔ مسجد صرف پنجگانہ نماز ہی کے لئے نہیں بلکہ مسجد مسلمانوں کے لئے مرکز اور اجتماعیت کا ذریعہ ہے۔ بندہ کا اپنے اللہ کریم سے تعلق کا بہترین ذریعہ نماز ہے جس میں اپنے اکیلے ہی معبود کریم کے سامنے پیشانی رگڑ کر اس اکیلے ہی کا بندہ ہونے کا عملی اقرار کر رہا ہوتا ہے۔ مسجد کی خالصتہً معاشی اہمیت بھی ہے۔ جہاں مسلمان دن میں پانچ مرتبہ مل کر ایک دوسرے کی معاشی پریشانیوں کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مسجد کا سیاسی پہلو بھی ہے کہ یہاں جماعت بندی اور اطاعت کی تربیت دی جاتی ہے۔[۲۴]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی ان گوناگوں ضروریات کے پیش نظر خود بھی مساجد تعمیر کرائیں اور اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنھم کو بھی اپنے اپنے محلّوں میں مساجد تعمیر کرنے کی تلقین فرمائی اس

---

[۲۴] تفصیل کے لئے مجھ حقیر کی کتاب "اسلام کا نظام عبادت"، شائع کردہ شیخ بشیر اینڈ سنز سرکلر روڈ لاہور کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔ انشاءاللہ۔

طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں صرف مدینہ منوّرہ اور حوالی مدینہ منوّرہ میں اکتیس ۳۱ مساجد تعمیر ہوئیں۔[۲۵] اگرچہ تمام مساجد سرکاری اخراجات سے تعمیر نہیں ہوئی ہوں گی مگر ان کے اخراجات میں اجتماعی مال ضرور شامل تھا۔ اور چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تمام دینی کام صرف آپ کی منظوری سے کرتے تھے لہٰذا ان مساجد پر آنیوالے اخراجات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوری ضرور حاصل تھی۔

اسطرح جو قبیلہ اسلام لاتا آپ انہیں مسجد کی تعمیر کرنے کی تلقین ضرور فرماتے۔ اہلِ طائف جب حلقہ بگوشِ اسلام ہونے آتے تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ جہاں ان کا بُت نصب تھا وہاں مسجد کی تعمیر کریں۔[۲۶]

پھر ان مساجد کی آبادی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ائمہ اور مؤذنین کا تقرر بھی فرمایا احادیث میں چند ائمہ اور مؤذنین کے نام بھی ملتے ہیں۔ مثلاً مدینہ منوّرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۲۵] ان مساجد کے نام یہ ہیں: ۱: مسجد بنی عمرو ۲: مسجد بنی ساعدہ ۳: مسجد بنی عبیدہ ۴: مسجد بنی سلمہ ۵: مسجد بنی رائج ۶: مسجد بنی زریق ۷: مسجد بنی غفار ۸: مسجد اسلم ۹: مسجد جہینہ ۱۰: مسجد بنی عذرہ ۱۱: مسجد بنی اُمیہ (انصار کا ایک قبیلہ) ۱۲: مسجد بنی بیاضہ ۱۳: مسجد بنی اُنیلی ۱۴: مسجد بنی عقبہ ۱۵: مسجد ابی فیصلی ۱۶: مسجد بنی دینار ۱۷: مسجد ابی ابن کعب ۱۸: مسجد النابغہ ۱۹: مسجد ابن عدی ۲۰: مسجد بلحارث بن خزرج ۲۱: مسجد بنی حطمہ ۲۲: مسجد الفضیح ۲۳: مسجد بنی حارثہ ۲۴: مسجد بنی ظفر ۲۵: مسجد بنی عبدالاشہل ۲۶: مسجد واقم ۲۷: مسجد بنی معاویہ ۲۸: مسجد عاتکہ ۲۹: مسجد بنی قریظہ۔ ۳۰: مسجد بنی وائل ۳۱: مسجد الشجرہ
یہ تمام تفصیلات عینی شرح بخاری ج ۲ ص ۴۶۸ سے ماخوذ ہیں۔

[۲۶] ابن قیم: زاد المعاد ج ۱، ص ۴۸۵، بروایت ابو داؤد الطیالسی۔

کے کہیں باہر تشریف لے جانے یا آپ کی بیماری کی صورت میں یہ حضرات نماز کی امامت کراتے:

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ، حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنھم۔ ان میں سے حضرت مصعب بن عمیر اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنھما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے سے قبل مسلمانوں کی نماز میں امامت کراتے۔ محلہ بنو سالم کی مسجد کے امام حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ، بنو سلمہ کے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، بنو جرم کے حضرت عمرو بن سلمہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنھما۔ اسی طرح بنو نجار اور مسجد قبا میں بھی ایک ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہما امام تھے۔

مکہ مکرمہ میں حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ، طائف میں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اور عمان میں ابو زید انصاری رضی اللہ عنہ امام مقرر کئے گئے تھے[27]

مؤذنین میں سے حضرت بلال بن رباح اور عمرو بن ام مکتوم قرشی رضی اللہ عنہما مسجد نبوی میں، حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ مسجد قبا میں اور حضرت ابو محذورہ جمحی قرشی مکہ مکرمہ کی مسجد حرام میں مؤذنین تھے[28]

گویا ائمہ اور مؤذنین اس کارِ خیر کی کوئی تنخواہ وغیرہ نہیں لیتے تھے مگر یہ اس کے مستحق تھے کہ بیت المال سے ان کی کفالت کی جاتی جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعد کے مسلمان خلفاء نے کیا۔

سفارتی اخراجات

فتح مکہ مکرمہ کے بعد جزیرۃ العرب Arabian Peninsula جب آپ کے زیرنگیں

---

[27] یہ تمام تفصیل علامہ شبلی کی کتاب سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲ حوالہ مذکورہ کے صفحہ ۱۱۶ پر درج ہیں۔

[28] حوالہ بالا؛ ص ۱۲۲ - ۱۲۴

آ گیا تو جو کفار و مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صداقت کی کسوٹی بنا کر منتظر بیٹھے تھے جوق در جوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے لگے ۔ قرآن مجید نے اس کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے :

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا ه فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ه

(الفتح پ ۳۰)

ترجمہ، جب اللہ کریم کی نصرت اور فتح آگئی اور آپ نے دیکھا کہ لوگ جوق در جوق اللہ کریم کے دین میں داخل ہو رہے ہیں لہٰذا اب آپ اپنے پروردگار کی تسبیح کریں ۔ اس کی تعریف کے ساتھ اور اس کے سامنے استغفار کیا کریں ۔ یقیناً وہ بڑا ہی توجہ فرمانے والا ہے "

اب خطۂ عرب کے مختلف قبائل نے اپنے سفارتی وفد بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کئے ۔ وہ آپ کی خدمت میں آپ کے مہمان بن کر آتے آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوتے ۔ اسلام قبول کر کے دین کی بنیادی تعلیمات سیکھتے اور جب جانے لگتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سفر خرچ یا از راہِ ہمدردی تحائف بھی دیتے اس طرح ان وفود پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات دو قسم کے ہوتے ۔

۱: مہمان نوازی ۔ ۲: واپسی سفر خرچ یا تحائف ۔

ان وفود کی آمد کا سلسلہ تو ۸ھ کے اخیر سے شروع ہو گیا تھا ۔ مگر ان کی کثرت ۹ھ میں ہوئی ۔ ان دونوں سنوں کو عام الوفود کہتے ہیں ۔ ابن سعد نے ایسے وفود کی تعداد ستر (۷۰) بتائی ہے ۔ دمیاطی ، مغلطائی اور عراقی نے ان کی تعداد ساٹھ (۶۰) سے زیادہ بتائی ہے ۔ البتہ قسطلانی نے صرف پینتیس (۳۵) وفود کا ذکر کیا ہے [۲۹]

[۲۹] زرقانی : ج ۴ ، ص ۲

چونکہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفارتی اخراجات کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں لہٰذا یہاں ان وفود کا ذکر بالا ختصار کیا جاتا ہے جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاتے وقت سفر خرچ یا تحائف دیئے۔

۱: وفد عبد القیس

یہ وفد بیس (۲۰) اشخاص پر مشتمل تھا جن کے رئیس عبداللہ بن عوف الاشجع تھے۔ یہ لوگ دس (۱۰) دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ آپ نے بوقتِ روانگی انہیں چاندی دی۔ عبداللہ بن عوف کو ساڑھے بارہ (۱۲½) اوقیہ چاندی دی۔[۳۰]

۲: وفد مرہ

یہ وفد ۹ھ کو غزوہ تبوک سے واپسی پر حاضر خدمت ہوا۔ یہ تیرہ (۱۳) افراد تھے جن کے رئیس حارث بن عوف تھے۔ یہ لوگ قحط زدہ بھوک کے درماندہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بارش کی دُعا کی۔ اس دن زور کی بارش ہوئی۔ اور واپسی پر انہیں دس دس اوقیہ چاندی عنایت فرمائی۔ رئیس وفد عبداللہ بن عوف کو بارہ اوقیہ چاندی دی۔[۳۱]

۳: وفد تغلب

یہ وفد جن حضرات پر مشتمل تھا ان میں سے سولہ (۱۶) مسلمان تھے اور باقی نصاریٰ تھے۔ آپ نے واپسی کے وقت مسلمانوں کو تحائف دیئے۔[۳۲]

---

[۳۰] ابن سعد، طبقات: ج ۲۔ باب الوفود۔ وفد عبد القیس۔

[۳۱] حوالہ مذکورہ، وفد مرہ۔

[۳۲] حوالہ مذکورہ: وفد تغلب۔

وفد تجیب

تجیب قبیلہ کندہ (یمن) کی شاخ ہے اس قبیلہ کا وفد جو تیرہ افراد پر مشتمل تھا ۹ھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے صدقات لیکر حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا یہ صدقات واپس لے جا کر وہاں کے فقراء میں تقسیم کر دو۔

انہوں نے کہا اے اللہ کریم کے رسول کریم! "یہ جو کچھ ہم لائے ہیں یہ وہاں کے فقراء سے بچ گیا ہے" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا: اے رسول کریم! تجیب جیسا وفد تو آج تک نہیں دیکھا۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تاکید کر دی کہ ان کی خوب مہمانی کریں۔ چند روز قیام کر کے جب انہوں نے دین کے بنیادی مسائل سیکھ لئے تو جانے کی اجازت چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بڑی جلدی واپس جا رہے ہیں! آپ نے جاتے وقت انہیں انعام واکرام کیساتھ رخصت کیا۔[۳۳]

وفد خولان

وفد خولان ماہِ شعبان ۹ھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے دس (۱۰) ارکان تھے۔ آپ نے بوقتِ واپسی انہیں بارہ (۱۲) اوقیہ چاندی فی کس عطا فرمائی۔[۳۴]

وفد سعد ھذیم

اس وفد کے ارکان کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔ واپسی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۳۳] ابن قیم جوزیہ: زاد المعاد، ج ۳، ص ۴۶

[۳۴] عیون الاثر: ج ۲، ص ۲۵۲

نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انہیں انعام دیں[۳۵]

وفد بلی

یہ وفد ماہ ربیع الاوّل ۹ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے یہ لوگ تین دن قیام پذیر رہے۔ بوقت واپسی آپ نے انہیں زادِ راہ عطا فرمایا[۳۶]

وفد بہرا

یہ وفد یمن کے تیرہ (۱۳) خوش نصیب افراد پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے مکان پر ٹھہرے۔ مقداد رضی اللہ عنہ انہیں ہر روز حیس* کا لذیذ کھانا کھلاتے جب یہ لوگ واپس لوٹے تو آپ نے انہیں زادِ راہ عنایت فرمایا[۳۷]

وفد حارث بن کعب

یہ وفد ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ ۱۰ھ نجران سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وفد میں قیس بن حصین (رئیس) یزید بن محجل اور شداد بن عبداللہ بھی تھے یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا: یہ لوگ کون ہیں؟ گویا کہ ہندوستانی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی کے وقت وفد کے تمام ارکان کو دس

---

[۳۵] ابن سعد، طبقات، وفد ھذیم

[۳۶] عیون الاثر، ج ۲، ص ۲۵۳

* حیس: ایک کھانا ہے جو کھجور اور پنیر سے تیار کیا جاتا ہے۔

[۳۷] زادالمعاد، ج ۲: ص ۴۸ - ۴۹

وفد طے

یہ پندرہ افراد کا وفد حضرت زید خیر رضی اللہ عنہ (جن کا پہلا نام زید خیل بن مہلہل تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر زید خیر رکھا) واپسی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکانِ وفد کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی عنایت کی۔ جبکہ حضرت زید خیر رضی اللہ عنہ کو ساڑھے بارہ ½۱۲ اوقیہ چاندی بطور زادِ راہ دی۔[۴۲]

سلاطینِ عالم سے مُراسلات اور سفارت کاری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفارتی اخراجات کا دوسرا حصہ ان اخراجات کا تھا جو آپ اس دَور کے سلاطینِ عالم سے خط و کتابت اور ان کے پاس اپنے سفراء بھیج کر یا ان کے سفراء کو اپنا مہمان ٹھہرا کر کیا کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کے مختلف بادشاہوں، قبائلی سرداروں اور مختلف قبیلوں کے نام بھی سفارتی خطوط لکھے[۴۳] ان خطوط کے مضامین کا اکثر و بیشتر حصہ

---

[۴۲] طبقات ابن سعد ، ج ۲ ، باب الوفود ، وفد طے

[۴۳] آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفارتی (دعوتی) خطوط کی تدوین کا کام بھی امت محمدیہ کے بعض خوش نصیب افراد نے کر دیا ہے۔ سب سے پہلے سعادت مند حضرت عمرو بن حزم انصاری ہیں جنہوں نے مکاتیبِ نبوی میں سے اکیس (۲۱) کو مدون کیا۔ احادیث کی مختلف کُتب اور ابنِ طولون کی کتاب میں یہ خطوط موجود ہیں۔ البتہ آپ کے خطوط مُبارکہ کا قدیم ترین مجموعہ ابو جعفر دیبلی (کراچوی) رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی "الوثائق السیاسیۃ" اس موضوع پر نہایت اہم کتاب ہے۔ اردو زبان میں یہ جواہر تین سعادت مند علماء نے اکٹھے کئے ہیں جن میں مولانا حفظ الرحمٰن

اگلے صفحہ

وفد طے

یہ پندرہ افراد کا وفد حضرت زید خیر رضی اللہ عنہ (جن کا پہلا نام زید خیل بن مہلہل تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر زید خیر رکھا) واپسی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکانِ وفد کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی عنایت کی۔ جبکہ حضرت زید خیر رضی اللہ عنہ کو ساڑھے بارہ ۱۲½ اوقیہ چاندی بطور زادِ راہ دی[۴۲]

سلاطینِ عالم سے مُراسلات اور سفارت کاری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفارتی اخراجات کا دوسرا حصہ ان اخراجات کا تھا جو آپ اس دَور کے سلاطینِ عالم سے خط و کتابت اور ان کے پاس اپنے سفراء بھیج کر یا ان کے سفراء کو اپنا مہمان ٹھہرا کر کیا کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کے مختلف بادشاہوں، قبائلی سرداروں اور مختلف قبیلوں کے نام بھی سفارتی خطوط لکھے[۴۳] ان خطوط کے مضامین کا اکثر و بیشتر حصہ

---

[۴۲] طبقات ابن سعد، ج ۲، باب الوفود، وفد طے

[۴۳] آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفارتی (دعوتی) خطوط کی تدوین کا کام بھی امت محمدیہ کے بعض خوش نصیب افراد نے کر دیا ہے۔ سب سے پہلے سعادت مند حضرت عمرو بن حزم انصاری ہیں جنہوں نے مکاتیبِ نبوی میں سے اکیس (۲۱) کو مدون کیا۔ احادیث کی مختلف کُتب اور ابنِ طولون کی کتاب میں یہ خطوط موجود ہیں۔ البتہ آپ کے خطوط مُبارکہ کا قدیم ترین مجموعہ ابو جعفر دیبل (کراچوی) رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی "الوثائق السیاسیۃ" اس موضوع پر نہایت اہم کتاب ہے۔ اردو زبان میں یہ جواہر تین سعادت مند علماء نے اکٹھے کئے ہیں جن میں مولانا حفظ الرحمٰن

اگلے صفحہ

معاشی احکام پر مشتمل ہے جن کے مضامین کو ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام مالیات" اور اس کتاب کی دوسری جلد میں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی تعلیمات کے ضمن میں تحریر کرنے کی سعادت پائیں گے۔ (انشاء اللہ)۔

سفارت کاری کے طور پر جو مکاتیبِ گرامی تحریر کر کے مختلف بادشاہوں اور قبائل سرداروں کو ارسال کئے گئے اُن کے اخراجات میں سے اس چمڑہ کی باریک اور قیمتی جھلی جس پر ایسے خطوط تحریر کئے جاتے تھے کی قیمت کاتبین Secretaries جو مستقل ایسے خطوط تحریر کرنے یا جوابات تحریر کرنے کے لئے مقرر تھے ان کا وظیفہ اور قاصد یا سفیر جو خطوط لیکر جاتا اس کے سفری اخراجات شامل ہوتے ہوں گے۔ ایسے اخراجات کی تفصیل سے تاریخ اسلام کا ورق سادہ اور صاف ہے۔ مگر عقل تقاضا کرتی ہے کہ ایسے اخراجات ضرور ہوتے ہوں گے۔

مثلاً جب حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ آپ کا مکتوبِ گرامی لیکر مدینہ منورہ سے قیصرِ روم کے پاس گئے تو اُن کی سواری، سامانِ سفر اور زادِ راہ پر اخراجات آئے ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ جب مکتوبِ گرامی لے کر خسرو پرویز کے پاس ایران گئے ہوں گے تو بلا خرچ کئے ہوا کے دوش پر اُڑ کر تو نہیں گئے ہوں گے (گو اللہ کریم اس سے بھی زیادہ قادر ہے) ایسے تمام اخراجات بظاہر بیت المال کے خمس سے ہوتے تھے۔ لیکن اگر قاصد ذاتی اخراجات بھی کرتا تب بھی وہ اخراجات تو تھے ہی!

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

سیوہاروی کی "بلاغ مبین"، صاحبزادہ عبدالمنعم خاں کی "رسالات نبویہ" اور مولانا سید محبوب رضوی کی "مکتوباتِ نبوی" بہت قابلِ قدر خدمات ہیں۔ اس وقت مولانا سید محبوب رضوی صاحب کی کتاب میرے سامنے ہے۔ اس کتاب میں نہایت عمدگی کیساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً نوے (۹۰) کے قریب مکتوبِ گرامی اور معاہدات کی عبارات اکٹھی کی گئی ہیں۔ اللہ کریم ان تمام مخلصین کو اپنی شان کے مطابق جزائے خیر سے نوازے۔ آمین

جن اہم بادشاہان یا رؤساء کو آپ نے سفارتی خطوط ارسال فرمائے اُن کے نام اور قاصدوں (سفراء) کے اسماءِ گرامی یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ آپ اندازہ کر لیں اتنے بڑے سفر پر کیا اخراجات آتے ہوں گے۔

۱: حضرت دحیہ بن خُلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ

قیصرِ روم (قیصر Caesar شہنشاہِ رُوم کا خطاب تھا) آپ نے جس قیصر کو مکتوب ارسال فرمایا اس کا نام ہرقل Herclius تھا۔

۲: حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ

خسرو پرویز شہنشاہِ ایران۔

۳: حضرت عمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ

نجاشی شاہِ حبش (نجاشی Negus حبشی زبان میں حبشہ کے بادشاہ کا خطاب تھا) جس نجاشی کے پاس آپ نے گرامی نامہ ارسال فرمایا اُن کا نام اصحمہ رضی اللہ عنہ تھا۔

۴: حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ

عزیزِ مصر (عزیزِ مصر کے بادشاہ کا خطاب تھا) جن کے پاس آپ کا مکتوب مبارک پہنچا اُن کا نام مُقوقِس Maqaqis تھا۔

۵: حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ

منذر بن ساوی شاہ بحرین (حضرت منذر بن ساوی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پڑھ کر مسلمان ہو گئے تھے)

۶: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

جیفر (شاہ عمان) اور ان کے بھائی عبد (یہ دونوں سعادت مند نامہ مبارک لے جانے والے سفیر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی گفتگو سُن کر مسلمان ہو گئے)

۷: حضرت سلیط بن عمر بن عبد شمس رضی اللہ عنہ

ہوذۃ بن علی رئیس یمامہ (مسلمان ہونے کی سعادت نہ پا سکا)

۸۔ حضرت شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ عنہ

حارث غسانی امیر دمشق۔ (سعادتِ اسلام سے محروم رہا)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کو سفارت کاری کے ذریعے آس پاس کے تمام بادشاہوں اور رؤساء تک پہنچایا۔ جن کی قسمت میں سعادتمندی تھی اُس نے اسلام قبول کر لیا اور جس نے تکبر کیا وہ دوزخ کا ایندھن بنا۔

اس سفارت کاری کے تمام اخراجات اس خمس سے پورے کئے جاتے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اموال غنائم میں سے لیتے تھے۔ بعد میں جب خیبر فتح ہوا تو خیبر کی زمین کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ نصف حصہ بیت المال مہمانی اور سفارت وغیرہ کے اخراجات کے لئے خاص کر لیا گیا۔[۴۴]

کفالت عامہ کے اخراجات

جب اللہ کریم نے اپنا کرم کر کے بیت المال کے مال و سائل میں اضافہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ایسے اخراجات کا اضافہ فرمایا جنہیں کفالتِ عامہ کے اخراجات کہہ سکتے ہیں۔ یہ اخراجات مقروض لوگوں کے قرضے ادا کرنے، بے سہارا اور اپاہجوں کی معاش کفالت کرنے غریب مریضوں کا علاج کرانے اور بے بس مگر ازدواجی زندگی کے قابل لوگوں کی شادیاں کرانے پر خرچ کئے جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں چند نظائر ملاحظہ ہوں:

۱۔ انا اولی بالمؤمنین من انفسہم فمن توفی وعلیہ دین فعلی قضاءہ ومن ترک مالا فلورثتہ[۴۵]

---

[۴۴] شبلی نعمانی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱، ص ۵۱۲ - شرح المعانی الآثار، ج ۲، ص ۱۲۴

[۴۵] بخاری، ج ۲، ص ۹۹۹ - ابوعبید، کتاب الاموال، قاہرۃ، ۱۳۵۳ھ، ص ۲۰۲

ترجمہ: میں مسلمانوں کے لئے اُن کی جانوں سے زیادہ قریب ہوں۔ لہٰذا جو شخص مر جائے اور قرضہ چھوڑ کر جائے تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جو کوئی مال چھوڑ کر مرے تو وہ اس کے وارثوں کے لئے ہوگا۔"

۱۲۔ انا اولیٰ بالمؤمنین من انفسهم فمن مات وترك مالا فماله لموالی العصبة ومن ترك كلا او ضیاعا فادع له۔ [۴۶]

ترجمہ: میں مؤمنین کے لئے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ لہٰذا جو شخص ترکہ میں مال چھوڑے وہ اس کے اقارب کا حق ہے اور جو شخص عاجز و درماندہ قرابت دار اور ناتواں بچوں کو چھوڑے اُن کے لئے مجھے بلالو۔"

۱۳۔ الله ورسوله مولیٰ من لا مولیٰ له [۴۷]

ترجمہ: اللہ کریم اور اس کا رسُول کریم اس فرد کا والی ہے جس کا کوئی والی نہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کار خیر پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا تھا چنانچہ جب کوئی تنگدست مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ اُسے بھوکا یا برہنہ تن یا برہنہ پا دیکھتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے اور وہ کہیں سے قرضہ لیکر بھی اس کے کھانے اور کپڑے وغیرہ کا انتظام کرتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے کچھ مال آتا تو اس کے ذریعے سے وہ قرض ادا کر دیا جاتا۔ اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر ھدیہ دیتا تو وہ بھی اس مد میں شامل کر لیا جاتا [۴۸]

اس ضمن میں ایک نہایت دلچسپ واقعہ اُس لڑکے کا ہے جسے اُس کی والدہ محترمہ

---

[۴۶] ابو عبید: ص ۲۰۲

[۴۷] جامع ترمذی: ج ۱، نمبر ۱۰۹۴

[۴۸] ابو داؤد، السنن، کتاب الخراج والامارة۔ باب الامام یقبل ھدایا المشرکین۔

نے بھیجا کہ وہ جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لئے کُرتہ لائے۔ اس نے آکر سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس وقت تو کچھ ہے نہیں، پھر کسی وقت آنا۔ اس لڑکے نے آپ کا کرتہ مبارک پکڑ کر عرض کیا: "اے اللہ کریم کے رسول کریم! آپ نے تو کرتہ پہن رکھا ہے۔ مجھے نہیں دے رہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتہ اُتار کر اس لڑکے کو دے دیا۔[۴۹]

اِس چھوٹے سے واقعہ سے ہمیں چار معاشی تعلیمات ملتی ہیں:

۱: والدہ کا اپنے بیٹے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کرتہ لینے کے لئے بھیجنا اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفالتِ عامہ کی جو ذمہ داری بحیثیت رئیس دولتِ اسلامیہ قبول کر رکھی تھی اس کا علم اس محتاج عورت کو بھی تھا۔

۲: اس لڑکے کا آپ کا کرتہ مبارک پکڑ کر کہنا کہ آپ نے تو کرتہ پہن رکھا ہے مجھے نہیں دیتے اس امر واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ لڑکا بھی جانتا تھا کہ ننگوں کو کپڑا پہنانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ــــــ بحیثیت رئیس دولتِ اسلامیہ ــــــ ذمہ داری ہے۔

۳: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کرتہ مبارک اُتار کر اس لڑکے کو دیدینا اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتراف تھا کہ ایسے بے کسوں اور بے نواؤں کو کپڑا پہنانا آپ کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا آپ نے اپنا کرتہ تک اتار کر اُس ننگے برہنہ لڑکے کے سپرد کر دیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴: قیامت تک آنے والے اسلامی ریاست کے حکمرانوں کو یہ سبق دے دیا کہ یہ کیونکر درست ہے کہ وہ خود تو اپنی ضروریات پوری کر رہے ہوں (مثلاً کپڑے پہن کر رہیں) اور ان کی رعایا کے محتاج اور بے کس برہنہ تن یا برہنہ پا یا پیٹ سے بھوکے پھریں۔

یورپ کو ناز ہے اس بات پر کہ اس نے کفالتِ عامہ Social Security

[۴۹] بحوالہ مولانا الحاج محمد ابراہیم بنارسی: جواہر القرآن، محلہ کھچی باغ بنارس۔ ص ۱۷۲-۱۷۳

کا تصور پیش کر کے عاجز و درماندہ اور محتاج انسانوں پر احسان کیا ہے۔ مگر شاید یورپ اور اس کے متاثرین یہ بھول گئے ہیں کہ یورپ نے اس کارِ خیر کا آغاز اُنیسویں صدی میں کیا اور اس کا سہرا برطانوی وزیر بیورج Beveridge کے سر باندھتے ہیں۔ جس نے ۱۹۴۲ء میں بیورج رپورٹ Beveridge Report پیش کر کے محتاجوں کو کچھ دینے کی اپیل کی تھی۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کارِ خیر کا آغاز اس زمانے میں کیا جب دُنیا کفالتِ عامہ کے تصور سے ہی خالی تھی۔

فصل سوم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی اخراجات

جنگی یا دفاعی اخراجات؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنانِ اسلام کے خلاف لڑائیوں پر جو اخراجات کئے انہیں جنگی اخراجات War Expenditures کہنا مناسب ہوگا یا دفاعی اخراجات Defence Expenditures کہنا مناسب ہوگا؟ ہم تو انہیں جنگی اخراجات ہی کہیں گے۔ کیونکہ دفاعی اخراجات کہنا ہمارے نزدیک اس احساس کمتری میں مبتلا ہونا ہے جس کا شکار وہ اسکالرز ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کو دفاعی ثابت کرنے پر پورا زور صرف کیا ہے۔ مستشرقینِ یورپ نے جب یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے تو ان بیچارے اسکالرز نے بباطن غالباً اسلام کی خیر خواہی میں ہی یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخلص

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے دین اسلام تو تبلیغ سے پھیلایا اور اس مقصد کے لئے نہ کسی ملک پر حملہ کیا نہ کسی قوم پر چڑھائی کی۔ یہ مغرب کے فلسفہ جہاد سے مرعوبیت کا نتیجہ تھا جسے قبول کر کے آج اُمتِ مسلمہ جنگی پیش قدمی Offence تو کہاں اپنا دفاع Defence بھی کرنے کے قابل نہیں رہی۔ اس اُمت کے علماء اور اسکالرز کے ہاتھ سے تلوار ایک طرف رکھوا دی گئی۔ کیونکہ یہ جارح یا جنگجو کہلانے سے چڑتے ہیں اور اس کے بدلے ان کے ہاتھ قلم تھما دیا ہے کہ یہ سارا جہاد اس پر کریں کہ اسلام کی جنگیں دفاعی ہوتی ہیں۔ جارح کی حیثیت سے نہیں!

ہمیں اس حقیقت سے نہ صرف اتفاق ہے بلکہ ہم اس کے داعی بھی ہیں کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ تبلیغ سے پھیلا ہے۔ لیکن جہاں جہاں ظالم حکمرانوں یا کسی قوم نے اسلام کے خلاف کوئی سازش کی یا ترویج اسلام کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی اُن پر حملہ کرنے میں پہل کی گئی ہے۔ یہ انتظار نہیں کیا گیا کہ وہ ظالم خود ہی دارالاسلام پر چڑھ دوڑیں تو پھر ان سے لڑا جائے۔ اگر یہ پالیسی اختیار کی جاتی تو آج، اللہ کریم نہ کرے، اسلام کا کہیں وجود تک نہ ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے زمانہ میں غارت گر قبائل کو غارتگری کی سزا دینے اور اس سے باز رکھنے کے لئے کم و بیش چھپن (۵۶) سرایا روانہ کئے اور دشمنانِ اسلام کے خلاف چھبیس (۲۶) یا ستائیس (۲۷) غزوات لڑے جن میں کوئی ایک سریہ بھی ایسا نہیں جسے آپ دفاعی کہہ سکیں گے۔ اور غزوات میں سے صرف تین (۳) غزوہ بر تلاش کرز بن جابر الفہری، غزوۂ اُحد اور غزوۂ احزاب کے سوا بھلا اور کس غزوہ کو آپ دفاعی کہیں گے؟

البتہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام ان دشمنانِ اسلام پر جو بندوں کو بندوں کا غلام بنا کر رکھیں یا عرش کے سلطان کریم کی عبادت کی بجائے خودساختہ خداؤں کی عبادت کرائیں۔ اللہ کریم کے کمزور بندوں پر ظلم وستم ڈھائیں اور اسلام کے مشن خیر و سلامتی کے راستہ میں رکاوٹ بنیں ـــــ جارح بن کر حملہ کرتا ہے اور اگر ان دشمنانِ اسلام میں سے کوئی اتنی جُرات سے کام

لے کر آگے بڑھ کر دارالاسلام پر حملہ کر دے تو اسلام اُسے سبق سکھانے کے لئے دفاع کرنے کا سبق دیتا ہے۔ یہ بحث ہماری کتاب کا موضوع نہیں ورنہ اس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

اس مختصر بحث کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعدائے اسلام کے خلاف لڑائیوں میں اگر کوئی اخراجات کئے تھے تو وہ دفاعی اخراجات کی بجائے جنگی اخراجات تھے۔

آپ کے جنگی اخراجات کی نوعیت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں جنگی یا دفاعی اخراجات کی نوعیت آج کل کی حکومتوں کے دفاعی بجٹوں Defence Budgets کی سی نہیں تھی۔ اُس دور میں فوج کے تین حصے مستقل فوج Standing Army محفوظ فوج Reserve Army اور رضاکار Volunteers، نہیں تھے، نہ اسلحہ کے سرکاری ذخائر تھے، نہ فوجی دفاتر اور فوجی چھاؤنیاں تھیں، نہ اُن پر اٹھنے والے بے پناہ اخراجات کی ضرورت تھی۔ اس وقت اُمت کے ہر بالغ نوجوان سے لیکر بوڑھے تک اسلامی فوج کا رضاکار سپاہی تھا۔ جسے جب کبھی جہاد کے لئے پکارا جاتا وہ سینہ تانے اپنا اسلحہ اور سواری لیکر حاضر ہو جاتا۔ گویا ساری اُمت فوجی تھی۔ جو ہر وقت فوجی خدمات کے لئے تیار رہتی تھی۔ جس کے پاس سامانِ حرب کی ہمیشہ کمی رہتی۔ جسے وہ اللہ کریم کا بول بالا کرنے کی خاطر کٹ کر مر جانے کے جذبہ سے پورا کرتی تھی۔ اس حقیقت کا اعتراف غیر مسلم اسکالرز نے بھی کیا ہے۔ مثلاً آر وی سی بودلے R.V.C.Bodley کا یہ اعتراف ملاحظہ کریں:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلادِ عرب میں تنہا تھے۔ یہ ملک رقبہ کے اعتبار سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ U.S.A. کا ۱/۲ ہے اور اس کی آبادی ۲۵ لاکھ ہے۔ ان کے پاس

ایسے لشکر بھی نہ تھے جو لوگوں کو امتثال امر اور اطاعت پر مجبور کرتے ۔ سوائے ایک مختصر لشکر کے جس کی تعداد تین سو (۳۰۰) تھی ۔ اور یہ لشکر بھی پوری طرح مسلح نہ تھا۔[1] ''

بودلے کا یہ کہنا کہ ایک تین سو (۳۰۰) افراد پر مشتمل لشکر تھا۔ دراصل غزوۂ بدر کی طرف اشارہ تھا۔ ورنہ یہ کوئی مستقل لشکر نہ تھا۔ اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی تعداد ہمیشہ تین سو (۳۰۰) رہی۔ بلکہ بڑھتی رہی ۔

البتہ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس سامانِ حرب یا رسد وغیرہ بالکل ہی نہ ہوتا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے کہ ان کا انتظام کریں ۔ تو آپ مخیّر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ترغیب دیتے اور یوں ایسے مجاہدین کو مسلح کرتے ۔

مثلاً غزوہ تبوک میں پورے لشکر کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسلح کیا۔ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرضِ حسنہ لے کر فوج کا سامان رسد مہیا فرمایا جیسا کہ غزوہ حنین میں کیا۔ اور اگر آپ مفلس مجاہدین کو کسی غزوہ میں مسلح نہ کر سکے تو وہ روتے ہوئے واپس جاتے کہ وہ اللہ کریم کا بول بالا کرنیوالوں کی صف میں شامل نہ ہو سکے۔

ان تمام ایمان افروز واقعات کو آگے چل کر مختلف غزوات کے ذیل میں بیان کریں گے وہیں ان کے حوالہ جات درج کئے گئے ہیں ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی اخراجات کی ایک صورت اور بھی تھی۔ آپ اُمت مسلمہ میں جذبہ جہاد اور حربی صلاحیت جاری و ساری رکھنے کے لئے صحابہ کرام بالخصوص نوجوانوں کو جنگی ورزشیں اور مشقیں کرنے کی ترغیب کے طور پر انعام عنایت کیا کرتے تھے ۔ ان مشقوں میں نشانہ بازی اور گھوڑ دوڑ شامل تھیں ۔ گھڑ دوڑ کا آغاز ایک مقررہ مقام سے ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

1. R.V.C. Bodley - The Messenger - The Life of Muhammad, London, 1946 PP: 202-203

مسجد سبق (آج بھی مدینہ منورہ کے شمالی دروازہ پر موجود ہے) کے پاس کھڑے ہو جاتے اور اوّل دوم، سوم وغیرہ کا تعین فرماتے۔ مقریزی کے مطابق پہلے پانچ گھوڑوں کو انعام سے نوازتے انعام میں کبھی کھجوریں اور کبھی کوئی اور چیز ہوتی۔[۱]

بعض مؤرخین کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "دیوان" کا آغاز بھی کیا۔ جس کا مقصد ایسے نوجوانوں کی فہرستیں تیار کرنا تھا جو نہ صرف جنگ کے قابل ہوں بلکہ جب کبھی انہیں بلایا جائے وہ فوجی خدمات کے لئے تیار ہوں۔ یہ کام ایک کاتب کے ذمہ تھا۔ اور ایسے نوجوانوں کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا۔[۳] اصحاب صُفّہ رضی اللہ عنہم بھی یہی کام کرتے تھے۔[۴]

غزوات کے سلسلہ وار اخراجات

اس عنوان کے تحت ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم غزوات میں آنے والے اخراجات کا ایک خاکہ تیار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ گو اعداد و شمار کا حصول تقریباً غیر ممکن ہے لہٰذا ان اعداد و شمار کے حتمی ہونے کا ہم دعویٰ نہیں کرتے۔ ان غزوات کے تمام اخراجات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المال سے نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ اس مُبارک دَور میں باقاعدہ فوج کا تصوّر ہی نہیں تھا جسے تنخواہیں دی جاتیں یا بوقتِ جنگ اسلحہ سے لیس کرنے کے لئے اخراجات کئے جاتے۔ اگرچہ ہر مجاہد بذاتِ خود فوج میں شامل ہوتا۔ وہ اپنی سواری اور اسلحہ لیکر آتا۔ مگر یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہوتا۔ لہٰذا ان اخراجات کو گویا آپ کی منظوری حاصل ہوتی۔

---

[۱] المقریزی: المخطط والآثار۔ مطبع نیل ۱۳۲۴ھ، ج ۱، حالات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[۳] محمد بن حسن الشیبانی: السیر الکبیر، بحوالہ حمید اللہ ڈاکٹر، خطبات بہاولپور۔ پہلا ایڈیشن، ص ۱۸۱

[۴] حمید اللہ، ڈاکٹر: خطبات بہاولپور۔ ص ۱۸۱۔

غزوہ بدر کے اخراجات

غزوہ بدر کے لئے اسلامی لشکر تین سو تیرہ (۳۱۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنھم پر مشتمل تھا جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ لڑنے کی بجائے قریش مکہ مکرمہ کے تجارتی قافلہ کو پریشان کرنے کے لئے لائے تھے مگر بعد میں پتہ چلا کہ تجارتی قافلہ ابوسفیان بچا کر لے گئے۔ مگر ان کی اطلاع پر قریش مکہ مکرمہ ایک ہزار (۱۰۰۰) افراد کی جمعیت لیکر چل پڑے ہیں اور بدر کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ یہ تمام سوار ہیں اور سر تا پا لوہے میں غرق ہیں۔

اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر لاحق ہوئی۔ وہ دیکھ رہے تھے ان کے ساتھ صرف تین سو تیرہ (۳۱۳) جانثار ہیں۔ اور ان کے پاس صرف ستر (۷۰) اونٹ اور دو (۲) گھوڑے ہیں۔[۵] جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کا افلاس ملاحظہ کیا تو دل بھر آیا اور اللہ کریم کے حضور دعا کرنے لگے:

"اے اللہ کریم! یہ برہنہ پا (پیادہ) ہیں، انہیں سواری دے دے، اے کریم! یہ برہنہ تن ہیں انہیں لباس دیدے، اے کریم! یہ بھوکے ہیں انہیں کھانا کھلادے۔"[۶]

اس لشکر میں ساٹھ (۶۰) مہاجرین اور باقی دو سو ترپن (۲۵۳) انصار باوفا ہیں۔[*] جن سے آپ نے معاہدہ کیا ہوا تھا کہ وہ صرف اس صورت میں جنگ کریں گے جب مدینہ منورہ پر حملہ ہوگا۔ یعنی وہ دفاعی جنگ لڑیں گے مدینہ منورہ سے باہر نکل کر نہیں۔ آپ اسوقت مدینہ منورہ

---

[۵] واقدی کے مطابق ایک گھوڑا حضرت مقداد بن عمرؓ کا تھا اور دوسرا حضرت مرثد بن ابی مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ (کتاب المغازی، لینڈن، ۱۹۶۶ء، ص ۲۷)

[۶] ابن سعد، طبقات، ج ۲، غزوہ بدر۔

[*] علامہ دُرانی کہتے ہیں کہ انہوں نے اساتذہ حدیث سے سُنا ہے کہ اسماءِ بدریین کے ذکر سے دُعا قبول ہوتی ہے
(الف ... [illegible])

سے دور بیوت السقیا تک پہنچ چکے تھے۔ ان تین سو تیرہ (۳۱۳) جاں نثاروں کو اکٹھا کر کے صورتِ حال سے آگاہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر وفاداری کا یقین دلایا۔ آپ نے دوبارہ صورتِ حال پر اظہارِ خیال فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اُٹھ کر دل و جان کے ساتھ نہ صرف وفاداری کا اظہار کیا بلکہ جاں نثارانہ تقریر بھی کی۔ مگر آپ نے تیسری بار پھر خطاب فرمایا تو حضرت سعد بن عبادہ (دوسری روایات میں حضرت سعد بن معاذ) رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر کہا اے اللہ کریم کے رسول کریم! آپ نے دوبارہ خطاب فرمایا اور حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے دونوں بار اُٹھ کر وفاداری کا یقین دلایا۔ ہم یہ خیال کر رہے تھے کہ ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) انصار اور مہاجرین دونوں کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ مگر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا روئے سخن انصار کی طرف ہے تو سُنیے:

"اللہ کریم کی قسم اے رسول کریم! ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے آپ کے آگے بھی لڑیں گے اور آپ کے پیچھے بھی لڑیں گے۔ حتیٰ کہ آپ ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دیں گے تو ہم سمندر میں بھی کود جائیں گے[۲] میں نے برک الغماد[۳] دیکھا نہیں، لیکن آپ وہاں تک چلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ ساتھ چلیں گے۔ اے اللہ کریم کے رسُولِ کریم اعظیم و جلیل پروردگار کی قسم! ہمارے مال و دولت میں سے جتنا آپ چاہیں لیں اور جتنا چاہیں ہمیں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- اور بارہا اسکا تجربہ ہو چکا ہے (زرقانی، ج ۱، ص ۴۰۹) اس برکت کے حصول کے لئے ہم نے ان پاکیزہ اسماء کا ضمیمہ دوم کے آخر میں درج کر دیا ہے۔

[۲] یہ مسلم کی روایت ہے۔ بخاری کی روایت کے مطابق یہ الفاظ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھیں طبقات ابن سعد، غزوہ بدر

[۳] برک الغماد کا نام سیرۃ ابنِ ہشام میں آیا ہے۔ بعض مؤرخین نے برک الغمدان بھی لکھا ہے اس سے مُراد بہت دور کی جگہ ہے۔ ہماری زبان میں کالا پانی کہتے ہیں۔

دیں۔کیونکہ ہمارے مال و اولاد میں سے جتنا آپ پر خرچ ہو گا وہ ہمیں اس سے کہیں زیادہ عزیز ہے جو آپ ہمارے لئے چھوڑ دیں گے[۹]"

اِس گفتگو کو سُن کر آپ کا مُبارک چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔آپ نے فرمایا:

سیروا وابشروا (چلو اور خوشخبری حاصل کرو)[۱۰]

اس کے باوجود اسلامی فوج کی عددی قلت اور اسلحہ کے افلاس کی یہ کیفیت دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ فکر مند تھے لہٰذا لڑائی سے اگلی رات آپ بالکل نہ سو سکے اور الحاح و زاری کے ساتھ اپنے رَبِ کریم سے دُعا کرتے اور بار بار کہتے: اے اللہ کریم! یہ قریش کا گروہ تکبّر اور غرور کے ساتھ مقابلہ کرنے آیا ہے۔یہ گروہ تیری مخالفت کرتا ہے اور تیرے رسول کو جھٹلاتا ہے۔اے اللہ کریم! تو نے جس فتح و نصرت کا مجھ سے وعدہ فرمایا ہے وہ نازل فرما۔ اے اللہ کریم! ان لوگوں کو ہلاک کر اور اے اللہ کریم! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر زمین پر تیری عبادت نہ ہو گی[۱۱]

محویت اور عاجزی کا یہ عالم تھا کہ چادر مبارک بار بار کندھوں سے نیچے گر گر پڑتی۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ حالت دیکھ کر رہا نہ گیا۔آگے بڑھ کر چادر مُبارک کندھوں پر ڈال دی اور پیچھے آپ کی کمر مُبارک سے لپٹ گئے۔آپ کا ہاتھ مُبارک تھام لیا اور عرض کیا:

"اے رسول کریم بس کر دیں، آپ نے اپنے رَبِ کریم کے حضور بہت الحاح و زاری کر لی ہے[۱۲]"

یوں کہئیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزانہ حالت

---

۹ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۲۷۲، طبقات ابن سعد، غزوۂ بدر کا ذکر۔

۱۰ زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۴۲-۳۴۳ - سیرۃ ابن ہشام ج ۱۔ص ۶۱۴۔

۱۱ صحیح مسلم، غزوۂ بدر

۱۲ صحیح بخاری، غزوۂ بدر

دیکھ کر دل بھر آیا۔ اور بس کرانے کے لئے آگے بڑھے۔

اس بحث سے آپ نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ غزوۂ بدر میں اخراجات تو برائے نام تھے البتہ وفاشعاری اور اللہ کریم کی خاطر مر مٹنے کا جذبہ تھا جس کی قدر دانی کرتے ہوئے اللہ کریم نے فتح وغنیمت سے معاشی پریشانیوں کے شکار مسلمانوں کو نوازا۔

غزوۂ اُحد کے مصارف

غزوۂ اُحد میں اسلامی لشکر سات سو (۷۰۰) جانبازوں پر مشتمل تھا جن میں سے صرف ایک سو (۱۰۰) زرہ پوش تھے۔ اسلحہ اور سامانِ رسد کی کمی یہاں بھی اپنی تمام آب و تاب کے ساتھ موجود تھی۔ افلاس کا یہ عالم تھا کہ شہداء کو دفنانے کے لئے کفن تک میسّر نہیں تھا۔ حتیٰ کہ حضرت مصعب بن عمیر اور سیّد الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہما کو صرف اتنا کفن ملا کہ سر اور چہرہ ڈھانپا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھانپتے تو سر کھل جاتا۔ آخر یہ طے پایا کہ پاؤں پر اذخر کے پتے ڈال دیئے جائیں اور چہرہ اور سر کفن سے ڈھانپ دیا جائے[۱۳]

جب زخمیوں کو مدینہ منوّرہ واپس لانے کا مرحلہ آیا تو سواری کے لئے اونٹ بھی نہ تھے[۱۴]

اس پر طرّہ یہ کہ جب ابو سفیان نے قریش مکّہ کو مدینہ منوّرہ پر حملہ کرنے کے لئے اکسایا تو یہ بھی کہا کہ اُس دولت پر قبضہ کر لیں جو مسلمانوں نے جمع کر رکھی ہے۔ اس نے ایک شعر کہا تھا:

؎ کرّ و اعلی یثرب و جمعهم — فان ما اجمع الکم نفل[۱۵]

ترجمہ: یثرب اور ان (مسلمانوں) کی جماعت پر حملہ کر دو، کیونکہ (میں چاہتا ہوں کہ) جو کچھ انہوں نے

---

[۱۳] صحیح بخاری، غزوہ اُحد۔ معجم طبرانی اور مستدرک حاکم، غزوۂ اُحد

[۱۴] ابن سعد طبقات، باب الغزوات، غزوہ اُحد۔

[۱۵] حوالہ بالا۔

جمع کر رکھا ہے وہ تمہارے لئے غنیمت بن جائے۔"

غالباً مدینہ منورہ آکر غریب مہاجرین اور باوفا انصارؓ کے مواخاۃ کے ذریعے جو معمولی درجہ کی مسلمانوں کو معاشی خوشحالی اللہ کریم نے نصیب کردی تھی۔ ابوسفیان اسے دولت سے تعبیر کر رہے تھے۔

غزوہ ذات الرقاع کے اخراجات

یہ غزوہ جمادی الاول ۴ھ میں قبیلہ غطفان کی دو شاخوں بنی محارب اور بنی ثعلبہ کے خلاف تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ مذکورہ دو قبیلے آپ کے مقابلہ کے لئے لشکر تیار کر رہے ہیں۔ آپ چار سو[۱۶] (۴۰۰) صحابہ کرام کو لیکر نجد کی طرف بڑھے وہاں جاکر قبیلہ غطفان کے کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی مگر جنگ کی نوبت نہ آئی۔

اس غزوہ میں اسلامی لشکر کی غربت و تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ پہننے کے لئے پاؤں میں جوتے تک نہ تھے۔ سواری کے لئے جانور ناکافی تھے۔ ننگے پاؤں پیدل چلتے چلتے پاؤں چھد گئے تو ان مرمٹنے والوں (اللہ کریم ان سے راضی ہو) نے پاؤں سے کپڑے کے چیتھڑے لپیٹ لئے۔ چیتھڑوں کو عربی زبان میں رقاع کہتے ہیں۔ اسی نسبت سے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع یعنی چیتھڑوں والا غزوہ پڑا[۱۷]

اسی غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اونٹ (۴) دینار پر کرایہ پر لیا۔ اور شرط یہ لگائی کہ آپ مدینہ منورہ تک اس پر سفر کریں گے[۱۸]

---

[۱۶] ایک روایت میں یہ تعداد سات سو (۷۰۰) ہے جبکہ دوسری روایت میں آٹھ سو (۸۰۰) بھی مذکور ہے تفصیل کیلئے دیکھئے زرقانی غزوہ احد

[۱۷] صحیح بخاری: غزوہ ذات الرقاع۔

[۱۸] حوالہ بالا

واپسی پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ چار دینار سے زیادہ دے دیں۔ انہوں نے چار دینار اور ایک قیراط دیا۔[۱۹]

غزوہ خندق کے اخراجات

غزوہ خندق یا غزوہ احزاب تمام عرب کی متحدہ جنگ تھی۔ جو مشرکین مکہ مکرمہ، یہود خیبر، قبیلہ غطفان، بنو اسد اور بنو سعد نے مل کر مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے خلاف مسلط کر دی تھی۔

دراصل یہود بنو نضیر جب مدینہ منورہ سے نکل کر خیبر پہنچے تو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک گھناؤنی سازش تیار کی۔ یہود کے نامور رؤسا سلام بن ابی الحقیق، حُیی بن اخطب اور کنانہ بن الربیع مل کر قریش مکہ کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ تم ہمارا ساتھ دو ہم مل کر اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیں۔ قریش تو گویا ادھار کھائے بیٹھے تھے فوراً تیار ہو گئے۔ پھر یہی رؤسا یہود قبیلہ غطفان کے پاس گئے اور انہیں مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اس شرط پر آمادہ کر لیا کہ یہود خیبر کی پیداوار کا نصف انہیں دیں گے، غطفان نے اپنے حلیف بنو اسد کو اور یہود نے اپنے ایک حلیف قبیلہ بنو سعد کو جبکہ قریش نے اپنے حلیف قبیلہ بنو سلیم کو تیار کر لیا اور ابو سفیان بن حرب کی سپہ سالاری میں دس ہزار کا لشکر جرار لیکر غریب مسلمانوں پر چڑھ آئے جن کا قصور غالباً یہی تھا کہ وہ عرش کے کریم سلطان ہی کو اپنا رب تسلیم کرتے تھے اور ظالم وڈیروں کی خود ساختہ خدائی کے دشمن تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے مدینہ منورہ کے آس پاس خندق کھودنے کا اہتمام فرمایا۔ شہر کے تین جانب مکانات اور نخلستان تھے

---

[۱۹] صحیح بخاری: غزوہ ذات الرقاع۔

صرف شامی جانب کھلی تھی۔ اس طرف خندق کھودی گئی۔ دس دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو دس دس گز زمین تقسیم کی گئی۔ خندق کی گہرائی پانچ گز تھی۔ تین ہزار (۳۰۰۰) متبرک ہاتھوں نے یہ کام بیس (۲۰) دن میں انجام دیا★۔ یہ انسانی ذرائع Human Resources تھے جو

★ خندق کی کھدائی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار پھر مزدوروں کے لباس میں صحابہ کرام کے ساتھ شریک تھے۔ کھدائی کے دوران ایک چکنا مگر سخت پتھر ایسا آیا جسے کوئی توڑ نہ سکا۔ دراصل کڑاکے کی سردیوں کے دن تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو تین دن سے فاقہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صورتحال سے آگاہ کیا گیا۔ آپ نے اس پتھر پر تین ضرب مار کر اسے تودہ خاک کر دیا۔ پہلی ضرب ماری تو ایک بجلی کڑکی اور آپ نے ساتھ ہی نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا: اللہ کریم نے مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا کی ہیں۔ اللہ کریم کی قسم! شام کے سُرخ محلات کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں"۔ دوسری بار کدال کی ضرب ماری تو فرمایا: اللہ اکبر! فارس کی کنجیاں مجھے عطا ہوئیں۔ اللہ کریم کی قسم! مدائن کے قصر ابیض کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ تیسری ضرب ماری تو چٹان ایک تودہ ریگ بن گئی اور آپ نے فرمایا: اللہ اکبر! یمن کی کنجیاں مجھے عنایت کی گئیں۔ اللہ کریم کی قسم! صنعاء کے دروازوں کو میں اپنی آنکھوں سے یہاں کھڑا دیکھ رہا ہوں"۔

(نسائی، غزوۂ خندق۔ صحیح بخاری۔ غزوہ خندق، فتح الباری، ج ۷، ص ۳۰۴-۳۰۵)

"دراصل اس بے سروسامانی اور کسمپرسی کی حالت میں اللہ کریم نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مُبارک زبان سے امت مسلمہ کو معاشی خوشحالی Economic Welfare کی انتہاء کی خبر دی خبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خبر حاسد یہودیوں اور منافقین تک بھی پہنچ گئی۔ مگر جب کفار کی افواج نے مدینہ منورہ کا گھیراؤ کر لیا اور مسلمانوں پر تنگی کے آثار پیدا ہوئے تو یہود اور منافقین نے کہنا شروع کیا:

" محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو کہا کرتے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانوں سے کھائیں گے مگر ہماری تو یہ حالت ہے کہ ہم میں سے کوئی قضاء حاجت کے لئے گھر سے باہر بھی نہیں جا سکتا (طبقات ابن سعد)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

اس غزوہ میں خرچ کئے گئے۔

غزوات احزاب یا خندق کے جنگی مصارف بہت زیادہ اخراجات کی ایک اور سکیم تیار کی گئی مگر اللہ کریم کو ایسا منظور نہ تھا کہ ان اخلاص کے اغنیاء مگر دولت کے فقراء مسلمانوں کو فتح ونصرت سے ہمکنار کرنے کے لئے ان پر مزید اخراجات کا معاشی بار ڈالا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگی حکمت عملی کے پیش نظر کہ دشمنانِ اسلام کے حملہ اور تمام لشکروں یا ان کے تمام قبائل سے بیک وقت مقابلہ کرنے کی بجائے یہ خیال فرمایا کہ ان میں پھوٹ ڈلنے کے لئے کسی ایک قبیلہ کو معاشی لالچ دے کر صلح کر لی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ غطفان سے اس شرط پر مصالحت کرنے کی پالیسی تیار کی کہ انہیں مدینہ منورہ کے پھلوں کا ⅓ حصہ دیا کریں گے ★ مگر انصار باوفا نہ مانے اور یوں قدر دان کریم سلطان نے اس ظاہری بے وقعتی اور معاشی بار کا خطرہ بھی ٹال دیا۔

آپ نے عیینہ بن حصن بن بدر کو کہلا بھیجا کہ وہ غطفان جو اس کے ساتھ آئے ہیں انہیں واپس لے جائے تو انہیں انصار مدینہ منورہ کے پھلوں کا ⅓ دیا جائے گا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ اگر

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

غزوہ خندق) یہ کتنے حوصلہ شکن طعنے تھے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو عزم واستقلال کے کوہ گراں تھے۔ جنہیں بے یقینی کے جھکڑ اور عدم اعتمادی کی تند وتیز آندھیاں ہلا نہ سکیں اور جنہیں اللہ کریم کے وعدوں پر پورا پورا الیقین تھا۔ انہیں ایسے حاسدانہ طعنوں کی کیا پرواہ تھی۔ اور دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے قیصر وکسریٰ کے تاج کو روندا اور ان کے خزانوں کو استعمال بھی کیا۔

★ یہ یاد رہے کہ قریش مکہ مکرمہ اور یہود بھی قبیلہ غطفان کو اس شرط پر ساتھ لائے تھے کہ یہود بنی کو خیبر کے باغات کی پیداوار کا نصف دیا کریں گے (سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۰۹)

اس کا حصہ بھی مقرر کیا جائے تو وہ ایسا کرنے کو تیار ہے۔ آپ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ رؤساء انصار کو بلا کر مشورہ کیا۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کریم کے رسول کریم! اگر ایسا کرنا اللہ کریم کا حکم ہے تو جاری کر دیں ورنہ ہم تو انہیں تلوار کے سوا کچھ نہ دیں گے[17] استقلال دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔

غزوہ بنی قریظہ

غزوہ بنی قریظہ میں تین ہزار (۳۰۰۰) کے لشکر کے لئے صرف چھتیس (۳۶) گھوڑے تھے[18]

غزوہ خیبر

اس میں سولہ سو (۱۶۰۰) افراد پر مشتمل فوج تھی جس میں دو سو (۲۰۰) سوار اور باقی پیدل تھے[19]

غزوہ موتہ

اس میں فوج کی تعداد تین ہزار (۳۰۰۰) تھی[20]

فتح مکہ مکرمہ

فتح مکہ مکرمہ کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار (۱۰،۰۰۰) کا لشکر جرار ترتیب دیا۔

---

۱۷ ابن سعد، طبقات، جزء المغازی، غزوۃ الاحزاب

۱۸ حوالہ بالا۔

۱۹ حوالہ بالا۔

۲۰ صحیح بخاری، غزوہ موتہ۔

جو تقریباً سارے کا سارا اسلحہ تھا۔ جس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو ایسے بلند مقام پر لیکر کھڑے ہوئے جہاں سے اسلامی لشکر کے جلال اور پیش قدمی کا نظارہ کر سکے۔ لشکر اسلام کا موجیں مارتا سمندر اس کی آنکھوں کے آگے تھا۔ سب سے پہلے غفار، پھر جہینہ، سعد بن ہذیم، سلیم ہتھیاروں میں ڈوبے نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے ہوئے گذرنے لگے۔ آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسلح دستہ میں تشریف لائے۔ یہ مہاجرین و انصار باوفا کا ایسا آہن پوش دستہ تھا جس کی صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ ابوسفیان نے متحیر ہوکر دریافت کیا۔ یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصار باوفا اور مہاجرین تشریف لیجا رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم! اے ابوالفضل! (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت) آج کی صبح تیرے بھتیجے کا اقتدار کتنا عظیم ہے۔"[۲۱]

غزوہ حنین

اس کے لئے بارہ ہزار (۱۲،۰۰۰) کا لشکر گو اس سرو سامان کے ساتھ کہ بعض لوگوں کی زبان سے بے اختیار نکل گیا: "آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے"؛ لیکن عرش کے کریم سلطان جس نے آج تک محض اپنا کرم و فضل کر کے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح و نصرۃ سے نوازا تھا اسے یہ نازش پسند نہ آئی اور فرمایا:

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذَا أَعْجَبَتْكُمْ	ترجمہ: اور حُنین کے دن کو یاد کرو جب
كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا	تمہاری عددی کثرت نے تمہیں تعجب میں
وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ	ڈال دیا لیکن وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین

[۲۱] ابن قیم: زادالمعاد، ج ۱، ص ۴۲۳۔ سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۰۹

ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ٥ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ٥

(سورۃ التوبہ ، ۲۵ - ۲۶)

اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ کریم نے اپنے رسول کریم اور مسلمانوں پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور ایسی فوجیں نازل فرمائیں جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے تھے اور (جن کے ذریعے) ان لوگوں کو سزا دی جنہوں نے کفر اختیار کیا اور کافروں کی تو یہی سزا ہے۔"

تاہم اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو پوری طرح مسلح کرنے کے لئے اس عظیم فاتح اور اسلامی ریاست کے سربراہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اسباب نہیں تھے۔ لہٰذا آپ نے عبداللہ بن ربیعہ جو (ابوجہل کے بے مات بھائی تھے) نہایت دولتمند تھے۔ ان سے تیس ہزار (۳۰،۰۰۰) درہم قرض لئے[۲۲] اسی طرح صفوان بن اُمیہ جو مکہ مکرمہ کا رئیس اعظم تھا اس نے سو (۱۰۰) زرہیں اور دیگر ہتھیار مستعار دیئے[۲۳]

غزوہ تبوک کے جنگی مصارف

غزوہ تبوک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا آخری غزوہ تھا۔ یہ غزوہ چونکہ غسانی خاندان کے رئیس سے تھا۔ جسے مذہباً عیسائی ہونے کے ناطے سے تمام عیسائیوں کی مدد حاصل تھی اور قیصر روم بھی (جو عیسائی تھا) اس کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ کی اہمیت کے پیش نظر خوب تیاریاں کیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی خبردار فرما دیا۔ لیکن یہ قحط، خشک سالی اور سخت گرمیوں کا موسم تھا۔ یا یوں کہا جائے

۲۲ـہ احمد بن حنبل : مسند ج ۴ ، ص ۳۶ ۔

۲۳ـہ امام مالک : موطا بحوالہ ، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، شبلی نعمانی ، ج ا ، ص ۵۴۹ ۔

کر بڑے دشمن کے مقابلہ میں بھی اللہ کریم نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی نگاہ ظاہری اسباب سے ہٹا کر اپنی قدرتِ کاملہ پر مذکور کرانا تھی۔ (واللہ اعلم)

گو تمام جزیرہ عرب اب اسلامی ریاست کے زیر حکومت تھا اور غزوہ حنین کا مال غنیمت بھی آچکا تھا مگر بیت المال کی غربت اب بھی باقی تھی۔ اسلامی لشکر کو مسلح کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو دعوت ہدایا و عطیات دی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دوسو (۲۰۰) اوقیہ چاندی اور تین سو (۳۰۰) اونٹ پیش کئے[۲۴] ایک دوسری روایت کے مطابق پورے لشکر کا اسباب مہیا کر دیا جس پر ایک ہزار (۱۰۰۰) دینار خرچ کئے[۲۵]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا سارا اثاثہ اُٹھا کر لے آئے جس کی مالیت پانچ سو (۵۰۰) درہم تھی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ گھر کیا چھوڑ آئے ہو؟ تو بڑے اطمینان سے کہہ دیا "آپ کی محبّت اور بس"[۲۶] حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا آدھا سامان لیکر آئے جس کی مالیت دس ہزار (۱۰،۰۰۰) درہم تھی[۲۷] اور انصار باوفا نے بھی قربانیاں پیش کیں۔ مگر ان سب کے باوجود غزوہ میں شامل ہونے والوں کو اسلحہ اور سامانِ رسد نہ مل سکا۔ فقراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شوقِ جہاد اور جذبۂ شہادت لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر جب آپ انہیں فرماتے کہ آپ ان کی روانگی کا سامان نہیں کر سکتے تو وہ روتے ہوئے واپس لوٹتے۔ قرآن مجید نے اس فدائیت اور بیچارگی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ　　ترجمہ: اور ان لوگوں پر کچھ اعتراض ہے کہ

---

[۲۴] زرقانی: ج ۳، ص ۷۲

[۲۵] ابن سعد: طبقات، جزء المغازی، ص ۱۱۹

[۲۶] زرقانی، ج ۳، ص ۶۴

[۲۷] حوالہ بالا۔

لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ۔ (توبہ: ۹۲)

جب وہ آپ کے پاس آئے کہ آپ انہیں سواری دیں اور آپ نے کہا: میرے پاس سواری کہاں جس پر تمہیں سوار کر دوں تو وہ واپس چلے گئے اور ان کی آنکھوں سے غم کے آنسو رواں تھے کہ ان کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں"۔

ابن سعد نے ایسے مخلصین کے نام بھی نقل کئے ہیں جو آپ کے پاس روتے ہوئے آئے لیکن جب آپ نے فرمایا: میرے پاس کچھ نہیں، تو چیخیں نکل گئیں اور وہ جہاد سے محرومی سے روتے رہ گئے۔* ان میں سات (۷) صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے نام گنوائے گئے ہیں:

---

* حکیم کی حکمت کی کرشمہ سازیاں دیکھئے کہ اس غزوہ میں شمولیت نہ پا سکنے والوں میں چند کھاتے پیتے گھرانے والے بھی شامل ہیں ان میں نمایاں ترین حضرت کعب بن مالک، مرارۃ ابن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنھم ہیں جن کے اسباب و وسائل کی فراوانی ہی ان کی آزمائش کا سبب بن گئی۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے الفاظ اس سلسلہ میں قابلِ توجہ ہیں: "میں روزانہ اس ارادہ سے نکلتا کہ میں ضروری ساز و سامان لے لوں اور ان (جانے والوں) کے ساتھ ہو لوں لیکن بغیر کچھ کئے واپس لوٹ آتا۔ پھر میں دل میں کہتا کہ مجھے کیا دقت ہے جب چاہوں گا لے لوں گا۔ (پیسے میرے پاس ہیں اور سامان بازار میں موجود ہے) میں اسی اُدھیڑ بُن میں رہا۔ حتیٰ کہ (لشکر اسلام کی) روانگی کا وقت آ گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان روانہ ہو گئے اور ابھی تک میں نے کچھ سامان ہی نہیں کیا تھا۔ میں یہ سوچ کر کہ چلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے ایک دو دن بعد ہی روانہ ہو جاؤں گا اور قافلہ سے جا ملوں گا۔ قافلہ اسلام کی روانگی کے بعد میں سامان تیار کرنے کے لئے نکلا مگر بغیر کچھ کئے پلٹ آیا۔ دوسرے روز بھی یہی معاملہ ہوا۔ پھر مجھ پر ایک ایسی غفلت طاری ہوئی کہ قافلہ نکل گیا اور لڑائی کا معاملہ دور کی بات ہو گئی۔ میں نے اس کے بعد ارادہ بھی کیا کہ اب بھی مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر انہیں پا لوں اور کاش کہ میں نے ایسا کیا ہوتا مگر

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

سالم بن عمیر۔ حرمی بن عمرو۔ علبہ بن زید۔ ابو لیلیٰ المازنی۔ عمرو بن غنمہ۔ اسلمہ بن صخر اور قرباض بن ساریہ رضی اللہ عنھم۔ ایک دوسری روایت میں ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اس کے مطابق ان رونے والوں میں عبداللہ بن المغفل اور معقل بن یسار رضی اللہ عنھم بھی شامل تھے بعض رواۃ نے کہا ہے کہ رونے والے سات (۷) مقرن کے بیٹے تھے جو مزینہ میں تھے[۲۸]

دو دو۔ تین تین آدمی ایک اونٹ پر سوار تھے اور سامانِ رسد بالکل کم تھا[۲۹]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مجھے اس کی توفیق نہ ہوئی" (صحیح بخاری: کتاب المغازی۔ غزوہ تبوک) ایک دوسری جگہ یہی کعبؓ کہتے ہیں، "اللہ کریم کی قسم! جس وقت میں پیچھے رہ گیا اس وقت سے زیادہ میں کبھی صحت مند اور آسودہ حال نہیں تھا (صحیح بخاری، غزوہ تبوک)

۲۸؎ طبقات ابن سعد، جزء المغازی، غزوہ تبوک۔

۲۹؎ حوالہ بالا۔

باب ۸

بوقت رحلت
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی حالات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوشنبہ کے روز ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو زوال کے بعد اس دنیا فانی سے دارالبقاء کی طرف رحلت فرمائی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تریسٹھ (۶۳) برس تھی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب صرف جزیرۃ العرب پر ہی نہیں بلکہ سطوتِ نبویہ Prophetic Administrative Influence اور قوتِ حاکمانہ Remote Control کے ذریعے آس پاس کی ریاستوں کے والیان اور ملکوں کے شاہان پر بھی آپ کا اثر تھا۔ جو آپ کی خوشنودی تلاش کرنے کے لئے تحائف بھی بھیجا کرتے تھے۔ ان شاہان میں مقوقس مصری نجاشی حبشہ اور قیصرِ روم تک شامل تھے۔ حُنین و تبوک کے غنائم بھی آچکے تھے۔ بحرین سے آئی ہوئی بے پناہ دولت کا ڈھیر بھی مسجد نبوی کے صحن میں لگ چکا تھا۔ خیبر۔ فدک۔ وادی القریٰ تیما اور مدینہ منورہ کے باغات کی آمدنی بھی ہر فصل بعد پہنچ رہی تھی۔ مختلف والیانِ ریاست اور ملوکِ دول کے بیش قیمت تحائف بھی آپ کی خدمت میں پیش ہو رہے تھے۔ غالباً انہی ذرائع آمدن سے دھوکہ کھا کر مستشرقینِ یورپ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دنیوی بادشاہ کے روپ میں تصور کر کے وہ تمام نقائص (نعوذ باللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی میں فرض کر لئے جو قدیم یورپ کے بادشاہوں میں ہوا کرتے تھے۔ ناکارہ مصنف کے قلم میں اتنی

جرأت ہرگز نہیں کہ ان کی ہر زہ سرائیوں میں سے کسی ایک کو بھی یہاں نقل کرے۔ حضرت عائشہ رض صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر محرم راز کون تھا۔ وہ فرماتی ہیں:

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت اس حالت میں فرمائی کہ میرے گھر میں کوئی ایسی شے نہ تھی جسے کوئی جانور کھالیتا، صرف ذرا سا جَو Barley میری الماری پر رکھا تھا میں نے اُس میں سے کچھ پکا کر کھایا، وہ بہت دن چلا، حتیٰ کہ میں نے ایک دن اس کی ناپ تول کی، بس اسی دن کے بعد وہ ختم ہو گیا"[1]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں رحلت فرمائی کہ آپ کی زرہ ایک یہودی مالدار کے پاس تیس (۳۰) صاع جَو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے دے کر آپ زرہ واگذار کرا لیتے، یہاں تک کہ آپ نے اس دنیا کو الوداع فرمایا[2]"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کپڑوں میں رحلت فرمائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے[3] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں ایک میلی بوسیدہ چادر اور ازار بند نکال کر دکھائے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی[4]"

اور جب اس عالم رنگ و بُو کو الوداع فرمایا تو کوئی ایک دینار یا درہم۔ کوئی لونڈی یا

---

[1] متفق علیہ: بخاری، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء۔

[2] صحیح بخاری، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاتہٖ۔

[3] ایضاً: باب الجہاد۔

[4] متفق علیہ، ریاض الصالحین، باب الزھد فی الدنیا والحث علی التقلل منہا۔

غلام اور کوئی چیز بھی اپنے پیچھے نہیں چھوڑی۔ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سواری کا جانور تھا، آپ کے ہتھیار تھے اور زمین تھی۔ جسے آپ نے مسلمانوں کے لئے صدقہ کر دیا تھا[۵]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات

یہاں متروکات کا لفظ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان جائیداد، اموال اور اشیاء کے لئے استعمال کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دارِ فانی سے دارالبقاء (آخرت) کی طرف رختِ سفر باندھتے وقت چھوڑیں۔ ہم نے ان اموال و اشیاء کے لئے وراثت یا ترکہ کا لفظ اس لئے استعمال نہیں کیا کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام وراثت میں درہم و دینار یا اشیاء و اموال نہیں چھوڑا کرتے بلکہ وہ علم و ہدایت چھوڑتے ہیں جن کے ورثاء ان کے پیروکاروں میں علماء بنتے ہیں۔ اس حقیقت کا اعلان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہی فرما دیا تھا:

لَا نُورث ما ترکنا صدقۃ[۶] "ہمارا (انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم نے جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔"

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے ایک روایت میں نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میرے ورثاء اشرفی بانٹ کر نہیں پائیں گے"۔[۷] یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کا یقین ہو گیا تو ان کے پاس آپ کے جو چند دینار بطور امانت پڑے تھے وہ انہوں نے نکال کر فوراً خیرات کر دیئے[۸]

۵۔ صحیح بخاری: باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاتہ۔

۶۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، کتاب الفرائض۔

۷۔ صحیح بخاری کتاب الوصایا۔

۸۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲، ص ۲۲۲۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اموال یا اشیاء چھوڑی بھی تھیں ؟ اس کے جواب میں دو صحیح حدیثیں بظاہر متعارض ہیں ۔ پہلی حدیث کی راوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں وہ نقل فرماتی ہیں :

ما ترك رسول الله صلى الله عليه وسلم دينارًا و لا درهمًا و لا بعيرًا و لا شاةً ۔ [۹]	ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ درہم و دینار چھوڑے نہ اونٹ اور بکری ۔"

مطلب یہ ہوا کہ آپ نے کچھ نہیں چھوڑا ۔

دوسری حدیث کی راوی ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عمرو بن حویرث رضی اللہ عنہ ہیں ۔ وہ کہتے ہیں :

ما ترك رسول الله صلى الله عليه وسلم عند موته درهمًا ولا دينارًا ولا عبدًا ولا امة ولا شيئًا الا بغلة البيضاء وسلاحه وارضًا جعلها صدقة [۱۰]	ترجمہ :" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت نہ درہم چھوڑا نہ دینار، نہ غلام نہ لونڈی اور نہ کوئی دوسری شے ، صرف ایک سفید خچر اور اپنے ہتھیار اور زمین جسے صدقہ کر دیا ۔ یعنی عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا ۔"

دراصل یہ دونوں حدیثیں متعارض نہیں ۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کی روایت میں اجمالاً اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور میراث کچھ نہیں چھوڑا ۔ اگر کچھ متروکات تھیں بھی تو وہ اُمت کے لئے وقف تھیں ۔ حضرت عمرو بن حویرث رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں تفصیلاً یہ بتایا ہے کہ آپ نے بطور میراث

---

۹ صحیح بخاری : کتاب الوصایا ۔

۱۰ صحیح بخاری : کتاب الوصایا ۔

کچھ نہیں چھوڑا تھا جو ورثاء بانٹ لیتے، البتہ جو سواری کا جانور، اسلحہ اور زمین آپ نے چھوڑی وہ مسلمانوں کے لئے وقف تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو متروکات چھوڑیں وہ تین تھیں:

۱: زمین ۲: سواری کے جانور ۳: ہتھیار

یہ اموال مسلمانوں کے لئے وقف تھے۔ زمین تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دنیوی حیاتِ مبارکہ میں ہی وقف کر دی تھی۔ سواری کے جانور اور اسلحہ بعد میں وقف سمجھے گئے۔

ان متروکات کا مختصر تعارف یوں ہے:

۱: زمین

حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ نے جس زمین کا اپنی روایت میں ذکر کیا ہے وہ خیبر وادی تیما، وادی القریٰ، فدک اور مدینہ منورہ کے باغات تھے یا مخیریق یہودی کے وہ باغات تھے جو انہوں نے آپ کے لئے ہبہ کر دیئے تھے۔ ان تمام زمینات اور باغات کا ذکر پہلے دو تین بار کیا جا چکا ہے۔ یہ زمینات اور باغات آپ کے اوقاف تھے جن کی پیداوار محتاجوں فقراء، مسافروں اور مسلمانوں کی فلاح کے لئے وقف تھی۔ صرف خیبر کی پیداوار کا ایک تہائی آپ اپنے اہل وعیال کے سالانہ اخراجات کے لئے لیا کرتے تھے اور یہ ان میں سے بھی جو بچ جاتا وہ غریب مہاجرین کی کفالت پر خرچ کیا جاتا[1]

[1] ان باغات میں مدینہ منورہ کے باغات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اصرار پر ان دونوں کی تولیت میں دے دیئے یعنی ان کی پیداوار وہ فقراء میں تقسیم کریں گے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا انتظام کرتے تھے۔ البتہ فدک اور خیبر کے باغات حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک خلفاء کے پاس رہے

باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

۲: سواری کے جانور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواری کے جانوروں کے تذکرہ کے بارے میں ارباب سیر اور محدثین کی روایات میں بڑا تضاد ہے۔ مؤرخین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواری کے جانوروں کی تعداد اور ان کی صفات اسقدر بیان کی ہیں کہ ان پر ایک بادشاہ کا اصطبل کا گمان ہوتا ہے جبکہ محدثین نے چند سواری کے جانوروں کے نام گنوائے ہیں۔ مگر اس میں اختلاف کی کوئی وجہ نہیں۔ گو تمام ارباب سیر یا مؤرخین کی اس سلسلہ کی روایات کا اصل واقدی ہیں جن کے بارے میں دارقطنی کی رائے ہے کہ انکی روایات ضعیف ہیں پھر اگر یہ تسلیم کریں کہ آپ کے اصطبل میں اسقدر گھوڑے اور دیگر سواری کے جانور تھے تو حرج ہی کیا ہے؟ اس میں کون جرم کیا گیا ہے؟ کونسی بات شانِ نبوت کے خلاف ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی تو بحر و بر کے مالک بنا دیئے گئے۔ پھر بھی نبی ہی رہے۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سواری کے جانور تو جہاد کے لئے تھے یعنی جو کچھ تھا زیادہ یا کم وہ صرف اللہ کریم کی راہ میں جہاد کرنے اور دشمنانِ اسلام پر رعب ڈالنے اور ان کے خلاف جنگی تیاریوں کیلئے تھا۔ لہٰذا طبری اور دوسرے مؤرخین نے جو ایک لمبی فہرست مرتب کی ہے اسے تسلیم کرنے میں کیا حرج ہے؟ یہ تو گھوڑے تھے کفار کے خلاف لشکر کشی کے لئے اور جہاد کی تیاری کیلئے!

روایاتِ صحیحہ کی رُو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواری کے جانوروں میں یہ جانور شامل تھے: لحیف (گھوڑا)، عفیر (ایک گدھا) عضباء اور قصواء[۱]، تیہ (خچر مقوقس مصری نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلفاء کی بے اعتدالیاں دیکھ کر یہ باغات اہلبیت کی تولیت میں دے دیئے کہ وہ انکی آمدن محتاجوں میں تقسیم کریں۔

[۱] قصواء: وہ سعادتمند اونٹنی ہے جس پر سوار ہو کر آپ نے ہجرت فرمائی۔ یہی اونٹنی ابُو ایوب انصاری کے مکان پر آکر بیٹھی اور اسی پر سوار ہو کر آپ نے حجۃ الوداع کا خطبہ دیا تھا۔

ھدیۃً بھجوایا تھا) دو اور خچر تھے جن میں سے ایک ابن العلاء (رئیس ایلہ) نے تحفہ میں بھیجا تھا
غزوۂ حنین میں آپ جس خچر پر سوار تھے وہ فروہ بن نفاثہ جذامی نے ھدیۃً بھجوایا تھا[۳]

۲: اسلحہ

اسلام کے مجاہد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلحہ خانہ میں جہاد کی خاطر یہ اسلحہ موجود تھا:

۱: تلواریں نو (۹) تھیں: ۱: ماثور (والد صاحب سے وراثت میں ملی تھی) ۲: عضب ۳: ذوالفقار (بدر میں ہاتھ آئی تھی) ۴: قلعی ۵: تبار ۶: حتف ۷: مخذم ۸: قضیب، نویں کا نام نہیں معلوم ہو سکا۔

۲: زرہیں سات (۷) تھیں: ۱: ذات الفضول ۲: ذات الوشاح ۳: ذات الحواشی ۴: سعدیہ ۵: فضہ ۶: تبرا ۷: خرنق۔ ذات الفضول وہی زرہ تھی جو ایک یہودی کے پاس سال بھر رہن رہی۔

۳: کمانیں چھ (۶) تھیں: ۱: زوراء ۲: روحاء ۳: صفراء ۴: بیضاء ۵: کتوم ۶: شداد۔

۴: جُبّے تین (۳) تھے، جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی میں پہنتے تھے۔

۵: ایک ترکش تھا جسکو کافور کہتے تھے۔

۶: ایک چمڑے کی پیٹی تھی۔

۷: ایک ڈھال تھی جس کا نام زموق تھا۔

۸: لوہے کا ایک مغفر تھا۔ جس کا نام موشح تھا۔ ایک دوسرے مغفر کا نام سبوغ تھا۔

۹: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبز، سفید، سیاہ علم بھی تھے۔ ایک علم کا نام عقاب تھا۔

---

[۳] بخاری۔ کتاب الجہاد۔

۱۰: پانچ (۵) برچھیاں بھی چھوڑیں [۱۴]

۴: مکانات

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہائش کا مکان بھی چھوڑا - دراصل یہ وہی حجرات تھے جن میں آپکی ازواجِ مطہرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن رہا کرتی تھیں - ان مکانات کا تذکرہ باب ۳ میں قدرے تفصیل سے کیا جا چکا ہے - اعادہ کی ضرورت نہیں -

علاوہ ازیں چند اور تبرکات بھی تھے مثلاً آپ کے بال مُبارک جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عشق و محبت میں محفوظ کر لئے تھے - نعلین مبارک - لکڑی کا پیالہ - جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس تھے - عصائے مبارک ، خاتم (مہر) مبارک وغیرہ بھی محفوظ کر لئے گئے عصائے مبارک اور مہر مبارک دونوں پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس منتقل ہو گئیں - حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ضائع ہو گئیں [۱۵] مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ آثار و تبرکات بھی اٹھا لیئے گئے - گو ان اشیاء کے تذکرہ کا معاشیات سے تعلق نہیں مگر ایک دردِ دل رکھنے والے اُمتی کے لئے ان تبرکات کا تذکرہ معاشی پریشانیوں کو سمجھنے کا ذریعہ ضرور بنتا ہے -

چند معاشی تعلیمات

اس میں شک و شُبہ نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقر اختیاری تھا اور آپ نے وراثت وغیرہ اس لیئے نہ چھوڑی کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام درہم و دینار نہیں چھوڑا کرتے

---

[۱۴] یہ تمام تفصیل علامہ شبلی کی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲ ، باب متروکات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہے -

[۱۵] حوالہ بالا -

مگر اس میں اُمت کے لئے بہت ساری معاشی تعلیمات Economic Teachings ہیں۔ مثلاً:

فقر اور سادگی سے زندگی گذار لینا انسان کو بہت سی معاشی پریشانیوں

اور ضرورت سے زیادہ معاشی

جدوجہد Economic Struggle سے نجات دیتا ہے۔ اسطرح انسان کو گونہ ذہنی سکون نصیب ہوتا ہے اور وہ اُمت کی بہتری کے لئے بہت سے دوسرے امورِ خیر انجام دے سکتا ہے۔ لالچ اور زیادہ سے زیادہ کا حصول انسان کے سینے کو معاشی پریشانیوں سے بھر دیتا ہے۔ لہٰذا انسان کسی کے لئے تو کیا اپنے لئے بھی بہتر زندگی نہیں گذار سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاکم ہو کر بھی فقر اختیار کر کے عام انسانوں اور بادشاہوں تک یہ تعلیم دی ہے کہ زندگی تو اس طرح بھی کٹ سکتی ہے۔

۲: اسی فقر اور سادگی کو حکومتی سطح پر بھی اپنایا جائے تو بے جا اخراجات بلکہ تعیشات اور فضولیات ختم ہو جائیں گی جن کے لئے عوام پر ٹیکس لگا کر پریشان کیا جاتا ہے۔ اگر حکمران اور ان کے اہلکار سادہ زندگی گذاریں گے تو وہ زیادہ سے زیادہ بچا کر غریب عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کر سکیں گے جبکہ آج وہ اُلٹا غریبوں سے لیکر اپنے اخراجات پورے کرتے ہیں۔

۳: اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وراثت اس لئے نہیں چھوڑی کہ انبیاء کرام دولت و مال نہیں چھوڑا کرتے مگر اس سے ایک طرح وراثت چھوڑنے کے جنون کی حوصلہ شکنی ضرور کی گئی ہے۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ لوگ وراثت اکٹھی کرنے کے جنون میں ارتکاز دولت Concentration of Wealth کرتے ہیں۔ بعض اوقات غیر شرعی حربے استعمال کرتے ہیں، کئی شرعی حقوق دباتے ہیں کہ اپنی اولاد کو امیر چھوڑ کر مریں۔ گو اولاد کو اچھی معاشی حالت پر چھوڑ جانا ایک مستحسن بات ہے مگر اسے جنونی وراثت میں تبدیل کرنا کسی طرح مستحسن نہیں۔ اگر سرمایہ دار زیادہ سے زیادہ وراثت چھوڑنے کا جنون چھوڑ کر اپنی زندگی

میں زیادہ سے زیادہ اُمتِ مسلمہ کی فلاح کے لئے خرچ کریں تو گردش دولت اور تقسیمِ دولت کی راہیں کھلیں گی اور عدلِ اجتماعی کا قیام آسان ہو گا۔

۴: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام متروکات اُمّت کے لئے وقف کر کے اغنیاء کو یہ سبق دیا ہے کہ وہ اگر اپنی زندگی میں بخل اور مال کی محبّت میں اُمّت کے فقراء و محتاجوں کے لئے کچھ نہیں کر سکے یا جتنا کرنا چاہیئے، اس سے کم کر گئے تو اپنی موت کے وقت یہ وصیت کریں کہ ان کی وراثت کا ایک حصہ اُمّت کے فقراء اور محتاجوں کی معاشی فلاح Economic Welfare پر خرچ کر دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اغنیاء کو اپنا ایک تہائی (۱/۳) مال یوں وصیت کر دینے کی ترغیبی اجازت دی ہے۔

باب ۹

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاشی اسوۂ حسنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ اور اوصافِ حمیدہ اپنی کاملیت اور جامعیت کے اس اعلیٰ ترین درجہ پر ہیں جن کا انسانی عقل ادراک نہیں کرسکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمہ اپنی جامعیت میں تمام انسانوں کے لئے نمونہ ہیں جن سے دُنیا کا کوئی انسان بھی اپنی زندگی کے جس شعبہ کے لئے چاہے ہدایات کا وافر ذخیرہ پاسکتا ہے۔

آپ کون ہیں؟ کیا ہیں؟ کہاں ہیں؟ کیا چاہتے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیّبہ آپ کے لئے نمونہ بن سکتی ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ہو۔ معاشیات ہو، سیاسیات ہو، اخلاقیات ہو، عبادات ہو، فردی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ حسنہ ہمارے لئے بہترین نمونہ رکھتا ہے۔ آپ بیٹا ہیں، باپ ہیں، بھائی ہیں، ساتھی ہیں، دشمن ہیں، تاجر ہیں، صنعتکار ہیں، کارخانہ دار ہیں، مزدور ہیں، زمیندار ہیں، مزارع ہیں، سیاستدان ہیں، معیشت دان ہیں، بادشاہ ہیں، رعایا ہیں، خوشحال ہیں یا پریشان ہیں۔ غرض آپ جو بھی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ آپ کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ (الاحزاب: ۲۱)

ترجمہ: "تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی سیرۃ طیبہ) میں بہترین نمونہ موجود ہے۔"

جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی اسوۂ حسنہ کا موضوع زیرِ بحث لانا چاہتے ہیں تو ہمارا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ کے اس پہلو کا مطالعہ ہوتا ہے جو معاش سے تعلق رکھتا ہے۔ اور بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی رویہ پر غور

کرنا ہوتا ہے۔ تاکہ اس کی روشنی میں ہم بھی اپنی معاشی زندگی کو ڈھال سکیں اور دنیا و آخرت میں عزت اور کامیابی والے بن جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی سلوک یا معاشی رویہ یا معاش کے بارے میں آپ کے اُسوۂ حسنہ (آپ کوئی نام دے لیں) کی روشنی میں آپ وہ معاشی سلوک تلاش کر سکتے ہیں جس پر چل کر آپ سنگدل سرمایہ دار یا متمرد زمیندار یا استحصالی کارخانہ دار تو نہیں بن سکیں گے مگر آپ ایک اچھے انسان ضرور بن سکتے ہیں جس کے رزق میں برکت ہوگی جس کو اللہ کریم کے رزق کے وعدوں پر یقین ہوگا۔ جو سخی اور قناعت پسند ہوگا۔ جو خود بھوکا رہ کر بھی دوسروں کو کھلانے والا۔ جو کمزوروں، غریبوں اور بے کسوں کا معاشی سہارا ہوگا جسے دوسروں کا حق دبانا اس سے کہیں زیادہ شاق گذرے گا جتنا اس کا کوئی حق دبائے تو اسے شاق گذرتا ہے۔

اگر آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی سلوک کا مطالعہ جدید سرمایہ دارانہ معاشی نظریات کی عینک لگا کر کریں گے تو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ اور فیاضانہ معاشی سلوک کو سرمایہ دارانہ نظام کے بخیلانہ معاشی سلوک کے بالکل برعکس پائیں گے سرمایہ دارانہ معاشیات کی تعلیمات سے کسی فرد کا بہترین رویہ اور عقلمندانہ اور معقول Wise and Rational معاشی رویہ اسوقت ہوگا کہ جب وہ کم از کم خرچ کر کے زیادہ سے زیادہ افادہ Utility, حاصل کرنیوالا ہو۔ یعنی بخیل بھی ہو اور معاشی فائدہ بھی زیادہ اٹھانے والا ہو۔ یہ جدید سرمایہ دارانہ معاشیات کا مسلمہ اُصول ہے۔ کیا اس مسلمہ اُصول پر عمل کر کے کسی فرد کو آپ سخی اور دوسرے کی خاطر ایثار کرنیوالا پا سکتے ہیں؟ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ تو یہ سبق سکھاتا ہے کہ خود بھوکا رہ کر تمام خوراک بھوکوں اور مہمانوں کو کھلادی جائے اور اپنا نقصان کر کے بھی دوسرے مسلمان بھائی کے نفع کا تحفظ کیا جائے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لئے آپ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی اُسوۂ حسنہ کے چند پہلوؤں کا مطالعہ کریں گے:

۱۔ اپنی محنت سے کمانا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کا اوّلین پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی محنت کرکے اللہ کریم کے خزانوں سے رزق کماتے، خود کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے تھے۔ آپ نے پڑھ لیا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ نبوت ملنے سے قبل اہل مکہ مکرمہ کی بکریاں قراریط (سکّے کا نام) پر چرائیں۔ تجارت کو وسیلہ رزق بنایا اور پھر نبوت ملنے کے بعد بھی ابتدائی سالوں میں حضرت خدیجتہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی دولت (جو اب آپ کی ہو چکی تھی) کے ساتھ تجارتی کاروبار کرتے تھے۔ اگرچہ نبوت کی ذمہ داریوں میں جوں جوں اضافہ ہوتا گیا۔ آپ محنت سے کمانے کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ جس کی وجہ قیام مکہ مکرمہ میں یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت خدیجتہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی دولت کو اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی کفالت کے لئے کافی کر دیا تھا۔ ہجرت مدینہ منوّرہ کے بعد مدینہ منورہ کے ابتدائی چند ماہ آپ بظاہر کسی ذریعہ روزگار کو اپنا نہ سکے۔ جس کی وجہ آپ کی داعیانہ اور مدینہ منوّرہ کی اسلامی ریاست کے پہلے سربراہ کی حیثیت سے انتظامی امور میں بے پناہ اضافہ تھا دوسرے اب آپ مملکت اسلامیہ کی ریاستی ذمہ داریاں چلا رہے تھے۔ لہٰذا آپ کی معاشی کفالت مملکت اسلامیہ کے بیت المال پر تھی۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخیّر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم پورا کرتے رہے۔ مگر آپ کا خود دارانہ مزاج مبارک معاشی کفالت میں کسی فرد کی محتاجی یا کسی پر بار بن کر رہنا گوارا نہیں کرتا تھا۔ لہٰذا آپ باقاعدہ غزوات میں شریک ہوتے اور اللہ کریم کے کرم اور فضل سے مسلمانوں کے مقدر میں جو مال غنیمت آتا اس میں سے آپ اپنا حصّہ بحیثیت مجاھد کے لیتے جسے اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی گذراوقات کا ذریعہ بنا دیا تھا۔

آپ کے اس مبارک معاشی طرزِ عمل میں تمام مسلمانوں کے لئے بالعموم اور دعوت دین کا کام

کرنے والوں کے لیئے بالخصوص یہ قیمتی سبق موجود ہے کہ ایسے لوگ کسی دوسرے کے مال یا معاشی سہارے پر گزراوقات کی بجائے اللہ کریم کے خزانوں میں سے محنت کر کے کمائیں کھائیں اور خود دار رہ کر دعوت دین کا کام کریں۔ یوں وہ سرمایہ داروں اور مال کو ذریعہ عزت سمجھنے والے احمقوں کی نگاہ میں بے وقعت بھی نہیں رہیں گے اور اسی طرح حق بات کہنے میں کسی وڈیرے کا جھوٹا رعب بھی ان پر نہیں رہے گا۔ (واللہ اعلم)

۲: حلال اور حرام کی تمیز

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے معاشی اسوۂ حسنہ کا دوسرا نمایاں پہلو حلال اور حرام کی تمیز ہے۔ موجودہ سرمایہ وارانہ معاشیات میں یہ ورق بالکل ہی صاف ہے یہاں حرام و حلال کی تمیز شاید کوئی اخلاقی قدر ہو تو ہو مگر معاشی اصول نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت نبی حلال کے سوا تو کچھ کماتے یا استعمال کرتے ہی نہیں تھے۔ مگر آپ نے اس حلال اور حرام کی تمیز اپنے گھر اور اہل بیت کو بھی تعلیم فرمائی اور عملاً کر کے دکھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ نے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے مالِ زکوٰۃ میں سے لینا حرام قرار دیا۔ اور یوں اپنے آپ کو ایک گونہ معاشی تنگی میں ڈالا۔ کیونکہ زکوٰۃ کے ذریعے مسلمانوں کا مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور آپ چاہتے تو آپ خود اور آپ کا خاندان اسے استعمال کرتے اور وہ معاشی آسودگی کا ذریعہ بن جاتا۔ لیکن آپ نے بذریعہ وحی اس کا استعمال اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے حرام ٹھہرا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے افراد کو فرما دیا تھا کہ "صدقہ آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے جائز نہیں ہے۔ یہ لوگوں کا میل ہے۔" [1]

اس حرمت کی مصلحتیں تو اللہ کریم ہی جانتا ہے۔ مگر ایک حکمت جو واضح طور پر ذہن میں آتی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ آنیوالے خلفاء بادشاہان اور حکمرانوں کو زکوٰۃ (جو محتاجوں اور کمزوروں کا مال ہے) کھانے سے باز رکھنا تھا۔ اگر آپ نے زکوٰۃ وصدقات

---

[1] متفق علیہ، مصارف الزکاۃ۔

کا مال خود استعمال فرمایا ہوتا تو بعد میں آنے والوں کے لئے ایک دلیل موجود ہوتی۔ اور فقراء و مساکین کے مال کو اپنی خواہشات پر خرچ کر دیتے (جیسا کہ آج ہو رہا ہے)

حلال و حرام کی تمیز کا کس قدر خیال تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے کہ ایک بار راستہ میں پڑی کھجور نظر آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُٹھائی اور فرمایا اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ صدقہ کی ہو گی تو کھا لیتا۔

عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجد تمرۃً فی الطریق فقال: لولا أنی اخاف ان تکون من الصدقۃ لاکلتھا[۱]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار راستہ میں کھجور پڑی پائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ صدقہ کی ہو گی تو اُسے ضرور کھا لیتا۔

اب آپ کے گھر والوں کے بارے میں احتیاط کا معاملہ سُنیے:

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف رکھتے تھے۔ ایک صاحب نے کھجوروں کا طباق خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ یہ ہمارے لئے تحفہ ہے یا صدقہ؟ اُن صاحب نے عرض کیا: صدقہ ہے۔ اسی دوران حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک کھجور اُٹھا کر منہ میں رکھ لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ میں انگلی ڈال کر وہ کھجور اُگلوا دی، اور فرمایا:

"تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خاندان ہو، اور یہ صدقات ہمارے لئے حلال نہیں ہیں[۲]"

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ اُن سے کسی نے دریافت کیا کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات یاد ہے؟ فرمانے لگے:

---

[۱] متفق علیہ: بحوالہ ریاض الصالحین (از امام نوویؒ) باب الورع وترک الشبہات

[۲] ابو بکر الہیثمی: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج ۳، قاہرہ، ۱۳۵۲ھ
باب الصدقۃ لرسول صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ، ص ۸۹۔

كُنت أمشي معه فمرّ على جرين	ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں چل رہا
من تمر الصدقة ۔ فاخذت تمرة	تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام جرین سے گذرے
فالقيتها في فيّ فاخذها بلعابها	جہاں صدقہ کی کھجوریں (خشک ہونے کے لئے)
فقال بعض القوم و ما عليك لو	پڑی تھیں۔ میں نے ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال
تركتها فقال : انا آل محمد لا تحل	لی مگر آپ نے وہ چبائی ہوئی واپس لے لی۔ کچھ
لنا الصدقة [۲]	لوگوں نے عرض کیا، اگر آپ اس بچے کو کھانے دیتے

تو آپ کا کیا حرج تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم (یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خاندان ہیں' ہمارے لئے صدقہ کھانا حلال نہیں۔"

ان روایات کا مقصد یہ بتانا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اور اپنے اہل وعیال کے کھانے پینے اور اپنے معاشی معاملات میں حلال اور حرام کی کس قدر تمیز فرمایا کرتے تھے حرام تو کجا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مشتبہات سے بھی حرام کی طرح پرہیز فرمایا کرتے تھے۔ یہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ۔ کہ اگر آپ نے چند اشیاء کو حرام قرار دیا تو اس کی عملی شکل بھی قائم کر کے دکھائی اور امت کو تعلیم فرمائی کہ حرام کے استعمال میں کسی قسم کی بھلائی اور فلاح نہیں اور حلال بظاہر کم بھی ہو تو بابرکت ضرور ہوگا۔

۳: سخاوت اور فیاضی

سخاوت اور فیاضی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کے دو ایسے پرتو ہیں جن کی چمک سے افلاس اور محتاجی کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے انسانوں کے محتاج خانے بھی اُمید

---

[۲] ابوبکر الھیثمی: مجمع الزوائد و منبع الفوائد، ج ۳، قاہرہ، ۱۳۵۲ھ باب الصدقة لرسول صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ، ص ۹۰۔

اور خوشحالی کے نور سے جگمگانے لگتے ہیں۔ سخاوت اور فیاضی کے ذریعے دولت اغنیاء کے خزانوں سے نکل کر محتاج فقیر کی جھونپڑی تک پہنچ جاتی ہے۔ جدید سرمایہ دارانہ معیشت کی کتاب کی یہ کم قسمتی ہے کہ اس کے دامن میں سخاوت اور فیاضی کے تابدار موتی نہ آئے لہٰذا آپ جدید سرمایہ دارانہ نظام معاشیات کی کوئی کتاب پڑھ لیں آپ اس میں سخاوت و فیاضی کے مؤثر عنوانات نہ پا سکیں گے جس کی وجہ یہی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کا خمیر ہی بخل اور امساک سے اُٹھایا گیا ہے۔ جبکہ سخاوت و فیاضی کریمانہ اخلاق کے وہ حصے ہیں جو اللہ کریم کی راہ میں خرچ کرنے، فقراء و مساکین کی محبت اور دینا دنی کی حقارت سے غذا پاتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخاوت و فیاضی کے اوصافِ حمیدہ کے ذریعے اپنے مال و دولت میں اپنی اُمت کے غریبوں اور بے نواؤں کو شامل فرمایا۔ اور یوں گردشِ دولت Circulation of Wealth کی راہیں کشادہ کر دیں اور بخل وارتکاز اور اکتنازِ دولت کی عاداتِ رذیلہ کے مُضر معاشی اثرات کا علاج فرما دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساری زندگی کا یہ عمل رہا کہ جو کچھ آیا اللہ کریم کی رضا کی خاطر اللہ کریم کے محتاج بندوں پر خرچ کر دیا۔ آپ نے یہ پڑھا ہوگا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہلی بار فرشتہ جبریل علیہ السلام آئے تو آپ گھبرا گئے۔ گھر تشریف لائے اور اپنی محرمِ راز باوفا زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے دلجوئی کے لئے دریافت فرمایا کہ کیا اللہ کریم مجھے لوگوں کی رسوائی کے لئے اکیلا تو نہیں چھوڑ دیں گے؟ تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بڑے اعتماد کے ساتھ جواب دیا:

"ہرگز نہیں! اللہ کریم کی قسم! اللہ کریم آپ کو بھلا کیوں رُسوا ہونے دیں گے۔ آپ تو کمزوروں، بے کسوں کا سہارا بنتے ہیں جن کا کوئی کمانے والا نہیں آپ انہیں کما کر کھلاتے ہیں، ناتوانوں کے بوجھ اُٹھاتے ہیں۔۔۔۔"

یہ آپ کی نبوت کے سچا ہونے کی پہلی شہادت تھی جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے دی جو دراصل آپ کی سخاوت اور فیاضی کی شہادت ہے۔ کہیں اس شہادت کا مفہوم یہ تو نہیں کہ فیاض اور سخی جھوٹا دعویٰ نہیں کرتا۔ لہٰذا وہ اپنے دعویٰ کے نتیجے میں رسوا بھی نہیں ہوتا۔ (واللہ اعلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک کے مہینہ میں زیادہ سخاوت فرماتے تھے زندگی بھر کسی سائل کے سوال پر "نہیں" کا لفظ آپ کی زبان مبارک پر نہیں آیا۔ مگر اس پر تواضع اور عبدیت کا یہ عالم کہ کبھی اس سخاوت کو اپنی ذات کی طرف منسوب نہیں فرمایا۔ بلکہ اسے اللہ کریم کے کرم اور احسان سے ہی تعبیر فرمایا کرتے تھے۔

انما انا قاسم و خازن واللہ یعطی ۵

ترجمہ "میں تو صرف تقسیم کرنیوالا اور خازن ہوں دینے والا تو اللہ کریم ہی ہے۔"

کاشانہ نبوی میں کبھی بھی کوئی مال اپنی ضرورت کے لئے روک نہ رکھا گیا۔ گو فتح خیبر (۷ھ) کے بعد یہ معمول بنالیا تھا کہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کے لئے سال بھر کا اناج رکھدیا جاتا تھا ۶ مگر غالباً یہ بھی اُمت کو ایک جواز کی صورت عنایت کرنا تھی تاکہ قیامت تک آنیوالے احتیاط پسند اُمتی اگر سال بھر کا اناج اپنی ضرورت کے لئے ذخیرہ کرلیں تو اُسے گناہ نہ تصوّر کریں۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے سال کے لئے جمع کئے ہوئے غلّہ کا یہ حال ہوتا کہ وہ فقراء و مساکین کی نذر ہوجاتا اور کاشانۂ نبوی میں کئی کئی روز آگ روشن نہ ہوتی اور کئی کئی دن صرف پانی اور کھجور پر گذر

---

۵ بخاری: کتاب الآداب، باب حسن الخلق۔

۶ بخاری: کتاب المزارعۃ۔

جاتے تھے[۷]

کرامت نفس کا یہ عالم کہ کبھی کوئی کھانے کی چیز تنہا نہیں تناول فرماتے تھے خواہ وہ چیز کتنی ہی کم ہو۔ ہمیشہ حاضرین کو شامل فرماتے۔

ایک بار ایک غزوہ میں (۱۳۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمراہ تھے۔ آپ نے ایک بکری خرید کر ذبح کرائی اور کلیجی بھوننے کا حکم دیا۔ جب تیار ہوگئی تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شریک فرمایا۔ جو کہیں ضرورت سے باہر گئے ہوئے تھے اُن کا حصہ محفوظ کر دیا[۸]

سخاوت کے ساتھ ساتھ حلم و بُرد باری کا یہ عالم کہ کئی بار سائل نے آکر ادب سے سوال کرنے کی بجائے گستاخانہ انداز اختیار کیا مگر جبینِ حلم پر شکن نہ آئی۔ غزوۂ حنین کے موقع پر اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ مالِ غنیمت عطا فرمایا۔ مگر آپ نے سارا مالِ غنیمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیا۔ جب حنین سے واپس مکہ مکرمہ تشریف لا رہے تھے تو بدوؤں کو اطلاع ہوئی کہ سخی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے گذر رہے ہیں۔ دوڑ دوڑ کر آتے اور آپ سے لپٹتے جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھبرا کر ایک درخت کی اوٹ لینا چاہی۔ اسی کشاکش میں آپ کی چادر مبارک ان بدوؤں کے پاس رہ گئی۔ آپ نے فرمایا میری چادر واپس دیدو۔ اللہ کریم کی قسم! میرے پاس اگر جنگلی درختوں کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو سارے کے سارے تم میں تقسیم کر دیتا۔ تم نہ مجھے بخیل پاتے نہ جھوٹا نہ بزدل[۹]

ایک دفعہ فیاض عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ ایک دیہاتی آیا اور آپ کی ردائے مُبارک کا پلّہ پکڑ کر زور سے کھینچتے ہوئے

---

۷ جامع ترمذی، باب معیشۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ بخاری، کتاب الرقاق

۸ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۹۹

۹ صحیح بخاری، باب الشجاعۃ فی الحرب۔

کہنے لگا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ مال نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا۔ مجھے ایک اونٹ کا بار دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اونٹ جَو اور کھجوروں سے لدوا دیا۔[۱۰]

فیاضی کے ساتھ ساتھ مروّت اس درجہ کی اللہ کریم نے عطا فرمائی کہ کسی سائل کو انکار کے ساتھ دل برداشتہ کرنا بھی گوارہ نہیں تھا۔ جب کوئی سائل آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ نہ ہوتا تو فرماتے پھر آجانا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے آکر سوال کیا۔ آپ نے فرمایا اس وقت میرے پاس کچھ نہیں، پھر آنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! جب آپ کے پاس کچھ موجود نہیں تو پھر آپ کی کیا ذمہ داری؟ ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے انہوں نے عرض کیا: اے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ عنایت فرماتے رہا کریں عرش کا کریم سلطان اپنے کرم واحسان سے آپ کو کبھی محتاج نہیں ہونے دے گا۔ یہ سُن کر آپ کا چہرۂ مبارک فرطِ وجد سے کھل گیا۔[۱۱]

ایک دفعہ ایک شخص آیا اور اس نے آپ کی بھیڑ بکریوں کا ریوڑ دُور تک پھیلا ہوا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ فیاضِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا ریوڑ اس کے حوالے کر دیا۔ اس فیاضی پر وہ شخص اس قدر متاثر ہوا کہ واپس جاکر اپنے قبیلہ کو کہنے لگا۔ اسلام قبول کر لو۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے سخی ہیں کہ مفلس ہو جانے کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔[۱۲]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی اور کریمانہ مزاج نے سائلوں کو جری ہی بنا دیا۔ ایک بار آپ نماز پڑھانے کے لئے تیار تھے اقامت ہو چکی تھی کہ ایک دیہاتی نے آکر دامنِ رحمت

---

[۱۰] ابوداؤد: کتاب الادب۔

[۱۱] صحیح مسلم: ص ۲۹۰۔

[۱۲] بخاری: باب حسن الخلق والسخاء۔

کو تھام لیا اور کہنے لگا، میری ایک معمولی حاجت باقی رہ گئی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں میں بھول نہ جاؤں وہ پوری کر دیجئے۔ آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور اس کا کام کر کے لوٹے اور نماز پڑھائی۔[۱۳]

اس فیاضی اور سخاوت کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو یہ سبق بھی سکھانا تھا کہ وہ دولت کو کنز بنانے کی بجائے اُسے حاجتمندوں تک پہنچائیں۔ اور اس سنہری سبق پر پہلے معلمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمل کر کے دکھایا۔

ایک دفعہ نمازِ عصر کے بعد خلافِ معمول گھر تشریف لے گئے اور فوراً واپس تشریف بھی لے آئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو اس مبارک عمل پر تعجب ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے نماز میں خیال آیا صدقہ کا سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے۔ مجھے ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات گذر جائے اور وہ سونا گھر پر ہی پڑا رہ جائے۔ اس لئے گھر جا کر اسے خیرات کرنے کا کہہ آیا ہوں۔[۱۴]

ایک دفعہ رئیس فدک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چار اونٹ غلّہ لاد کر بھیجے کچھ قرضہ ذمہ تھا۔ جو اس غلّہ میں کو بیچ کر اتار دیا۔ باقی محتاجوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا مگر پھر بھی کچھ بچ گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بچ جانے کی وجہ دریافت فرمائی۔ انہوں نے عرض کیا کوئی محتاج باقی نہیں رہا۔ لہٰذا بچ رہا ہے۔ فرمایا جب تک یہ باقی ہے میں بھی گھر نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ رات مسجد نبوی میں گذاری۔ صبح حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آ کر خوشخبری دی کہ اللہ کریم نے آپ کی راحت کا سامان کر دیا۔ یعنی جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ تقسیم ہو گیا ہے آپ نے یہ سُن کر اللہ کریم کا شکریہ ادا کیا اور اُٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔[۱۵]

---

[۱۳] بخاری، ادب المفرد

[۱۴] بخاری: لیفکر الرجل الشئی فی الصلوٰۃ۔

[۱۵] ابوداؤد: باب قبول ھدایا المشرکین۔

کیا مذکورہ بالا واقعہ میں آپ کی سخاوت و فیاضی اور مال جمع کرنے سے نفرت کے ساتھ ساتھ یہ سبق نہیں ملتا کہ سرکاری مال کی حفاظت رئیس مملکت کو اپنی ذاتی توجہ اور نگرانی میں کرانا چاہیئے؟

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات کے وقت ایک راستہ پر چل رہا تھا۔ ہمارا رُخ اُحد پہاڑ کی طرف تھا مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ابو ذر! اگر اُحد پہاڑ میرے لئے سونا بن جائے تو میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ تین راتیں گذر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے۔ البتہ قرضہ کی ادائیگی کے لئے رکھ چھوڑوں تو دوسری بات ہے[۱۶]"

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک بار آپ کبیدہ خاطر گھر تشریف لائے میں نے چہرہ سے پہچان کر سبب دریافت کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "کل جو سات دینار صدقہ کے آئے تھے وہ بستر پر پڑے رہ گئے[۱۷]"

آپ مرض الوصال میں سخت بے چین تھے۔ بیماری کی تکلیف نے نڈھال کر دیا تھا مگر اس جاں کنی کی حالت میں یاد آتا ہے چند اشرفیاں گھر پڑی رہ گئیں حکم دیا انہیں خیرات کردو۔ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اللہ کریم سے اس حال میں ملے کہ اس کے پیچھے گھر میں کچھ اشرفیاں پڑی رہیں[۱۸]"

سخاوت اور فیاضی کے ان اوصاف عالیہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم احسان اور

---

[۱۶] صحیح بخاری، کتاب الاستقراض۔

[۱۷] ایضاً

[۱۸] ایضاً

ایثار کے درجہ پر فائز تھے۔ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو پیچھے رکھ کر محتاجوں اور فقیروں کی معاشی ضروریات پوری فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت نے لا کر چادر پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرورت تھی آپ نے قبول فرمالی۔ تھوڑی دیر بعد ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے اور کہنے لگے ماشاء اللہ کتنی اچھی چادر ہے۔ آپ نے وہ چادر اُتار کر اُن کے سپرد کر دی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں اُٹھ کر تشریف لے گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُن کو بُرا بھلا کہا کہ تم جانتے ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چادر کی ضرورت تھی اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا سوال رَدّ نہیں کرتے۔ ان صاحب نے کہا ہاں مگر میں نے بھی تو یہ چادر برکت کے حصول کے لئے لی ہے کہ مجھے اس میں کفن دیا جائے[۱۹۶]

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے شادی کی، مگر گھر میں سامانِ ولیمہ کے لئے صرف برکت ہی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ عائشہ (صدیقہ رضی اللہ عنہا) کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ وہ گئے اور جا کر لے آئے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ میں بھی اس آٹا کے سوا شام کو کھانے کے لئے صرف برکت تھی[۲۰]

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے آپ کو کس قدر محبت تھی اس کا حال اہلِ علم میں سے کسے نہیں۔ جب کبھی تشریف لاتیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرطِ محبت سے اُٹھ کھڑے ہوتے۔ گھر کا سارا کام ہاتھ سے کرتی تھیں۔ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی۔ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ پانی کی مشک خود اٹھا کر لاتی تھیں جس سے بدن پر داغ پڑ گئے تھے۔

ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ارادہ یہ لیکر آئیں کہ آپ سے ایک کنیز کا سوال کریں گی۔ مگر فرطِ حیا نے زبان پر ہاتھ رکھ دیا۔ ایک دوسرے موقع پر

---

۱۹۶ صحیح بخاری: باب من استعد الکفن۔

۲۰ احمد بن حنبل: مسند، ج ۴، ص ۵۸

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کی آمد کا مقصد بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اصحابِ صفہؓ کا ابھی تک کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہوا - جب تک اُن کی طرف سے مجھے اطمینان نہ ہو کسی اور کی طرف توجہ نہیں کرسکتا"[۲۱]

اسی طرح کی درخواست ایک بار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں اور حضرت فاطمۃ زہراء رضی اللہ عنہا نے مل کر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کرچکے ہیں"[۲۲] اللہ اللہ!

بدر کے یتیم تم سے پہلے سوال کرچکے ہیں؛ اپنی لختِ جگر کے مقابلہ میں اصحابِ صفہ اور بدر کے یتامیٰ کو ترجیح دی جارہی ہے - یہ اخلاق اور ایثار کا کون سا مقام تھا؟ یہ باتیں عقل اور فلسفہ سے تعلق نہیں رکھتی ہیں - ان کا تعلق عشق اور اللہ کریم کے سامنے جواب دہی کے ڈر سے ہے۔

۴: زُھد اور قناعت پسندی

جدید سرمایہ دارانہ معاشیات کا اُستاد یا طالبِ علم جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ کے معاشی پہلو پر کتاب میں زہد اور قناعت پسندی کے عنوانات پر نگاہ ڈالے گا تو شاید وہ مصنف کتاب کو دیوانگی کا طعنہ دے گا - مگر جب اُسے یہ پتہ چل جائے گا کہ زُھد اور قناعت پسندی سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے حریص انسان کے خودساختہ اور خود پروردہ معاشی مسائل میں سے کم از کم نوّے فیصد (۹۰٪) کا علاج ہے تو اسے خوشی بھی ہوگی اور ہمارے ان عنوانات سے اس کی دلچسپی بھی بڑھے گی۔

---

[۲۱] ابوداؤد: ج ۲، ص ۲۴۳

[۲۲] حوالہ بالا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زہد اور قناعت پسندی* اختیار کر کے اپنی اُمّت کو یہ درس دیا ہے کہ وہ معاشی مسائل اور پریشانیاں جو حرص اور دنیا دنی کی محبّت کی کوکھ سے جنم لیتی ہیں اور پروان چڑھ انسان کو زندگی بھر حریصانہ تگ و دو میں مصروف رکھ کر بالآخر اُسے قبر تک پہنچا دیتی ہیں۔ ان پریشانیوں کا حل زہد اور قناعت کے پیغمبرانہ نسخہ میں ہے جس کا استعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی ذاتِ عالیہ پر کر کے دکھایا۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں:

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ حصیرٍ فقام وقد أثر فی جنبہ قلنا: یارسول اللہ لو اتخذنا لك وطاءً فقال: مالی وللدنیا؟ ما انا فی الدنیا الا کراکبٍ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر سے سو کر اُٹھے اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر نشانات پڑ گئے۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کریم کے رسول کریم! اگر ہم آپ کے لئے نرم گدا بنوا لیں (تو کیا حرج ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلّم

---

*: زُہد اور قناعت پسندی کا اسلامی معاشیات میں وہ مفہوم نہیں جو بعض اسلام کے نادان دوستوں نے لیا ہے کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھے رہنا، کچھ نہ کمانا اور جب معاشی پریشانیاں آن کر گھیر لیں تو قسمت کو کوسنے لگ جانا۔ اِسلام میں اس زہد و قناعت کی ہرگز گنجائش نہیں۔ زہد اور قناعت تو یہ ہے کہ اپنی عقل اور بدنی طاقت سے مقدور بھر محنت اور کوشش کے بعد جو اللہ کریم کے خزانوں سے مل جائے اس پر صبر و شکر کیا جائے۔ اور دنیا دنی کے حرص میں اپنے آپ کو خواہمخواہ مفتون اور دیوانہ نہ بنائے۔ اور اگر اللہ کریم اپنے خزانوں سے زیادہ سے زیادہ عنایت کرے تو اس سے محبت کر کے سرمایہ دار نہ بن بیٹھے بلکہ اُسے فقراء و محتاجوں کو دے کر ان کی معاشی ضروریات پوری کرے اور اپنے لئے اللہ کریم کی رضا کا ذریعہ بنائے۔ (واللہ اعلم)

سنظل تحت شجرۃ ثم راح و نے ارشاد فرمایا : بھلا میرا اور دُنیا کا کیا تعلق ؟ تو کہاں [۲۳]

میری حیثیت تو اس دنیا میں ایک سوار کی سی ہے

جو تھوڑی دیر کے لئے درخت کے سائے میں ستانے بیٹھ گیا پھر اُٹھا اور درخت کو چھوڑ کر چل پڑا ،،

اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے رزق کی ہمیشہ اللہ کریم سے یہی دُعا کرتے رہے ۔

اللّٰھم جعل رزق ال محمدٍ قوتاً [۲۴]

ترجمہ : اے اللہ کریم ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا رزق بدرجہ کفایت ہی بنادے ،،

اور کبھی فرمایا کرتے :

اللّٰھم لا عیش الا عیش الاخرۃ [۲۵]

ترجمہ : اے اللہ کریم ! زندگی تو آخرت ہی کی ہے دنیوی زندگی کیا زندگی ہے)

ساری زندگی اختیاری فقر کیساتھ گذاری ۔ نہ کبھی لذائذ دُنیا اور اموال دنیا کی تمنا کی نہ اُسے معاشی روگ بنایا ۔ اللہ کریم کے رزق سے جو طیب اور حلال ملا تناول فرالیا اور جو طیب لباس ملا زیبِ تن فرمالیا ۔ جو گذارے کا مکان مِلا اس میں حیاتِ بے ثبات کے دن گذار لئے ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں میں مال و دولت کی فراوانی دیکھی تو ایک دن کہنے لگے :

لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یظل الیوم یلتوی	ترجمہ : میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ پورا دن بھوک کے

[۲۳] ترمذی ، باب عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، بحوالہ ریاض الصالحین ، باب الزھد فی الدنیا ۔

[۲۴] متفق علیہ بحوالہ مذکورہ

[۲۵] متفق علیہ بحوالہ مذکورہ

مایجد من الدقل ما یملاء به بطنه[۲۶]

رہے اور آپ کے پاس اتنی مقدار میں رَدّی کھجوریں بھی نہ تھیں جن سے پیٹ بھر لیتے۔"

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے ایک جماعت نے بھونی ہوئی بکری کے کھانے پر دعوت دی مگر میں نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا۔

خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من الدنیا ولم یشبع من خبز الشعیر[۲۷]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو اس حال میں چھوڑا کہ آپ نے جَو (کی روٹی بھی) پیٹ بھر نہ کھائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ شاہِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے حال سے کون واقف تھا۔ دو شہادتیں ان کی زبان مبارکہ سے بھی سُن لیں۔

عن عروۃ عن عائشہ رضی اللّٰہ عنہا أنہا کانت تقول: واللّٰہ یا ابن اختی ان کنا ننظر الی الھلال ثم الھلال، ثلاثۃ اھلۃ فی شھرین وما أوقدت فی أبیات رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نار فقلت: یا خالۃ! فما کان یعیشکم؟ قالت: الأسودان: التمر والماء ألا انہ کان لرسول اللّٰہ جیران

ترجمہ: حضرت عروۃ رضی اللہ عنہ اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتی تھیں۔ اللہ کریم کی قسم! اے میری بہن کے بیٹے! ہم ایک چاند پھر دوسرا چاند اس طرح دو مہینوں میں تین چاندوں تک انتظار کرتے رہتے (کہ کہیں آگ آئے) مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں (کچھ پکانے کے لئے) آگ تک نہ جلتی۔ میں نے عرض کیا: اے خالہ محترمہ! پھر آپکی گذر اوقات کس چیز پر ہوتی تھی؟ فرماتیں:

---

[۲۶] رواہ مسلم: بحوالہ مذکورہ۔

[۲۷] صحیح بخاری: بحوالہ مذکورہ۔

من الانصار وكانت لهم منائح وكانوا يرسلون الى رسول الله صلى الله عليه وسلم من البانها فيسقينا[۲۸]

دو کالی چیزوں یعنی کھجور اور پانی پر۔ ہاں البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسائے انصار (رضی اللہ عنہم) تھے وہ اپنے دودھ کے ہدایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اطہر میں بھیجا کرتے جنہیں ہم پی لیتے اور گذارہ کرتے۔

پہلی شہادت کے بعد اب دوسری بھی سُن لیجئے:

وعن عائشة رضی الله عنها قالت: ما شبع آل محمد صلى الله عليه وسلم من خبز شعير يومين متتابعين حتى قبض[۲۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے دو دن متواتر جَو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہ کھائی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمالیا۔"

آئیے ایک گواہی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی لے لیں، کہتے ہیں:

اخرجت لنا عائشة رضی الله عنها كساءً وإزاراً غليظاً قالت: قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم فی هذين[۳۰]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بوسیدہ چادر اور میلا تہہ بند نکال کر دکھایا پھر فرمانے لگیں: یہ وہ دو کپڑے ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح پرواز کرگئی۔"

شاید آپ خیال فرمائیں کہ یہ سارے حالات و واقعات تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنگی کے زمانے کے ہیں۔ مگر جب خیبر و حنین کے غنائم اور بادشاہان کے تحائف آپ کی خدمت

---

[۲۸] متفق علیہ: بحوالہ مذکورہ۔

[۲۹] متفق علیہ: بحوالہ مذکورہ۔

[۳۰] متفق علیہ: بحوالہ مذکورہ۔

ہیں آئے تو اس وقت تو آپ نے پُرتکلف نہ کم از کم پُرآرائش زندگی گذاری ہوگی؟

اس کا جواب آپ اگر اوپر بیان کردہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شہادت دوبارہ پڑھ لیں تو مل جائے گا مگر آپ کی تسلی کے لیے دو شہادتیں اور یہاں نقل کی جارہی ہیں:

عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت:	ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی
توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں
ودرعہ مرھونۃ عند یھودی فی	انتقال فرمایا کہ آپ کی ذرہ ایک یہودی کے پاس
ثلاثین صاعًا من شعیر[۳۱]	تین صاع جَو کے عوض رہن رکھی تھیں۔"

یہ شہادت آپ کی محرم راز زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تھی۔ دوسری شہادت بھی ہم نے آپ کی زوجہ محترمہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے برادر حقیقی حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ سے لا رہے ہیں۔ اس شہادت میں ہم آپ کو یہ بتا رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی نہیں کیا کہ سرمایہ داروں اور دنیا کے عشاق کی طرح خود سادگی اور تنگدستی اختیار کئے رکھی، مال کی محبت میں اسے خرچ نہ کیا اور انتقال کے وقت دولت کے ڈھیر چھوڑ گئے ہوں۔

وعن عمرو بن الحارث اخی جویریۃ	ترجمہ: حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ جو حضرت
بنت الحارث ام المؤمنین رضی اللہ عنھا	جویریہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین کے بھائی ہیں
قال: ماترک رسول اللہ صلی اللہ	روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
علیہ وسلم عند موتہ دینارًا ولا	بوقت انتقال کوئی دینار چھوڑا نہ درہم، غلام
درھمًا ولا عبدًا ولا امۃ ولا شیئًا	نہ لونڈی اور نہ کوئی اور قابلِ ذکر شے چھوڑی،
الا بغلتہ البیضاء التی کان یرکبھا	سوائے اپنے سفید خچر کے جس پر آپ سواری کیا

---

[۳۱] متفق علیہ: بحوالہ مذکورہ۔

وسلاحه وأرضا جعلها لابن السبيل صدقة [۳۲] کرتے تھے اور آپ کے ہتھیار اور ایک زمین کا قطعہ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافروں کے لئے صدقہ کر دیا تھا۔"

ممکن ہے کوئی نیم خواندہ سکالر یہ اعتراض کر بیٹھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قناعت پسندی، اس سے متعلق آپ کی ترغیبات، تو انسان کو ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانے، نہ کمانے، دوسروں کے سہارے پر جینے یا کم از کم معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جانے کی تعلیم دیتی ہے جن کے نتیجہ میں اُسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے والے مسلمان سرمایہ داروں کے مقابلہ میں پیچھے رہ جائیں گے اور دنیوی حلقوں میں ان کی بے وقعتی ہو گی جس کا انجام یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دینی کاموں میں مؤثر کردار نہ ادا کر سکیں اور ان کی سچی باتوں پر بھی سرمایہ دار کان نہ دھریں؟

ان وساوس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ وہ سکالر صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات طیّبات کا مطالعہ کریں جن میں آپ نے فرد کو حلال اور طیّب رزق کمانے کی ترغیب بلکہ حکم دیا ہے۔ گداگری اور بغیر شرعی عذر کے سوال کرنے کی سخت مذمت فرمائی ہے اور قیامت کے دن جہنم کے انگاروں کی شدید وعید سنائی ہے۔

دوسرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال طیّب مال کمانے، اسے اپنے قبضہ میں رکھنے، اللہ کریم کی رضا کی خاطر اللہ کریم کے محتاج بندوں پر خرچ کرنے، کمزوروں، بے سہاروں اور معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والوں کی مدد کر کے انہیں ساتھ چلانے کی تلقین فرمائی ہے۔

تیسرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقر، زہد اور قناعت اختیاری تھے نہ کہ اجباری یا معاشی جدوجہد نہ کرنے کا نتیجہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو وجہ کائنات تھے جنہیں اللہ کریم کے تمام خزانوں کی چابیاں دی گئی تھیں مگر آپ نے زہد اختیار کر کے اپنی اُمت کے ان اصحاب

۳۲ء بخاری، بحوالہ مذکورہ۔

مال وجاہ کو تلقین کرنا تھی کہ زھد و فقر بھی وجہ عزت اور ذریعہ عظمت بن سکتے ہیں۔ نیز یہ سمجھانا مقصود تھا کہ دنیا دنی پر مفتون ہونے والے اور رہ کھنے والے اگر زھد اور قناعت اختیار کریں تو ان کی زندگی میں بھی سکون اور چین پیدا ہو سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ کے پہاڑ سونے کے بنا کر پیش کئے جانے لگے مگر آپ نے انکار کر دیا اور فقر کو اپنے لئے چن لیا۔

عن ابی أمامة رضی اللہ عنہ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرض علی ربی لیجعل لی بطحاء مکة ذھباً، فقلت: لا یا رب! ولکن اشبع یوماً، وأجوع یوماً، فاذا جعت تضرعت الیک و ذکرتک واذا شبعت حمدتک و شکرتک [۴۳]

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے پروردگار نے مجھے اختیار دیا کہ مکہ مکرمہ کی وادی بطحا (کے پہاڑ) میرے لئے سونا بن جائے۔ میں نے عرض کیا: نہیں، اے میرے پروردگار! بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں۔ جب میں بھوکا رہوں تو تیری ذاتِ کریم کے سامنے آہ و زاری کروں اور تجھے یاد کروں اور جب میں سیر ہو کر کھاؤں تو تیری تعریف کروں اور تیرا شکر ادا کروں۔"

۵: فقراء سے محبت اور ان کی معاش کفالت

فقراء روزِ اوّل ہی سے کسی انسانی معاشرہ کا اکثریتی طبقہ رہے ہیں۔ اسے سلطان حکیم کی حکمت کہیے یا اُمراء کے اقلیتی طبقہ کے امتحان کا نام دیجئے۔ کہ فقراء و مساکین کی ایک بہت بڑی تعداد کے مالی حقوق اِن اُمراء کی دولت میں اللہ کریم نے رکھ دیئے ہیں اور ان بے نواؤں

[۴۳] احمد و ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق، فصل دوم۔

۱: کبھی پوری بستی یا آبادی پر ایک مقدار مقرر کر دی جاتی۔ جیسے اہل یمن، ایلہ، تبالہ اور جرش کے یہود سے لیا گیا۔ یہاں ہر بالغ پر ایک دینار یا اس کی قیمت کے برابر کوئی جنس۔

ب: کبھی تمام آبادی میں سے بالغ اور کمانے والے افراد کی تعداد معلوم کر کے ان پر فی کس ایک دینار یا اس کی مالیت کے مساوی کوئی اور جنس لے لی جاتی[۵۲]

اس سلسلے میں ابن قیم کی یہ روایت قابلِ ذکر ہے:

بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذا الی یمن و امرہ ان یاخذ من کل حالم دینارا او قیمتہ معافر وھی ثیاب معروفۃ[۵۳]

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار وصول کریں یا اس کی قیمت کے برابر معافر ہیں۔ معافر کپڑوں کی معروف قسم تھی۔"

بیت المال کی ضرورت اور اہلِ ذمہ کی حالت

مقدار جزیہ کے گھٹنے بڑھنے میں بیت المال کی ضرورت اور اہلِ ذمہ کی مالی حالت کا بڑا خیال کیا جاتا تھا۔ اگر مسلمانوں کی معاشی ضروریات زیادہ ہوتیں تو مقدار جزیہ میں اضافہ کر دیا جاتا۔ اور اگر مسلمانوں کی مالی ضرورت قدرے بہتر ہوتی تو مقدار جزیہ گھٹا دیجاتی[۵۴]

اسی طرح اگر اہلِ ذمہ کی مالی پوزیشن بہتر ہوتی تو ان سے قدرے زیادہ شرح وصول کر لی جاتی اور اگر ان کی مالی حالت کمزور ہوتی تو معمولی شرح جزیہ لگائی جاتی[۵۵]

[۵۲] البلاذری: فتوح البلدان، ص ۷۰-۱

[۵۳] ابن اثیر: تاریخ، ج ۲، ص ۲۶۱

[۵۴] ابن قیم: زاد المعاد، ج ۳، ص ۲۲۴

[۵۵] عبداللطیف بدوی عوض: النظام المالی الاسلامی المقارن، المجلس الاعلی للشئون الاسلامیۃ قاہرہ ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء، ص ۳۲

وصولی کا وقت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مُبارک میں وصولی جزیہ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ جنگ میں فتح پانے کے فوراً بعد وصول کر لیتے۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ ایلہ، اھلِ جرباء اور اھلِ اذرح سے وصول کیا تھا[۵۷] اور اکثر اوقات بعد میں وصول فرمایا کرتے تھے[۵۶]

غنائم کا خمس

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بیت المال کا تیسرا مالی ذریعہ غنائم Spoils of War کا خمس (⅕) تھا۔ یہ اللہ کریم کی طرف سے آپ کو عنایت کردہ حق تھا۔★ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل زمانہ جاہلیت میں بھی حاکم وقت یا رئیس قبیلہ غنیمت کا چوتھائی لیتا تھا اور اس میں تمام قیمتی اشیاء وہ اپنے لئے چُن لیتا اور جو تقسیم سے بچ جاتا یا بچا لیا جاتا

---

۵۶ حوالہ بالا؛ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی یہی کیفیت رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جزیہ کی مقدار اور جنس کا تعین کر دیا تھا۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں میری کتاب "اسلام کا نظامِ محاصل" شائع کردہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور۔

۵۷ اتاہ ایلۃ فصالحہ واعطاہ الجزیۃ واتاہ اھل جربا و اذرح واعطوہ الجزیۃ

زاد المعاد، ج ۲، ص ۵۔

★ واعلموا انما غنمتم من شیئٍ فان للّٰہ خمسہ و للرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن

"اور معلوم رہے کہ تم کو کسی چیز سے بھی کچھ مالِ غنیمت ملے سو اس میں پانچواں حصہ اللہ کریم کے واسطے ہے اور رسول کریم کے واسطے اور

غور کیجئے اس سے بڑھ کر اس مظلوم جماعت کی کیا عزت افزائی ہو سکتی ہے:

اسلام نے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کو صرف اسی لئے اغنیاء پر لگایا کہ ان سے سوال سے فقراء و مساکین کی معاشی پریشانی ... حال کو ختم کر کے انہیں معاشرہ کا عزت شہری بنایا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی وصول اور تقسیم کا جس الہامی انداز میں ذکر فرمایا اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ اس کا مقصد فقراء و مساکین کی معاشی خوشحالی کے سوا کچھ نہیں تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ کا طریقہ کار سمجھا رہے تھے۔ تو فرمایا:

تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم [۳۸]

ترجمہ (زکوٰۃ) ان (مسلمانوں) کے اغنیاء سے لیکر ان کے فقراء میں تقسیم کی جائے گی"

ان مساکین کی معاشی کفالت کی ترغیب مسلمانوں کو دیتے ہوئے آپ نے جو ارشاد فرمایا وہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی زبانی سنیے:

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من کان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له. قال فذكر من اصناف المال ما ذكر حتى رأينا انه لا حق لاحد منا في فضل [۳۹]

ترجمہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے پاس قوت و طاقت کا سامان اپنی حاجت سے زیادہ ہو وہ اپنا فاضل سامان اپنے نادار اور حاجتمند بھائی کو دیدے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں مختلف اصناف مال کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی کا بھی اسکے زائد سامان میں حق نہیں"

---

[۳۸] صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ۔

[۳۹] صحیح مسلم، کتاب اللقطہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فقراء و مساکین اور حاجتمندوں اور غم کے ماروں کی مدد، محبّت اور دلجوئی میں یہاں تک سعی فرماتے اور اس طریقہ سے سعی فرماتے کہ اگر کوئی جھوٹی عزتوں کا متلاشی اور بزعمِ خویش عزت والا دیکھے یا سُنے تو شاید یہی خیال کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی عزّتِ نفس کا بھی خیال نہیں تھا۔ مگر جنہیں اللہ کریم نے عزتیں اور عظمتیں عطا کر رکھی ہوں وہ کسی غریب اور محتاج کی دلجوئی کے لئے اگر چھوٹے بھی بن جائیں تو دراصل یہی اُن کے عظیم ہونے کی دلیل ہے۔

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غریب صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کے ایک سرمایہ دار یہودی سے قرض لیا۔ اس سال اتفاقاً کھجوریں زیادہ پھل نہ لائیں، قرض ادا نہ ہوسکا اور پورا سال گذر گیا۔ اتفاقاً اگلے سال بھی پھل کم آیا اور یوں اللہ کریم نے قرض کی ادائیگی کا سامان نہ مہیّا فرمایا۔ یہودی نے تقاضا کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مہلت طلب کی مگر یہودی نے انکار کر دیا۔ انہوں نے آکر سارا واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ سُنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اصحابِ کرام رضی اللہ عنھم کو ساتھ لیا اور یہودی کے گھر تشریف لے گئے۔ اس سے مہلت طلب کی۔ اس نے کہا:

ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلّم) میں اب مہلت نہیں دوں گا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کھجوروں کے باغ میں تشریف لے گئے، غریب صحابی کی پریشانی پر ترس آیا اور دوبارہ یہودی سے مہلت مانگنے تشریف لے گئے مگر وہ نہ مانا آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ چبوترہ (جو کہ مسقّف تھا) پر فرش بچھا دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں آرام فرمانے کے ارادہ سے لیٹ گئے (غالباً غریب صحابیؓ کی غربت پر جو غم تھا اسے ہلکا کرنا چاہتے ہوں گے) سو کر اُٹھے اور تیسری بار اُس یہودی کے پاس تشریف لے گئے مگر وہ سنگدل سرمایہ دار کسی طرح نہ مانا۔ آپ حضرت جابر بن عبداللہ کے کھجوروں کے جھنڈ میں کھڑے ہو گئے اور کھجوریں توڑنا شروع کر دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اتنی کھجوریں اُتریں کہ یہودی کا قرض اتارنے کے بعد بھی بچ

رہیں[۴۰]

ایک غریب حبشی مسجد نبوی میں جھاڑو کی سعادت پر مامور تھا۔ وہ مرگیا تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع نہ کیا۔ ایک دن رحمۃ للعالمین، غریبوں کے سچے غمخوار صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی لوگوں سے دریافت فرمایا: فلاں حبشی نظر نہیں آئے۔ اُن کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے عرض کیا۔ اے اللہ کریم کے رسول کریم! اس کا تو انتقال ہوگیا۔ آپ کو یہ سن کر قلق ہوا فرمانے لگے۔ تم لوگوں نے مجھے اطلاع نہ کی۔ دراصل لوگوں نے اسکو حقیر سمجھ کر آپ کو اس غریب کی وفات کی اطلاع دینا مناسب نہ خیال کیا۔ غریبوں کے ہمدرد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے اس کی قبر دریافت کی اور وہاں جاکر اس کی نماز جنازہ پڑھی[۴۱] صلی اللہ علیہ وسلم۔

عالیہ (مدینہ منورہ کی جنوبی اور مشرقی آبادی) میں ایک غریب عورت رہا کرتی تھی۔ وہ سخت بیمار ہوئی اور اس کے بچنے کی تمام اُمیدیں ختم ہوگئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ مگر اس نے رات اسوقت رخت سفر باندھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو چکے تھے۔ لوگوں نے اُسے حقیر جان کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کی زحمت دینا مناسب نہ سمجھا اور اس کی نماز جنازہ پڑھ کر دفنا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح لوگوں سے اس کی خیریت دریافت کی جب پتہ چلا کہ اسکو دفنا دیا گیا تو آپ کو رنج ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی ایک جماعت لیکر اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں نماز جنازہ پڑھ کر آئے[۴۲] صلی اللہ علیہ وسلم۔

مسجد نبوی میں تشریف لاتے تو جہاں غریب صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا حلقہ ہوتا وہاں

۴۰۔ بخاری، ج:۲، کتاب القرض

۴۱۔ ایضاً: کتاب الجنائز۔

۴۲۔ سنن النسائی: کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ فی اللیل۔

تشریف رکھتے[۴۳]

فقراء و مساکین کی محبت کے خالی دعوے کرنے والے تو وہ سارے لوگ ہی بن جاتے ہیں جنہیں کسی خاص سیاسی نظام یا سیاسی جماعت کو کامیاب کرانے کے لئے غریب طبقہ کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر جب غریبوں کے گھر رات کو روٹی نہیں پکتی یا کسی غریب کا بیمار بچہ رات بھر کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔ کسی بیوہ کی جوان سال لڑکی بن بیاہے بیٹھی اپنی مفلس والدہ کی راتوں کی نیند اور دن کا سکون اُجاڑتی رہتی ہے۔ اس وقت اگر آپ غریبوں اور فقراء کے ہمدردوں کو چراغ لیکر بھی ڈھونڈنے نکلیں گے تو تلاش نہیں کر پائیں گے۔ اگر وہ اپنے دولت کدہ پر مل بھی جائیں تو اُن کے دروازے پر صبر آزما مدت تک انتظار کرنے کے بعد جواب ملے گا" صاحب آرام فرمارہے ہیں، اس وقت مل نہیں سکتے! اور اگر گھر سے باہر ہوں گے تو کسی کلب یا فائیو سٹار Five Star ہوٹل میں داد عیش دے رہے ہوں گے۔ جبکہ غریبوں مسکینوں کی حاجات ان کے در دولت سے ٹکرا ٹکرا کر ختم ہو جاتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسلام کی دعوت غریبوں کو دی تھی اور اپنے ساتھ ملایا تھا مگر غلبۂ اسلام کے بعد انہیں چھوڑ دینے یا انہیں دروازہ پر انتظار کی زحمت دینے کے لئے نہیں۔ آپ نے اوپر پڑھ لیا ہے کہ آپ کی لختِ جگر اور عزیز ترین بیٹی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زوجہ محترمہ اور حسنین رضی اللہ عنہما کی والدہ محترمہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے اپنی چکی، گھریلو کام کاج اور پانی ڈھونے کی مشقت کم کرنے کے لئے ایک کنیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگی تو جواب ملتا ہے: " اصحاب صفہ اور بدر کے یتیموں کا پہلے انتظام ہو، ان کے مقابلہ میں کسی کی پرواہ نہیں کر سکتا۔" اگر آپ کا ضمیر کبھی بیدار ہو اور آپ کے عدل کی حس کبھی ہوشیار ہو تو آپ انصاف کیجئے۔ کیا اس سے بڑھ کر فقراء کی حاجت براری کی فکر کسی کو لاحق ہو سکتی

---

[۴۳] مشکوٰۃ، باب فضل الفقراء بروایت دارمی۔

ہے ؟ آئیے میرے ساتھ مل یہ واقعہ پڑھ لیجئے۔

حضرت ابو حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ ایک غریب صحابی تھے انہوں نے ایک یہودی سرمایہ دار سے قرضہ لیا۔ ان کی غربت کا یہ عالم کہ ان کے پاس تن ڈھانپنے کے کپڑوں کے سوا کچھ نہیں تھا یہ وہ زمانہ تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی مہم کا ارادہ کر رہے تھے حضرت ابو حدرد رضی اللہ عنہ نے مہلت مانگی کہ شاید خیبر کی مہم سے اللہ کریم مال غنیمت دے کہ ان کے قرض کی ادائیگی کا سامان مہیا فرما دیں مگر وہ یہودی نہ مانا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ یہودی کا قرضہ چکا دیں۔ لیکن انہوں نے پھر مہلت مانگی۔ مگر یہودی جب مہلت دینے پر آمادہ نہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہہ بند اُتار کر یہودی کے حوالے کر دیا اور سر مبارک سے عمامہ اُتار کر کمر سے لپیٹ لیا۔[۴۴]

[illegible] کی محبت کا کونسا مقام تھا ؟ اس کا اندازہ دولت کے نشہ میں چور مگر اپنا مطلب نکالنے کے لئے غریبوں کی مدد کا نعرہ لگانے والے سرمایہ دار کو کیونکر ہو سکتا ہے۔

ایک بار مہاجرین کی برہنہ پا اور برہنہ تن جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ہر شخص کے بدن پر صرف ایک چادر تھی اور گلے میں ایک تلوار حمائل تھی۔ آپ ان کی پریشان حالی دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔ چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو گیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ فوراً اذان دے کر لوگوں کو اکٹھا کریں۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں ان غم کے ماروں کی مدد کی تلقین فرمائی جس کا یہ اثر ہوا کہ ایک انصاری رضی اللہ عنہ اُٹھے اور اتنا بڑا توڑا جو وہ اُٹھا بھی نہ سکتے تھے لا کر آپ کے قدموں میں ڈال دیا۔ اسی طرح دیگر مخیر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے کیا اور یوں آن کی آن میں اللہ کریم نے ان مفلوک الحال مہاجرین کی معاشی پریشانی کا حل کر دیا۔[۴۵]

---

[۴۴] احمد بن حنبل: مسند، ج ۳، ص ۴۲۳ [۴۵] صحیح مسلم کتاب الصدقات۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دُکھ کے مارے ہوئے فقراء و مساکین کو ان کی دلجوئی کی خاطر ہمیشہ اغنیاء پر ترجیح دی۔ آپ کی مجلس کی ترتیب یہ ہوتی تھی کہ پہلے اہل حاجت بیٹھا کرتے تھے۔ آپ انکی حاجات سُن کر انہیں پورا فرماتے یا پورا کرنے کی سعی فرماتے۔ جب کبھی کوئی ملنے آتا تو ملتے ہی پہلے اس سے یہ دریافت فرماتے کہ کوئی ضرورت یا حاجت تو نہیں ہے جسے پورا کروں[۴۶]۔

بعض اوقات ان حاجتمندوں کے اندازِ گفتگو کی کرختگی اور سوء ادب سے بھی آپ کو واسطہ پڑتا۔ اگر آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ایسے لوگوں کو دُور ہٹانے کی کوشش کرتے تو آپ انہیں منع فرما کر تلقین کرتے کہ جب کوئی حاجت مند آئے تو اس کی حاجت پوری کرو نہ کہ اُسے دور ہٹاؤ[۴۷]۔

جب اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی فتوحات کے دروازے کھول دیئے اور کفار کی دولت بھی مدینہ منورہ میں پہنچ گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقراء و مساکین کی معاشی کفالت کا اعلانِ عام فرما دیا:

انا اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم فمن مات وترك مالا فماله لموالی العصبة ومن ترك كلا او ضياعا فادع له[۴۸]

ترجمہ: میں مومنوں کے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں لہٰذا جو شخص مرے اور ترکہ میں مال چھوڑ کر جائے تو وہ مال اس کی عصبات کا ہے اور جو شخص عاجز و درماندہ قرابت دار اور ناتواں بچے چھوڑ جائے اُن کی کفالت کے لئے مجھے بُلا لو"

۱۸: مہمان نوازی

مہمان نوازی Hospitality بھی محتاج مسافر کی معاشی کفالت کا ذریعہ ہے

[۴۶] سید سلیمان ندوی: سیرۃ النبی، ج ۲: مجالس نبوی

[۴۷] محمد بن سعد: طبقات ج ۲

[۴۸] ابو عبید قاسم بن سلام کتاب الاموال: قاہرہ ۱۳۵۳ھ ص ۲۰۲

مسافر اپنے گھر پر غنی اور بے نیاز ہو سکتا ہے مگر سفر میں اس کی حالت قابلِ رحم ہوتی ہے۔ بالخصوص وہ مسافر جو سفر کی تھکن سے چُور ہو جائے یا اس کا سفر خرچ ختم ہو جائے اور وہ بآسانی اپنی منزلِ مقصود تک نہ پہنچ سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مسافروں کو بلا تمیز مسلم و کافر کے بہت بڑا سہارا تھے۔ ان کی مہمان نوازی کر کے ان کی بھوک و پیاس دُور کرتے اور آرام مہیّا فرما کر ان کی تھکن دُور کرتے۔

ایک دفعہ ایک کافر مہمان بن کر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری کا دودھ اسے پلایا وہ پی گیا، پھر دوسری بکری کا پلایا وہ بھی پی گیا۔ غرض آپ نے سات بکریوں کا دودھ اسے پلایا اور وہ پی گیا مگر آپ نہ تنگ ہوئے اور نہ اُسے پیٹو ہونے کا طعنہ دیا۔[۴۹]

بسا اوقات یہ ہوتا کہ مہمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر ٹھہرتا، جو کچھ گھر میں موجود ہوتا وہ اسے کھلا دیتے اور سارا گھرانہ بھوکا سو جاتا۔[۵۰]

ایک دفعہ غفار قبیلہ کا ایک شخص آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ٹھہرا۔ اس رات کاشانہ نبوی میں صرف بکری کا دودھ تھا اور خانۂ نبوی کے تمام افراد بھوکے سوئے حالانکہ اس سے پہلی رات بھی یہاں فاقہ ہی تھا۔[۵۱]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر مہمانوں کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔[۵۲]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزانہ کے مہمانانِ گرامی اصحابِ صُفّہ رضی اللہ عنہم تھے، گو یہ حضرات سارے مسلمانوں کے مہمان تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان میں سے

---

[۴۹] صحیح مسلم: المؤمن یأکل فی معی،

[۵۰] احمد بن حنبل: مسند، ج ۶، ص ۳۹۷۔

[۵۱] حوالہ بالا: ص ۳۹۷۔

[۵۲] ابو داؤد کتاب الآداب۔

دس دس اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ افراد کو لیجا کر اپنا مہمان بنا تے مگران کا مقدر سدار تھا کہ اکثر و بیشتران کی سعادتمندی انہیں کاشانۂ نبوت کا مہمان بنا دیتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر ایک بڑا لنگر تھا۔ وہ اسقدر تھا ی کھانا سکو جا می ٹھا۔ ے کبھی ح بھیڑ ہوتی تو وہ لگن آجاتا اور ... اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم اس کے گرد بیٹھ جاتے حتی کہ آہستہ آہستہ ع سقدر بڑھ جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکڑوں ہو کر بیٹھنا پڑتا تاکہ دوسروں کے لئے جگہ نکل آئے[53]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز کھانے کی آتی تو اُس سے اصحابِ صفہ کی مہمانی فرماتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنا ایک دردانگیز واقعہ سناتے ہیں:

ایک دن مجھے بھوک نے بہت ستایا تو عام گذرگاہ پر آکر بیٹھ گیا (کہ کوئی مسلمان مجھے اپنا مہمان بنا لے گا) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گذرے تو میں نے حسن سوال کے طور پر ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی وہ گذر گئے اور میرا مطلب غالباً نہ سمجھے۔ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ گذرے میں نے اسی حسن طلب کا طریقہ دہرایا مگر نتیجہ وہی نکلا ان کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا مجھے دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا میرے ساتھ آؤ۔ گھر جا کر دیکھا تو دودھ کا ایک پیالہ نظر آیا۔ دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ ھدیہ کا ہے۔ مجھے حکم دیا کہ اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم کو بلالاؤ۔ پھر مجھے حکم دیا کہ سب کو پلاؤ آخر میں میں نے خود پیا اور سب سے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا۔ تمام سیر ہوگئے اور دودھ بچ بھی گیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا[54]

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اور ان کے دو ساتھی اسقدر تنگدست

---

[53] ابوداؤد، کتاب الاطعمہ۔

[54] ترمذی ۱ ص ۲۹۹۔

تھے کہ کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ بھوک سے اسقدر نڈھال تھے کہ نظر آنا بند ہو گیا۔ انہوں نے بعض لوگوں سے اپنی کفالت کی درخواست کی مگر کسی نے ان کی دلجوئی نہ کی۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آخر کار ہم لوگ مہربانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر حاضر ہوئے اور مدعا سُنایا۔ آپ نے ہمیں تین بکریاں دکھا کر کہا: "اِن کا دودھ پی لیا کرو۔" ہم میں سے ہر شخص ہر روز اپنے حصّے کا دودھ پی لیتا۔ (اور یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمانی کا شرف اٹھاتے رہے) ۵۵

فتح مکہ کے بعد تو مہمانوں کا سلسلہ بہت بڑھ گیا۔ دُور دراز سے وفود آکر آپ کے مہمان ٹھہرتے، اکثر اسلام قبول کرتے اور آپ کا مہمان رہ کر اسلام کی ابتدائی تعلیم حاصل کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی خبرگیری فرماتے، ان کے سفر خرچ کا انتظام کرتے اور بوقتِ روانگی انہیں تحائف بھی عنایت فرماتے۔ اِس فیاضانہ مہمان نوازی پر مختلف قبائل پر بہت اچھا اثر پڑا اور وہ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ آپ نے بوقتِ انتقال جو نصائح فرمائے اُن میں یہ بھی تھا:

اجیزوا الوفود بنحو ما کنت اجیزھم ۵۶

ترجمہ: "جس طرح میں وفود کو عطیات دیتا تھا اُسی طرح تم بھی دیتے رہنا۔"

۷: مزدور سے محبت

مزدور کسی بھی ملک کی ترقی کی گاڑی کا ایک پہیہ ہوتے ہیں جبکہ دوسرا پہیہ سرمایہ دار ہوتا ہے اگر مزدور کو خوش رکھا جائے۔ اُس کی عزت افزائی کی جائے جس کا وہ بجا طور پر اہل بھی ہے

۵۵ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۹۸

۵۶ صحیح بخاری، ج ۱، باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب

تو وہ خوش اسلوبی سے کام کرے گا جس کے نتیجہ میں ملکی معیشت ترقی کرے گی۔ مگر بدقسمتی سے یہ طبقہ بھی کمزوروں اور غریبوں کی طرح ہمیشہ سے مالدار، کارخانہ دار اور زمیندار کے استحصال کا شکار رہا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معزز طبقہ کو اس کا صحیح مقام دلوانے کے لئے عملی اور قولی دونوں طریقوں سے کوشش فرمائی۔ مسجد نبوی کی تعمیر ہو یا غزوۂ احزاب میں خندق کی کھدائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیشہ مزدوروں کی طرح پتھر ڈھوڈھو کر اور پانی گارا اُٹھا اُٹھا کر، گویا کہ مزدور بن کر مزدوروں کو زبان حال سے سمجھا دیا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں اور ساتھی وہی ہوتا ہے جو ساتھی کے جذبات و احساسات کی قدر دانی کرے اور اس کے دُکھ سُکھ کا شریک ہو اور اس کی عزّت کا پاسبان بنے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قابلِ احترام طبقہ کے حقوق و فرائض کا جو عادلانہ نظام قائم فرمایا اس کا مفصّل بیان میرے ایک حقیر مقالہ "سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں آجر اور اجیر کے مسائل کا حل" کے تحت چھپ چکا ہے۔ چونکہ یہاں بات مزدور یا خادم سے محبّت کی ہو رہی ہے۔ لہٰذا یہاں ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کرتے ہیں جو مزدور سے محبت کا ترجمان ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دس سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت کی سعادت پائی۔ وہ کہتے ہیں:

"میں نے دس (۱۰) سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت (ملازمت) کی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ بھی نہ فرمایا "یہ کام کیوں کیا؟ یہ کام کیوں نہیں کیا" ایک بار مجھے کہیں جانے کا ارشاد فرمایا، میں شوخی میں اَڑ کر بیٹھ گیا، پھر باہر نکل گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے آکر چپکے سے میری گردن پر ہاتھ رکھ کر گدگدایا اور پھر فرمایا "انس اب تو چلے جاؤ" میں نے عرض کیا، اچھا اب جاتا ہوں [۵۷]"

---

۵۷ حوالہ بالا، ج ۲، باب حسن الخلق والسخاء، حدیث آخری۔

مزدوروں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی خاطر ان کی محبت کے دعویدار تو بہت ہیں مگر کون ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اس قابلِ احترام مگر مظلوم طبقہ کی اسطرح دلجوئی کرے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً کر کے سمجھایا۔ تاکہ اُمت کے اغنیاء اور مالداروں کو یہ سبق دیا جائے کہ وہ اِن بے نواؤں سے کیسا معاملہ کریں؛

۸۔ ادائیگی قرض کا احساس

کوئی ملک یا معاشرہ خواہ پسماندہ ہو یا ترقی پذیر یا ترقی یافتہ ہو۔ قرض اس کی معاشیات کا ہمیشہ سے اہم جزو رہا ہے۔ افراد ہوں یا اقوام قرض سے سب کو زندگی میں واسطہ پڑتا ہے۔ قرضِ حسنہ (جس کا تصور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا) محتاج اور کئی صورتوں میں امیر شخص کا بھی بہت بڑا سہارا رہا ہے اور رہے گا۔

قرضِ حسنہ کا معاملہ ہمیشہ اعتبار اور اعتماد پر چلتا ہے۔ اگر قرض دینے والے کو قرض لینے والے پر اعتماد ہو اور قرض لینے والا (مقروض) اس اعتبار کو پورا پورا نبھائے تو قرض حسنہ ذریعہ تعاون چلتا رہے گا ورنہ بند ہو جائیگا۔ اسلام کے معاشی نظام میں قرضِ حسنہ تو با اعتماد اور وعدہ کے سچے مقروض کے لئے اپنے بچائے ہوئے خزانہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ جب وہ چاہے جا کر جتنی چاہے رقم حاصل کر لے لیکن اگر کوئی قرض لینے والا بداعتمادی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُلٹا قرض دینے والے محسن کو بار بار کے وعدوں پر ٹال کر یا بار بار اپنے گھر کے چکر لگوا کر یا روپوش ہو کر تکلیف پہنچائے تو کارِ خیر اور تعاون باہمی کا یہ ذریعہ ختم ہو جائے گا اور کسی مخیّر اور مخلص قرض دہندہ کو اس نیکی کے کام سے باز رکھ کر بہت سے دیگر حاجتمندوں کا نقصان بھی ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتی ضروریات اور محتاجوں کی کفالت کے لئے کئی بار قرضِ حسنہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرضِ حسنہ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے بھی حاصل کیا

اور سرمایہ دار یہودیوں سے بھی لیا۔ مگر اس قرض کی ادائیگی کا جتنا احساس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا، اور جتنا اس کی ادائیگی کا انتظام فرماتے وہ قرض لینے والوں کے لئے مشعل راہ ہے۔ اگر تمام مقروض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلسلہ میں اسوۂ حسنہ پر عمل کریں تو قرض حسنہ کا ذریعہ خیر ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا۔

ادائیگی قرض کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ دو سبق نمایاں طور پر سکھاتا ہے:

۱۔ قرض کی ادائیگی بروقت فرماتے تھے اور اس سلسلہ میں قرض خواہوں کی تند و تیز اور تلخ و ترش باتوں کو برداشت فرمایا کرتے تھے۔ دراصل اکثر قرضہ یہودیوں سے لیا جاتا تھا۔ اور یہودی طبعاً کمینہ فطرت اور بخیل ہوتے ہیں۔ وہ تقاضا میں شدت سے کام لیتے تھے۔

۲۔ قرض کی ادائیگی میں اچھا اور زیادہ دیتے تھے۔ اگر ردی اناج قرض لیتے تو اچھا ادا کرتے۔ اور اگر کسی مال یا جانور کی قیمت طے ہوتی تو آپ مروت اور احسان کے طور پر زیادہ ادا فرماتے۔★

مذکورہ بالا دونوں اسباق کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ جن دنوں یہودی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قرض حسنہ لیا۔ وعدۂ ایفا میں ابھی چند روز باقی تھے کہ یہ آگئے اور تقاضا کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر پکڑ کر کھینچی اور کہا:

آلِ مُطّلب! تم ہمیشہ یوں ہی حیلے بہانے کیا کرتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ سے

★ یہ یاد رہے کہ اگر قرض کی ادائیگی کے وقت قرض کے مال یا جنس سے بہتر دیا یا قرضہ کے داموں سے زیادہ دام دے دیئے جائیں اور یہ زیادتی بغیر کسی پیشگی شرط کے ہو تو سود نہیں البتہ اگر کسی سرمایہ دارانہ معاشرہ میں اس طرح بہتر مال واپس کرنا یا زیادہ دام دینا ایک طرح سودی حیلہ یا رواج بن گیا ہو تو پھر ایسی زیادتی یا اچھائی سود شمار ہوگی۔ خوب یاد رکھیں۔

بے تاب ہو گئے اور کہنے لگے :

"او دشمنِ خدا! تو رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا :

عمر! مجھے تو تم سے کچھ اور اُمید تھی۔ اس سے آپ کہتے کہ تم نرمی سے تقاضا کرے اور مجھ سے کہنا چاہیئے تھا کہ میں اس کا قرض ادا کر دوں"

یہ فرما کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ قرض ادا کریں اور بیس صاع کھجور زیادہ دے دیں۔[۵۸]

ایک بار ایک شخص سے کچھ کھجوریں قرض لیں۔ چند روز بعد وہ شخص لینے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کا قرض ادا کر دیں۔ مگر انہوں نے ویسی کھجوریں نہ دیں جیسی قرض میں دی گئی تھیں۔ اس شخص نے لینے سے انکار کر دیا۔ انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھجوریں قبول نہیں کرتے ہو؟ اس نے کہا: "اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عدل نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟" اس کا یہ جملہ سُن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرمایا: یہ سچ کہتا ہے۔[۵۹]

اسی طرح ایک بدو سے قرض لیا۔ اس نے بدویانہ طرز پر گفتگو کر کے نہایت سختی سے مطالبہ کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے اُسے ڈانٹا کہ کس ہستی سے بات کر رہے ہو؟ اس نے کہا: میں تو اپنا حق لینے آیا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں کو اس کا ساتھ دینا چاہیئے تھا۔ یہ تو اپنا حق لینے آیا ہے اور حق لینے والے کو بولنے کا حق ہے۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو حکم دیا کہ اس کا قرضہ ادا کریں اور زیادہ بھی دیں۔[۶۰]

---

۵۸ یہ روایت بیہقی، ابن حبان، طبرانی اور ابو نعیم کی ہے۔

۵۹ ترغیب و ترہیب: بحوالہ مسند امام احمد، مطبوعہ مصر، ج ۲، ص ۲۳

۶۰ ابن ماجہ، السنن، باب لصاحب الحق سلطان۔

مدینہ منورہ کے باہر ایک قافلہ فروکش ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک سُرخ اونٹ خریدا اور قیمت کا وعدہ کر کے اونٹ لیکر مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ قافلہ والوں کو یوں جان پہچان کے بغیر اونٹ دیدینے پر پریشانی لاحق ہوئی۔ ایک سمجھدار خاتون نے کہا: پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جتنا حُسن اور روشن چہرہ اس شخص کا ہے اتنا روشن چہرہ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ ایسے روشن چہرہ والا دَغا باز یا جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ شام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ والوں کا کھانا اور قیمت کے برابر کھجوریں بھجوادیں [۶۱]

ایک دفعہ ایک بدو گوشت بیچ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت اُس سے اس خیال سے لے لیا کہ گھر میں چھوہارے پڑے ہیں وہ اسے دیدیں گے مگر گھر جاکر پتہ چلا کہ چھوہارے نہیں۔ قصاب کو صورتِ حال بتائی تو وہ چلّانے لگا: ہائے بددیانتی! لوگوں نے کہا: کیا اللہ کریم کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بددیانتی کریں گے؟ اس نے بار بار یونہی کہا، اور لوگوں نے بار بار روکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار فرمایا "اسے چھوڑ دو، اسے کہنے کا حق ہے" پھر آپ نے اسے ایک انصاریہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھجوایا کہ قیمت کے چھوہارے وہاں سے لے لے۔ جب وہ لوٹا تو اس کا دل آپ کے حلم و بُردباری اور حسن معاملت سے متاثر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بولا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کریم آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔ آپ نے قیمت پوری پوری دی اور اچھی دی [۶۲]

ایک بار کسی سے اونٹ لیا اور اس کے عوض میں بہتر اونٹ واپس کیا۔ فرمایا، اچھے لوگ وہ ہیں جو قرض خوش معاملگی کے ساتھ ادا کرتے ہیں [۶۳]

---

[۶۱] دارقطنی، ج ۲، کتاب البیوع۔

[۶۲] احمد بن حنبل: مسند، ج ۶، ص ۲۶۸۔

[۶۳] جامع ترمذی، باب الاستقراض۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ایک اونٹ چار دینار پر اس شرط پر لیا کہ مدینہ منورہ تک ان کا سواری کا حق ہے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے قیمت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا انہیں قیمت سے زیادہ دینا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے چار دینار اور ایک قیراط دیا [۶۴]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس کوئی مال بچا کر (جمع کرانے کی نیت سے) نہیں رکھا کرتے تھے مگر قرض کی ادائیگی کے لئے رکھ لیا کرتے تھے۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

"میں تین دن سے زیادہ اپنے پاس ایک دینار رکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ بجز اس دینار کے جسے قرض ادا کرنے کے انتظار میں اپنے پاس رکھ چھوڑتا ہوں [۶۵]

ادائیگی قرض کے احساس کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالمِ آب و گل سے انتقال فرما رہے تھے تو آپ نے عام مجمع میں اعلان کیا۔ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض ہو تو وہ وصول کر لے۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو دلوا دیئے گئے [۶۶]

۹: عاریت کی حفاظت

عاریت یا ادھار بھی انسانی معاشیات کا ایک اہم موضوع چلا آرہا ہے۔ ہر شخص کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اپنی تمام ضروریات خود خرید یا بنا کر ہمہ وقت اپنے ساتھ رکھے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے انسان کو ضرورت کی چیز کسی دوسرے سے ادھار یا عاریۃً لینے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ عاریت ضمانت ہوتی ہے اور اس کا صحیح سلامت واپس کرنا ضروری ہوتا ہے

---

[۶۴] صحیح بخاری، کتاب الوکالۃ

[۶۵] حوالہ بالا، ج ۱: کتاب الاستقراض

[۶۶] ابن اسحٰق بروایت ابن ہشام، بحوالہ سیرۃ النبیؐ، از شبلی، ندوی، ج ۲، ص ۳۸۰

اگر عاریتہ کی حفاظت نہ کی جائے یا بروقت نہ لوٹایا جائے تو انسانی سہولت کا یہ راستہ بھی بند ہو کر بہت سی معاشی مشکلات کا سبب بن سکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں کئی بار اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعض اوقات کفار سے بھی اشیاء عاریتہً لیں مگر اس کی حفاظت اس طرح فرمائی اور ان کی واپسی اس اچھے طریقہ پر کی جو تمام انسانوں کے لئے اُسوۂ حسنہ کا درجہ رکھتا ہے۔ تین نمونے ملاحظہ ہوں:

ایک بار ایک شخص سے ایک پیالہ مستعار لیا۔ سوءِ اتفاق سے وہ گم ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تاوان ادا فرمایا۔[۲۷]

غزوۂ حنین میں صفوان بن اُمیہ سے کچھ زرہیں طلب کیں۔ وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، کہنے لگے: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کچھ غصب کا ارادہ ہے؟ ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ عاریتاً مانگتا ہوں، اگر ان میں سے کوئی تلف ہوئی تو تاوان دوں گا۔" صفوان نے تیس چالیس زرہیں عاریتہً دیں۔ واپسی پر کچھ کم نکلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا معاوضہ دینا چاہا۔ صفوان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کریم کے رسُول کریم! اب وہ بات نہیں رہ گئی (یعنی میں مسلمان ہو گیا ہوں) اب معاوضہ کس سے؟[۲۸]

حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے ان کا گھوڑا ۔۔ جسے مندوب (غالباً سست کے معانی) کہتے تھے۔ مستعار لیا، اس پر سوار ہوئے اور جب واپس کیا تو فرمایا: ہم نے اس میں کوئی (نقص والی شے) نہیں دیکھی بلکہ ہم نے تو اسے بہت تیز پایا۔[۲۹]

---

[۲۷] جامع ترمذی، ص ۱۷۲، تضمین العاریتہ

[۲۸] ابوداؤد، تضمین العاریتہ

[۲۹] متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح۔ باب الغصب والعاریتہ۔

آپ نے اس روایت سے اندازہ لگایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا جسے غالباً اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مگر آپ نے مستعار لیکر واپس کیا تو اس کی تعریف فرمائی یہ بھی حُسنِ واپسی کا ایک طریقہ ہے۔

۱۰: ھدایا قبول فرماتے اور عنایت فرماتے تھے

ھدایا کا تبادلہ Exchange of Gifts جہاں ایک طرف ھدیہ لینے اور دینے والوں کے دلوں میں اُلفت واپنائیت کا بیج بوتا ہے وہاں دوسری طرف یہ گردشِ دولت کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔ اگر اغنیاء اپنے ھدایا صرف اپنے درجہ Status کے لوگوں تک ہی محدود رکھنے کی بجائے ان کا رُخ فقراء ومحتاجوں کی طرف کریں تو ان کی معاشی کفالت کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ھدایا عنایت بھی فرماتے تھے، قبول بھی فرمالیا کرتے تھے اور اس میں مسلمان اور کافر کی کوئی تمیز نہ تھی۔ مسلمان سے ھدیہ لینا اور اسے دینا تو غالباً اس کی معاشی کفالت کا ذریعہ بناتے تھے۔ کفار میں سے بڑے بڑے شاہانِ مملکت کے ھدایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوتے جنہیں آپ اس لئے قبول فرماتے کہ ان کے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور احترام بڑھے جو ان کی ھدایت اور قبولیتِ اسلام کا ذریعہ بنے نیز ان کی دولت مسلمانوں تک پہنچ جائے۔ تاکہ وہ اس سے استفادہ کریں۔ (واللہ اعلم)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گھوڑا ھدیۃً پیش کیا اس کا نام ورد تھا[۴۰] دومۃ الجندل کے رئیس نے ایک خچر اور ایک ریشمی جُبّہ ھدیہ بھیجا[۴۱] متوفی

[۴۰] محمد بن سعد، طبقات، بیان فرس النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[۴۱] حوالہ بالا۔

شاہِ مصر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گھوڑا لزاز ، ایک گدھا عفیر نامی اور ایک مادہ دلدل ہدیہ میں پیش کیا۔ یہ مادہ دلدل خچر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہی[۲] فروہ بن عمرو الجزامی نے ایک گھوڑا ظرب اور ایک مادہ خچر ۔جس کا نام فضہ تھا ۔ هدیہ بھیجی[۳]

یمن کے مشہور بادشاہ ذی یزن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قیمتی حلہ بھیجا۔ جو اس نے تیئس[۲۳] اونٹوں کی قیمت دے کر خرید لیا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک حلہ جو بیس[۲۰] سے زیادہ اونٹ دے کر خریدا گیا تھا ہدیہ میں بھیجا[۴]

ایک دفعہ قبیلہ بنی فزارہ کے ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور هدیہ ایک اونٹنی پیش کی ۔آپ نے اس کے بدلہ میں چھ اونٹ دیئے مگر اس نے انہیں کم سمجھا اور سخت ناراض ہوا ۔آپ نے اس کے جواب میں ایک خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا۔لوگ مجھے ہدیہ دیتے ہیں ۔اگر اس کے عوض میں کچھ دیتا ہوں تو ناراض ہوتے ہیں۔آئندہ قریش، انصار یا دفا ثقیف اور اوس کے سوا کسی قبیلہ کا هدیہ قبول نہ کروں گا[۵]

ایک بار قیصر روم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پوستین بھیجی جس میں دیبا سنجاف لگی ہوئی تھی ۔آپ نے تھوڑی دیر زیبِ تن فرما کر حضرت جعفر طیار کو بھجوا دی۔ وہ پہن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔آپ نے فرمایا : میں نے تمہیں یہ اس لئے بھجوائی تھی کہ اپنے بھائی نجاشی شاہِ حبشہ کو بھجوا دو[۶]

---

[۲] محمد بن سعد : طبقات ، بیان فرس النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[۳] حوالہ بالا۔

[۴] ابو داؤد ، ج ۲ ، الھدایا۔

[۵] امام بخاری ، ادب المفرد ، ص ۱۸ ۔

[۶] ابو داؤد : ج ۲ ، باب الھدایا۔

اسی طرح جتنے وفود فتح مکہ مکرمہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تقریباً اُن سب کو جاتے وقت سفر خرچ اور تحائف عنایت فرمایا کرتے تھے[۷۷]

ھدیہ قبول فرمانے اور عطا فرمانے میں بھی کمزوروں اور غریبوں کی دلداری کا خاص خیال فرمایا کرتے تھے۔ اگر کوئی غریب ھدیہ پیش کرتا تو اس کی دلجوئی کے لئے قبول فرما لیتے مگر اس کی قیمت عنایت فرمایا کرتے تھے۔ جب ہجرتِ مدینہ کے بعد مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے جگہ کا مسئلہ درپیش ہوا تو انصار باوفا کے دو یتیم لڑکوں حضرت سہل اور حضرت سہیل رضی اللہ عنہما نے اپنی زمین ہدیۂ مسجد کے لئے پیش کی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ ھدیہ بقیمت قبول فرمایا[۷۸]۔

ہدیہ کے قبول کرنے میں مروّت اور دلداری دونوں کا خیال فرماتے۔ ہجرت مدینہ منورہ کے سفر کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک اونٹنی ھدیۃً پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق مخلص رضی اللہ عنہ کی قدردانی کے لئے یہ ہدیہ بقیمت قبول فرما لیا[۷۹]

۱۱: پس اندازی

پس اندازی Saving برائے ذخیرہ Hoarding اور اکتنازِ دولت Concentration of Wealth کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں کہیں گنجائش نہیں۔ کیونکہ اس نیت اور اس طریقہ سے پس اندازی نظام سرمایہ داری کا وہ حربہ ہے جس کے ذریعے دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ جاتی ہے

۷۷ے ابن سعد، طبقات، باب الوفود۔

۷۸ے بخاری: تعمیر مسجد نبوی۔ باب الہجرۃ

۷۹ے بخاری، باب الھجرۃ۔

گردشِ دولت رُک جاتی ہے اور یوں محتاجوں اور کمزوروں تک امراء کی دولت میں ان کا جو مقررہ حصّہ ہے وہ نہیں پہنچتا جس کے نتیجہ میں ان کی ضروریاتِ زندگی پوری نہیں ہوتیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اُسوۂ حسنہ کے ذریعے مال کو اس کی محبت میں جمع کر کے رکھنا ممنوع ٹھہرایا ہے البتہ اپنی مستقبل کی بعض لازمی جائز ضروریات کی تکمیل (مثلاً قرض کی ادائیگی بچوں کی تعلیم و تربیت، بالغ اولاد کی شادی وغیرہ) کے لئے اپنی کمائی میں سے کچھ بچا کر رکھ لینے کی اجازت ہے۔

آپ نے اوپر پڑھ لیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے بچا کر رکھ لیتے تھے۔ اسی طرح جب خیبر فتح ہوا تو اراضی خیبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصّہ میں آئی وہ یہودِ خیبر کو بٹائی پر دے دی اور اس سے آنیوالی پیداوار میں تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنھن میں سے ہر ایک کے لئے ایک مقررہ حصّہ سال بھر کے لئے رکھ لیا کرتے تھے[ق] اگرچہ یہ تمام اندوختہ اناج بھی اسلامی ریاست کے فقراء و مساکین کے کام آتا اور کاشانۂ مصطفوی میں فاقہ ڈیرہ لگائے رکھتا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل سے دینی اور جائز دنیوی مقاصد کے لئے بچا کر رکھنے کا جواز ملتا ہے۔

۱۲: امانت کی حفاظت

امانت Trust معاشی رفاہیت Economic Welfare کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ جس شخص کے پاس امانت رکھی جارہی ہے اگر وہ امانتدار ہے تو کل لوگ اس کے کاروباری شرکاء یا اسے مضاربت پر اپنی رقوم دینے پر تیار ہوں گے۔ جو اس کی معاشی خوشحالی کا ذریعہ بنیں گے۔ دوسرے اگر امانتوں والے اُسے اس امانت کی حفاظت کا

[ق] بخاری، کتاب المزارعۃ

کچھ معاوضہ دیں یا امانت اس کے پاس باجازت استعمال رکھیں تو تب بھی امین Trustee کو اس امانت کے استعمال سے معاشی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلا معاوضہ لوگوں کی امانتوں کی حفاظت فرمایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت اور دیانت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے جانی دشمن بھی آپ کی امانت کے معترف تھے اور اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے۔ ہجرت کی رات سے مشکل کونسا وقت ہوگا؟ مگر اس وقت امین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش مکہ مکرمہ کی جو امانتیں تھیں اُن کی ادائیگی کے لئے آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پیاری جان خطرہ میں ڈال کر انہیں وہاں سُلا آئے تاکہ وہ صبح اُٹھ کر اہلِ مکہ مکرمہ کی امانتیں انھیں واپس کر کے پھر مدینہ منورہ چلے آئیں [۱۵۹]

یہ اسی امانت کی دیانت کی کرشمہ سازیاں تھیں کہ قریش کے وڈیروں کو وہ شان و شوکت اور عظمت نہ مل سکی جو اللہ کریم کے فضل و کرم سے آپ کو ملی۔ مثلاً تعمیر کعبہ کے وقت حجرِ اسود کے نصب کرنے کے وقت بپا ہونے والے تنازعہ کے لئے آپ کو جج تسلیم کر لیا گیا اور قریش کے جغادری ہونٹوں پر حریصانہ اور حاسدانہ زبان پھیرتے رہ گئے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا الیسی باوفا اور مالدار خاتونِ مکہ آپ کے عقد میں آنا اپنی سعادت تصور کرتی تھیں جبکہ مکہ مکرمہ کے امیر ترین اس کی چاہت ہی لے کر رہ گئے۔

۱۴۔ اُمت کی خوشحالی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت اور اپنی اُمت کے مساکین اور پریشان حال لوگوں کی معاشی خوشحالی★ کا کس قدر احساس تھا اس کا اندازہ آپ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زُہد اور

---

[۱۵۹] بخاری: بیان ہجرت مدینہ منورہ۔

★ معاشی خوشحالی کا مفہوم اسلامی معاشیات میں وہ نہیں جو موجودہ سرمایہ دارانہ معاشیات نے دیا ہے

قناعت پسندی کے ضمن میں درج واقعات سے لگالیا گیا ہوگا کہ صفہ کے فقراء اور بدر کے یتٰمیٰ کی کفالت کے مقابلہ میں اپنی لختِ جگر حضرت فاطمۃ زہرا رضی اللہ عنھا اور اپنے پیارے داماد مخلص معاون اور چچا زاد بھائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کنیز اور غلام کے حصول کی درخواست رد ہوجاتی ہے۔ مگر یہاں آپ کے لئے چند اور واقعات بھی ہم نے تلاش کئے ہیں جن کے مطالعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان درد مندانہ احساسات کا اندازہ کرسکیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کی معاشی خوشحالی کے لئے رکھا کرتے تھے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۳ باوفا افراد۔ اللہ کریم اُن سے راضی ہوگیا۔ کا نہتہ قافلہ لیکر قریش مکہ مکرمہ کے آہن پوش اور متکبر لشکر کے مقابلہ کے لئے چلے تو راستہ میں ان ۳۱۳ باوفا افراد کی خستہ حالی اور مفلسی دیکھ کر آپ کا دل بھر آیا اور روکر جو دُعا کی وہ پڑھیں اور آپ کے اُمت کے لئے ہمدردانہ جذبات کا اندازہ لگائیں۔

اللّٰھم إنھم حفاۃ فاحملھم وعراۃ فاکسھم وجیاع فاشبعھم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

یعنی دولت خوب کمائی جائے، اگر ممکن ہو تو تمام دولت اور ذرائع دولت پر قبضہ کرلیا جائے۔ اپنا نفع زیادہ سے زیادہ کمانے کے لئے غریبوں اور مزدوروں کا استعمال کیا جائے اللہ کریم اور قیامت کے دن کی پیشی کی پرواہ ہو نہ ہو، بس دولت زیادہ سے زیادہ ہو۔ زندگی کی تمام آرائشیں حاصل ہوں۔ سامان سے لذات اور ضروریات سے تعیشات اور تکلفات کا حصول ممکن ہو خواہ سودی کاروبار سے یا کسی غریب کا خون نچوڑ کر۔ اسلامی معاشیات میں معاشی ترقی دل اور رُوح کی ترقی اور خوشحالی ہے خواہ اللہ کریم دولت دے کر نصیب فرمائے یا بغیر دولت دیئے عنایت فرمادے البتہ بظاہر کم از کم خوشحالی کا درجہ یہ ہے کہ بنیادی ضروریاتِ زندگی پوری ہوں۔ معاشرہ میں طبقاتی اونچ نیچ نہ ہو دولت معاشرہ میں گردش کرتی رہے اور تمام افراد کو وسائلِ دولت سے استفادہ کا پورا پورا حق ہو۔

وعالۃ - ای فقراء - فاغنھم من فضلک [۸۲]

ترجمہ: اے اللہ کریم! یہ پیدل چل رہے ہیں انہیں سوار کر دے، یہ برہنہ تن ہیں انہیں کپڑے پہنا دے۔ یہ بھوکے ہیں انہیں کھانا کھلا کر سیر کر دے۔ اور اے کریم! یہ محتاج ہیں اپنے فضل سے انہیں تونگر بنا دے۔" (آمین)

ابو وجزۃ السعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ۹ھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو بنی فزارہ کے اُنیس (۱۹) آدمیوں کا ایک وفد دُبلے پتلے اونٹوں پر سوار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُن سے ان کے وطن کا حال دریافت فرمایا۔ تو اُن میں سے ایک صاحب نے عرض کیا: اے اللہ کریم کے رسول کریم! ہمارے وطن میں قحط سالی ہے۔ مویشی ہلاک ہو گئے، اطراف خشک ہو گئے اور ہمارے عیال بھوکوں مر گئے۔ آپ اللہ کریم سے ہماری خوشحالی کی دُعا کیجئے۔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوراً منبر پر تشریف لے گئے اور مشغول آہ و زاری ہو گئے۔

اے اللہ کریم اپنے شہروں اور جانوروں کو سیراب کر دے۔ اپنی رحمت پھیلا دے اور مُردہ شہروں کو زندہ کر دے۔ اے اللہ کریم! ہمیں ایسی بارش سے سیراب کر دے جو مدد کرنے والی مُبارک، سر سبز اور مفید ہو[۸۳]

ایک بار وفد مرہ کے تیرہ افراد اپنے رئیس حارث بن عوف رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور اپنے قحط و ہلاکت کی خبر دلدوز انداز میں سُنائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی حالت زار پر ترس آیا اور ان کی خوشحالی کے لئے بارش کی دُعا کی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انہیں دس دس اوقیہ چاندی دو تاکہ اپنی

---

[۸۲] ابن سعد، طبقات، ج ۲، غزوۂ بدر۔

[۸۳] حوالہ بالا، بیان وفد فزارہ۔

پریشان حال میں اس سے سہارا پکڑیں۔) یہ لوگ اپنے وطن واپس آئے تو لوگوں نے اطلاع دی کہ جس دن کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دُعا کی تھی اُسی دن اَبرِ کرم کُھل کر برسا جس سے انسانوں اور مویشیوں کی تنگی دُور ہو گئی۔ اور فصلیں سیراب ہو گئیں[۸۴]

وفد عقیل بن کعب نے آکر اپنی معاشی بدحالی کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی معاشی بحالی کا ہنگامی بنیادوں پر انتظام کرنے کے لئے انہیں عقیق بن عقیل کی وادی عطا فرمائی۔ اس وادی میں زمین زرخیز تھی جس میں پانی کے چشمے اور کھجور کے باغ تھے۔[۸۵]

آپ نے اپنی اُمت کے محتاجوں کو باقاعدہ صلوٰۃ حاجت اور اس کے بعد دُعا سکھائی کہ جب ان کی کوئی حاجت یا ضرورت رُک جائے۔ یا وہ معاشی پریشانی کا شکار ہوں تو عرش کے کریم سلطان سے دو رکعات صلوٰۃ نفل ادا کرکے اور یہ دُعا پڑھ کر اپنی معاشی تنگی دُور کرانے کی درخواست کریں:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لَنَا ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا دَيْنًا اِلَّا قَضَيْتَهٗ وَلَا حَاجَةً مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔[۸۶]

ترجمہ: اُس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں جو بُردبار بھی ہے کرم کرنیوالا بھی ہے وہ اللہ پاک ہے جو عرشِ عظیم کا مالک ہے سب تعریفیں اُسی ذات کے لئے ہیں۔ وہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے

---

۸۴ ابن سعد، طبقات، بیان وفد مرہ۔

۸۵ حوالہ بالا، بیان وفد عقیل بن کعب۔

۸۶ ترمذی و ابن ماجہ، کتاب الدعوات۔

اے اللہ کریم! میں تجھ سے تیری رحمت کو واجب کرنیوالی چیزوں کا اور تیرے ان ارادوں کا سوال کرتا ہوں جو تیری بخشش کو لاتے ہیں اور ہر بھلائی میں اپنا حصّہ اور ہر گناہ سے سلامتی چاہتا ہوں۔ اے کریم تو میرا کوئی گناہ بخشے بغیر اور کوئی رنج دُور کئے بغیر اور کوئی حاجت جو تجھے پسند ہو پوری کئے بغیر نہ چھوڑ۔ اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے" (میرے حال پر ترس فرما کہ میری پریشانی دور کر دے)

ایک اور دُعا اُمّت کی تعلیم کے لئے فرمایا کرتے تھے۔ اس دُعا کا مقصد بھی استغناء ہے اور دنیوی زندگی میں تو استغناء دنیاداروں اور سرمایہ داروں کی محتاجی سے نکل کر سلطان کریم کی محتاجی میں آنے کا نام ہے۔ دُعا پڑھیئے:

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِىْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِىْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ[۸۷]

ترجمہ: اے اللہ کریم! اپنے حلال کو میرے لئے اتنا زیادہ وسیع فرما کہ تیرے حرام سے بچ جاؤں اور اپنے فضل و کرم کے ذریعے مجھے اپنے غیر سے بے نیاز کر دے۔"

آمین یارب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمّد وّ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ○

◉

---

[۸۷] جامع ترمذی: کتاب الدعوات

ضمیمہ اوّل

زکوٰۃ کے چند اہم مسائل

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی پہلو کا جو خاکہ ناکارہ مُصنّف کے ذہن میں ہے اُس کی رُو سے زکوٰۃ اور اس کے جملہ مسائل کا ذکر اس کتاب کی جلد ۲ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی تعلیمات" میں آنا تھا مگر اس پہلی جلد کے باب "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مالیاتی نظام" میں زکوٰۃ کا ذکر بحیثیت بیت المال کا ذریعہ آمدن آیا۔ اور یہاں حدیث نبویہ کی روشنی میں اس کے بہت سے پہلو زیر بحث آگئے۔ تو یہ بہتر سمجھا گیا کہ زکوٰۃ کے بقیہ اہم مسائل کا بھی اسی جلد میں بطور ضمیمہ شامل کر لئے جائیں تاکہ موضوع کی تشنگی کا احساس کم از کم رہ جائے!

یہاں زکوٰۃ کے چند اہم مسائل کا ذکر مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت کرتے ہیں:

۱: زکوٰۃ کی ادائیگی اور نیّت

زکوٰۃ ایک عبادت (مالی) ہے۔ اور تمام دیگر عبادات (مثلاً صلوٰۃ، روزہ اور حج وغیرہم) کی طرح اس کی ادائیگی کے لئے بھی نیّت ضروری ہے۔ لہٰذا اگر بالغ اپنے مال سے زکوٰۃ نکالے گا تو خود نیّت کرے گا۔ اگر وہ زکاۃ ادا کرنے میں سُستی کرے تو اسلامی حکومت کا سربراہ اس کے مال سے بالجبر زکوٰۃ وصول کرے گا۔ لہٰذا یہاں سربراہ کی نیّت صاحبِ مال کی نیّت کے قائم مقام ہوگی۔ ضرورت نیّت کا وجوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ سے ہوتا ہے:

إنّما الاعمال بالنّيات و إنّما لكل أمرئ مانوى له

ترجمہ: بلاشبہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور بلاشبہ ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کے لئے اس نے نیت کی۔"

۲: زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روشنی میں وجوب زکوٰۃ کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کا بیک وقت پایا جانا ضروری ہے:

۱: اسلام۔ ۲: بلوغ اور عقل۔

۳: آزادی۔ ۴: نصاب قرض سے خالی ہو۔ ۵: حولان حول۔

۲: ۱ اسلام

زکوٰۃ کی اولین شرط یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف مسلمان پر فرض ہے اور کسی دوسرے مذہب کے پیروکار (مثلاً عیسائی۔ یہودی۔ ہندو وغیرہ) پر نہیں۔ دراصل زکوٰۃ صرف مالی فریضہ ہی نہیں دین اسلام کا ایک رُکن بھی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

بنی الاسلام علی خمس: شہادۃ أن لا الٰہ الا اللہ وأن محمداً رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصوم رمضان وحج البیت من استطاع الیہ سبیلا۔[۲]

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے، گواہی اس حقیقت کی دینا کہ اللہ کریم کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول کریم ہیں اور نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کا ادا کرنا اور رمضان کے روزے

---

[۱] بخاری و مسلم و ابوداؤد: عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

[۲] متفق علیہ: کتاب الزکوٰۃ

رکھنا اور حج بیت اللہ یا حج اُس شخص کے لیے ہے جو وہاں تک پہنچنے کی استعداد رکھتا ہو۔"

زکوٰۃ کے مطالبہ کا تعلق بھی اسلام قبول کرنے کے بعد ہے۔ اس پر تمام ائمہ کرام اور علمائے اسلام کا اتفاق ہے۔ اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

تؤخذ من اغنیائهم فترد علی فقرائهم [۳]

ترجمہ: زکوٰۃ ان (مسلمانوں) کے مال سے لی جائیگی اور انہی کے فقراء میں تقسیم کی جائے گی۔"

یہ حدیث مبارکہ اس امر پر واضح دلالت کرتی ہے کہ زکوٰۃ صرف مسلمانوں ہی پر فرض ہے۔

۲:۲ بلوغ اور عقل

زکوٰۃ کی دوسری شرط یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مطالبہ بالغ اور عاقل [۴] سے ہوگا۔ چونکہ زکوٰۃ عبادت ہے اور فرض عبادت کا مطالبہ نابالغ اور مجنون سے نہیں بالغ اور عقلمند سے ہے۔ اس کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث پر ہے:

۱: رفع القلم عن ثلاثة: عن الصبی حتی یبلغ وعن النائم حتی یستیقظ وعن المجنون حتی یفیق [۵]

---

[۳] بخاری: کتاب الزکوٰۃ۔

[۴] یہی رائے فقہاء احناف کی ہے حضرۃ امام حسن بصریؒ نے اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع نقل کیا ہے البتہ احناف کی رائے میں نابالغ اور دیوانہ کی زمینی پیداوار سے عشر لیا جائے گا کیونکہ عشر زمین کی مؤنت ہے جیسے خراج زمین کی مؤنت ہے اور عشر کا عبادت ہونا مؤنت زمین کے تابع ہے (مرغینانیؒ، الھدایہ، ج ۱، کتاب الزکوٰۃ) البتہ فقہاء احناف کے نزدیک صرف ایسا مجنون زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ ہے جس کا جنون سال بھر رہے۔ اگر درمیان میں افاقہ ہوا اور نفع و نقصان کی تمیز کرنے لگا تو زکوٰۃ ادا کرے گا۔ (الھدایہ، کتاب الزکوٰۃ)

[۵] ابوداؤد السنن، کتاب الحدود۔

ترجمہ: تین افراد سے قلم اٹھا لیا گیا ہے (ان سے کسی قسم کا مواخذہ نہیں) بچہ یہاں تک کہ بالغ ہو جائے سویا ہوا شخص یہاں تک کہ بیدار ہو جائے۔ دیوانہ یہاں تک کہ وہ باشعور ہو جائے۔"

۲: لیس فی مال الیتیم صدقۃ [۶]

ترجمہ: یتیم کے مال میں کسی قسم کی زکوٰۃ نہیں۔"

ترمذی نے ایک روایت ایسی بھی نقل کی ہے جس سے نابالغ اور دیوانہ کے مال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

من ولی یتیما فلیتجر لہ ولا یترکہ حتی تاکلہا صدقۃ [۷]

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد محترم کے حوالہ سے اپنے دادا محترم (رضی اللہ عنہم اجمعین) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی یتیم کا ولی بنے وہ اس (کے مال سے اس) کے لئے تجارت کرتا رہے اور اس یتیم کے مال کو یونہی بیکار نہ پڑا رہنے دے کہ زکوٰۃ (کی ادائیگی) اسے ختم کر دے۔"

اس کے علاوہ بھی چند احادیث اس کی تائید میں آئی ہیں۔ مگر ان سب کی مدار مذکورہ حدیث پر ہے۔ مگر امام ترمذیؒ جنہوں نے یہ حدیث نقل کی ہے وہ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں [۸]

---

[۶] ابوعبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال، قاہرہ، ۱۳۵۳ھ، ص ۴۵۲۔

[۷] جامع ترمذی، کتاب الزکوٰۃ۔ اس حدیث سے امام شافعیؒ اور باقی ائمہ نے نابالغ اور دیوانہ کے مال سے وجوب زکوٰۃ کا استدلال کیا ہے۔

[۸] امام احمدؒ کا بھی یہی خیال ہے۔ شمس الائمہ سرخسیؒ کہتے ہیں اگر اس حدیث کو درست مان لیں تو یہاں صدقہ کا لفظ یتیم کے نفقات (اخراجات) کے لئے آیا ہے، زکوٰۃ کے لئے نہیں۔ (دیکھیں میری کتاب "اسلام کا قانون محاصل" ص ۶۴، لاہور طبع اوّل)

۳:۲ آزادی

وجوب زکوٰۃ کی تیسری شرط آزادی ہے۔ یعنی جس صاحب مال سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا جارہا ہے وہ آزاد ہو کیونکہ غلام تو اپنے آپ کا مالک بھی نہیں ہوتا۔ غلام اور غلام کا مال (اگر ہے تو) اس کے آقا کی ملکیت ہوتے ہیں لہٰذا اس کی زکوٰۃ بھی آقا ہی کو ادا کرنا چاہیئے۔

۴:۲ نصاب قرض وغیرہ سے خالی ہو

زکوٰۃ کے واجب ہونے کی چوتھی شرط یہ ہے کہ اس میں کسی فرد یا اسلامی ریاست کا کوئی مالی مطالبہ نہ ہو کیونکہ قرض، سرکاری واجبات اور جرمانے وغیرہ مال سے نکال کر اس کا نصاب بنایا جاتا ہے۔ اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے :

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

ھٰذا شھر زکاتکم فمن کان علیہ دین فلیؤد دینہ حتی تخلص اموالہ فیؤدی منھا الزکوٰۃ [۹]

ترجمہ : حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارا زکوٰۃ (کی ادائیگی) کا مہینہ ہے جس کسی کے ذمہ قرض ہو وہ پہلے اپنا قرض ادا کرے تاکہ اپنے اموال کو قرضوں سے خالی کر لے اور پھر ان اموال کی زکوٰۃ ادا کرے"۔

سرکاری مطالبہ بھی قرضہ ہی کی مانند ہوتا ہے۔

۵:۲ حولان حول

زکوٰۃ کے وجوب کی پانچویں شرط یہ ہے کہ قابل زکوٰۃ مال پر پورا سال گذر جائے فقہاء کرام

---

[۹] امام مالکؒ موطا، باب الزکاۃ۔

نے اس شرط کو دوسرے انداز میں یوں بیان کیا ہے کہ صاحبِ مال سال کے دونوں سروں پر صاحب نصاب ہو۔ سال کا آغاز اس دن سے ہوگا جس دن اُسے نصاب کے برابر مال ملے گا۔ مثلاً زید کو ۷ شوال ۱۴۰۷ھ کو ۷½ تولے سونا یا ۵۲½ تولے چاندی یا اتنا ہی مال نقد روپیہ ملے جس سے سونا یا چاندی نصاب کے برابر خریدا جا سکے تو ضروری ہے سال کے خاتمہ پر یعنی ۷ شوال ۱۴۰۸ھ کو بھی زید کے پاس نصاب کے برابر سونا، چاندی یا نقد روپیہ ہو۔ یہی حال دوسرے مویشیوں کی زکوٰۃ کا ہے۔ اس شرط کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

لا زکوٰۃ فی مال حتی یحول علیہ الحول[۱]

ترجمہ: "کسی مال پر کوئی زکوٰۃ واجب نہیں جب تک اس پر پورا ایک سال نہ گذرے"۔

۲: زکوٰۃ ادا نہ کرنیکی سزا

زکوٰۃ ایک مالی عبادت اور اجتماعی فریضہ کے ساتھ ساتھ دینِ اسلام کے ارکان خمسہ میں سے دوسرا رکن رکین ہے۔ اس کی ادائیگی نہ کرنے والا دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں سخت سے سخت سزا کا حقدار ہے۔ علماءِ اسلام نے زکوٰۃ نہ ادا کرنیوالے کی سزا کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۲: ۱۔ زکوٰۃ ادا نہ کرنیکی دنیوی سزا

زکوٰۃ ادا نہ کرنیوالے فرد یا قوم کو کیا سزا ملے گی؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات قابلِ توجہ ہیں:

۱: ولم یمنعوا زکوٰۃ أموالهم الا منعوا القطر من السماء ولو لا البهائم

---

[۱] ابن ماجہ: کتاب الزکوٰۃ

لم یمطروا[۱۱]

ترجمہ: کوئی قوم اپنے اموال کی زکوٰۃ بند نہیں کرتی مگر ان کے لئے آسمان سے (رحمتوں بھری) بارش بند کر دی جاتی ہے اور اگر چوپائے نہ ہوتے تو کبھی بارش نہ برستی۔"

۲: ما منع قوم الزکوٰۃ الا ابتلاھم اللہ بالسنین[۱۲]

ترجمہ: کوئی قوم زکوٰۃ دینا بند نہیں کرتی مگر اللہ کریم اُسے قحط میں مبتلا کر دیتا ہے۔"

۳: ما خالطت الصدقۃ ـــ او قال الزکوٰۃ ـــ مالا الا أفسدتہ[۱۳]

ترجمہ: صدقہ یا زکوٰۃ کسی مال میں نہیں ملایا جاتا مگر وہ اسے خراب کر دیتی ہے۔"

یعنی جس مال کی زکوٰۃ نہ نکالی جائے گویا وہ اس مال میں ملی رہے گی اور وہ اسے خراب کر کے چھوڑے گی۔

۴: ما تلف مال فی بر ولا بحر الا بحبس الزکوٰۃ[۱۴]

ترجمہ: کوئی مال خشکی یا سمندر میں تلف نہیں ہوتا مگر اس کی وجہ (اس کی) زکوٰۃ کی ادائیگی روکے رکھنا ہوتی ہے۔"

۳:ب۔ زکوٰۃ ادا نہ کرنیکی اُخروی سزا

اس سلسلہ کی ایک حدیث پہلے جانوروں (سوائم) کی زکوٰۃ کے ذیل میں آچکی ہے۔ ایک دوسری حدیث قابل توجہ ہے:

---

[۱۱] ابن ماجہ: السنن، کتاب الزکوٰۃ۔

[۱۲] حافظ نورالدین علی بن ابو بکر الھیثمی: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، قاہرہ، ۱۳۵۲ھ، ج ۳، ص ۹۶۔

[۱۳] محمد بن علی الشوکانی: نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۲۶، طبع العثمانیہ۔

[۱۴] الھیثمی: مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۶۳۔

عن ابی هریرة رضی الله عنہ قال: قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم: من اٰتاه الله مالاً فلم یؤد زکاته، مثل له یوم القیامة شجاعًا اقرع، له زبیبتان، یطوقه یوم القیامة، ثم یأخذ بلهزمیته ـــــ یعنی بشدقیه ـــــ ثم یقول: انا مالك انا کنزك ... [15]

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جسے اللہ کریم نے مال عطا فرمایا مگر اس نے زکوٰۃ نہ نکالی، اس کا مال قیامت کے لئے اس کے لئے گنجے سانپ کی شکل دیدیا جائیگا جس کی دو چھوٹی چھوٹی آنکھیں ہوں گی۔ جو قیامت کے دن اُسے لپٹ جائیگا۔ پھر اس کے جبڑوں کو پکڑ کر کہے گا میں تو تیرا مال ہی ہوں، میں تو تیرا خزانہ ہی ہوں ...۔"

۴: ج: زکوٰۃ نہ ادا کرنیکی شرعی (قانونی) سزا

اگر کوئی صاحب نصاب عاقل بالغ اور آزاد مسلمان زکوٰۃ دینے سے انکار کرے تو اسلامی ریاست کا سربراہ اس سے زبردستی زکوٰۃ وصول کرے گا اور مستحقین میں تقسیم کرے گا۔ اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من أعطاها مؤتجرا فله اجر: ومن منعها فانا أخذ ها وشطر ماله، عزمة من عزمات ربنا لا یحل لآل محمد منها شیئ [16]

ترجمہ: جس کسی نے ثواب کی نیت سے زکوٰۃ ادا کی اسے ثواب ملے گا اور جس کسی نے زکوٰۃ کی ادائیگی کو روکا اس سے میں زبردستی لوں گا۔ اور یوں اس کا آدھا مال (بطور سزا) لیا جائے گا۔ زکوٰۃ اللہ کریم کے حقوق میں سے حق ہے۔ البتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لئے اس میں

---

[15] صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ۔

[16] الشوکانی، نیل الاوطار، طبع عثمانیہ، ج ۴، ص ۱۳۲۔

کچھ حلال نہیں۔"

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حکم بعد میں منسوخ ہو گیا[۱۷] مگر اس کی کوئی دلیل نہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جرأت مندانہ عمل سے اس حدیث مبارکہ کے قابل عمل ہونے کی تائید ہوتی ہے جنہوں نے ایک سچے مردِ مومن کی طرح اعلان کر دیا تھا:

واللہ لأقتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال واللہ لو منعونی عقالاً کانوا یؤدونھا لرسول اللہ لقاتلتھم علی منعھا[۱۸]

ترجمہ: اللہ کریم کی قسم! میں اُس شخص سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔ یقیناً زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کریم کی قسم! اگر مجھے وہ ایک اونٹ کی رسّی بھی دینے سے روکیں گے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں ضرور ان کے روکنے پر قتال کروں گا۔"

---

۱۷ الشیرازی: المھذب (المجموع، ج ۵، ص ۳۳۲)

۱۸ بحوالہ الشوکانی: نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۱۹۔

ضمیمہ دوم

اسماء البدریین رضی اللہ عنھم اجمعین

ہم نے باب کی فصل سوم "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی اخراجات" میں "غزوۂ بدر کے اخراجات" کے حاشیہ میں آپ سے وعدہ کیا تھا کہ شرکاء بدر رضی اللہ عنھم کے اسماءِ گرامی ـــــ جن کے پاکیزہ ذکر سے دُعائیں قبول ہوتی ہیں ـــــ کی برکت کے حصول کے لئے ان کا ذکر ضمیمہ دوم کے طور پر کتاب کے آخر میں کریں گے۔ شاید ہمارے محترم قارئین یہ اعتراض کریں کہ ان اسماءِ مبارکہ کے تذکرہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی یا عام معاشیات سے کیا تعلق ہے؟

ہم قارئین سے درخواست کریں گے کہ چونکہ ان پاکیزہ شخصیات کے ذکر سے دُعائیں قبول ہوتی ہیں لہٰذا آپ اپنی معاشی پریشانیوں کے حل کے لئے ان مبارک اسماء کا واسطہ دیکر عرش کے کریم سلطان سے دُعا کریں۔ مگر ان مبارک اسماء کے ذکر کا ایک خالصۃً فائدہ احقر مصنف کا ہے۔ ان مبارک شخصیات ـــــ مجاھد اور شہید شخصیات رضی اللہ عنھم ـــــ سے اس ناکارہ کو ایک والہانہ محبت ہے جسے اپنے ایمان کا حصہ سمجھتا ہوں اور ان سے عقیدت اپنی بخشش کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

احب الصالحین و لست منھم ؎

لعل اللہ یرزقنی صلاحاً

ایسی پاکیزہ محبت کے باب میں جب کوئی معترض اعتراض کرے یا طعن و تشنیع بھی کرے تو ایک گونہ راحت محسوس ہوتی ہے۔

طوبنا لتعریف بذکرکم

فنحن بواد والعذول بواد

ان جذبات میں میرے شریک امت مسلمہ کے اور بھی لاکھوں انسان ہوں گے لہٰذا اپنی اور ان کی خاطر ان اسماءِ مبارکہ کی فہرست کا نقل ہونا بہت بڑی نافع بات ہے تیسرے یہ ایک علمی و دینی خدمت بھی ہے۔

اسماء البدریین رضی اللہ عنہم کی فہرست کی تیاری میری تحقیق یا کوشش کا نتیجہ نہیں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی جانفشانی کر کے یہ فہرست مرتب کی ہے میں نے انہی کی فہرست کو معمولی تبدیلی کے ساتھ نقل کیا ہے۔

اسماء البدریین رضی اللہ عنہم کی فہرست کو دو بڑے حصوں میں ہم نے تقسیم کیا ہے۔

ا : مہاجرین اصحاب بدر رضی اللہ عنہم۔

ب : انصار اصحاب بدر رضی اللہ عنہم۔

ا : مہاجرین اصحاب بدر رضی اللہ عنہم

امام البدریین واشرف الخلائق اجمعین وخاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک طرف سے سید المہاجرین تھے جبکہ دوسری طرف امام البدریین تھے۔ آپ کی ذاتِ اقدس کے بعد مہاجرین میں سے ایک روایت کے مطابق جن ۸۳ اور دوسری روایت کے مطابق ۸۶ مبارک افراد نے اس غزوہ میں شرکت فرمائی ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱: ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

۲: ابوحفص عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ

۳: ابوعبداللہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

۴: ابوالحسن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۵: حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

۶: زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

۷: انسہ حبشی مولیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہ

۸: ابوکبشہ فارسی مولیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

۹: ابو مرثد کناز بن حصن رضی اللہ عنہ (حصین)

۱۰: مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ یعنی کناز بن حصن کے بیٹے۔

۱۱: عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں بھائی

۱۲: طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ

۱۳: حصین بن حارث رضی اللہ عنہ

۱۴: مسطح عوف بن اثاثہ رضی اللہ عنہ

۱۵: ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ

۱۶: سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ

۱۷: صبیح مولیٰ ابی العاص امیہ رضی اللہ عنہ

۱۸: عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

۱۹: عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ

۲۰: شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی؛

۲: عقبہ بن وہب رضی اللہ عنہ

۲۱: یزید بن رقیش رضی اللہ عنہ

۲۲: ابوسنان بن محصن رضی اللہ عنہ یعنی عکاشہ بن محصن کے بھائی۔

۲۴: سنان بن ابی سنان رضی اللہ عنہ یعنی ابوسنان بن محصن کے بیٹے اور عکاشہ کے بھتیجے۔

۲۵: محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ

۲۶: ربیعہ بن اکثم رضی اللہ عنہ

۲۷: ثقف بن عمرو رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں بھائی۔

۲۸: مالک بن عمرو رضی اللہ عنہ

۲۹: مدلج بن عمرو رضی اللہ عنہ

۳۰: سوید بن مخشی رضی اللہ عنہ

۳۱: عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ

۳۲: خباب مولی عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ [1]

۳۳: زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

۳۴: حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ

۳۵: سعد کلبی مولیٰ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ

۳۶: مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

۳۷: سویبط بن سعد رضی اللہ عنہ

---

[1] یہ خباب عتبہ بن غزوان کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ جو سابقین الاولین میں سے ہیں ان کے علاوہ ہیں فقط نام میں اشتراک ہے۔

۳۸: عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ
۳۹: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
اوران کے بھائی:
۴۰: عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
۴۱: مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ
۴۲: عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ عنہ
۴۳: مسعود بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
۴۴: ذوالشمالین بن عبد عمرو رضی اللہ عنہ
۴۵: خباب بن الارت رضی اللہ عنہ
۴۶: بلال بن رباح مولیٰ ابی بکر رضی اللہ عنہ
۴۷: عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ
۴۸: صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ
۴۹: طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ
۵۰: ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ
۵۱: شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ
۵۲: ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ
۵۳: عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ
۵۴: معتب بن عوف رضی اللہ عنہ
۵۵: زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ یعنی
حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے بھائی
۵۶: مہجع مولیٰ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

۵۷: عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ
اوران کے بھائی:
۵۸: عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ
۵۹: واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
۶۰: خولی بن ابی خولی رضی اللہ عنہ
۶۱: مالک بن ابی خولی رضی اللہ عنہ
۶۲: عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
۶۳: عامر بن بکیر رضی اللہ عنہ
۶۴: عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ
۶۵: خالد بن بکیر رضی اللہ عنہ
۶۶: ایاس بن بکیر رضی اللہ عنہ
۶۷: سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ
۶۸: عثمان بن مظعون جمحی رضی اللہ عنہ
اوران کے بیٹے
۶۹: سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ
۷۰: قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ
۷۱: عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ
۷۲: معمر بن حارث رضی اللہ عنہ
۷۳: خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ
۷۴: ابوسبرۃ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ
۷۵: عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ

۷۶ : عبداللہ بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ
ان کے بھائی۔
۷۷ : عمرو بن عوف مولیٰ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ
۷۸ : سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ
۷۹ : ابو عبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ
۸۰ : عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ
۸۱ : سہیل[1] بن وہب رضی اللہ عنہ اور
۸۲ : صفوان بن وہب رضی اللہ عنہ
۸۳ : عمرو بن ابی سرح رضی اللہ عنہ
۸۴ : وہب[2] بن سعد رضی اللہ عنہ
۸۵ : حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ
۸۶ : عیاض بن ابی زھیر رضی اللہ عنہ

ب : انصار اصحابِ بدر رضی اللہ عنہم

انصار باوفا رضی اللہ عنہم میں سے جن سعادتمند حضرات نے غزوۂ بدر میں شرکت فرمائی ان کے اسماءِ مبارکہ کی فہرست درج ذیل ہے :

۱ : سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
۲ : عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ یعنی سعد بن معاذ کے بھائی۔
۳ : حارث بن اوس بن معاذ رضی اللہ عنہ یعنی سعد بن معاذ کے بھتیجے
۴ : حارث بن انس رضی اللہ عنہ
۵ : سعد بن زید رضی اللہ عنہ
۶ : سلمۃ بن سلامۃ بن وقش رضی اللہ عنہ
۷ : عباده بن بشر بن وقش رضی اللہ عنہ
۸ : سلمۃ بن ثابت بن وقش رضی اللہ عنہ
۹ : رافع بن یزید رضی اللہ عنہ
۱۰ : حارث بن خزمہ رضی اللہ عنہ
۱۱ : محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ
۱۲ : سلمۃ بن اسلم رضی اللہ عنہ

---

[1] سہیل اور صفوان ان کے باپ کا نام وہب ہے اور ان کا نام بیضاء ہے پسرانِ بیضا کے نام سے مشہور ہیں۔
[2] ابن ہشام فرماتے ہیں یہ تین ابن اسحاق نے تو نہیں ذکر کئے لیکن اور بہت سے اہلِ علم نے ان تینوں کو بھی اصحابِ بدریین میں شمار کیا ہے۔ سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۹ تا ۴۲۔

۱۳: ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ
۱۴: عبید بن التیہان رضی اللہ عنہ
۱۵: عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ
۱۶: قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ
۱۷: عبید بن اوس رضی اللہ عنہ
۱۸: نصر بن الحارث رضی اللہ عنہ
۱۹: معتب بن عبید رضی اللہ عنہ
۲۰: عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ
۲۱: مسعود بن سعد رضی اللہ عنہ
۲۲: ابوعبس بن جُبیر رضی اللہ عنہ
۲۳: ابوبردہ ہانی بن نیار رضی اللہ عنہ
۲۴: عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ
۲۵: معتب بن قشیر رضی اللہ عنہ
۲۶: عمرو بن معبد رضی اللہ عنہ
۲۷: سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ
۲۸: مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ
۲۹: رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ
۳۰: سعد بن عبید بن النعمان رضی اللہ عنہ
۳۱: عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ
۳۲: رافع بن عنجدہ[۱] رضی اللہ عنہ
۳۳: عبید بن ابی عبید رضی اللہ عنہ
۳۴: ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ
۳۵: ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ
۳۶: حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ
۳۷: حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ
۳۸: عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ
۳۹: انیس بن قتادہ رضی اللہ عنہ
۴۰: معن بن عدی رضی اللہ عنہ
۴۱: ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ
۴۲: عبداللہ بن سلمہ رضی اللہ عنہ
۴۳: زید بن اسلم رضی اللہ عنہ
۴۴: ربعی بن رافع رضی اللہ عنہ
۴۵: عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ
۴۶: عاصم بن قیس رضی اللہ عنہ
۴۷: ابوضیاح بن ثابت رضی اللہ عنہ
۴۸: ابوحنہ بن ثابت رضی اللہ عنہ
(دونوں بھائی تھے)
۴۹: سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ
۵۰: حارث بن النعمان رضی اللہ عنہ

---

[۱] عنجدہ ماں کا نام ہے باپ کا نام عبدالحارث تھا۔ ۱۲

۵۰: خوات بن جبیر بن النعمان رضی اللہ عنہ
۵۱: مسنذر محمد رضی اللہ عنہ
۵۲: ابوعقیل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
۵۳: سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ
۵۵: منذر بن قدامہ رضی اللہ عنہ
۵۶: مالک بن قدامہ رضی اللہ عنہ
۵۷: حارث بن ارفجہ رضی اللہ عنہ
۵۸: تمیم مولیٰ سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ
۵۹: جعفر بن عیتک رضی اللہ عنہ
۶۰: مالک بن نمیلہ رضی اللہ عنہ
۶۱: نعمان بن عصر رضی اللہ عنہ
۶۲: خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ
۶۳: سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ
۶۴: عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
۶۵: خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ
۶۶: بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ
۶۷: سماک بن سعد رضی اللہ عنہ
۶۸: سبیع بن قیس رضی اللہ عنہ ⎤ دونوں بھائی ہیں
۶۹: عباد بن قیس رضی اللہ عنہ ⎦
۷۰: عبداللہ بن عبس رضی اللہ عنہ
۷۱: یزید بن حارث رضی اللہ عنہ

۷۲: خبیب بن اساف رضی اللہ عنہ
۷۳: عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ
۷۴: حریث بن زید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
۷۵: سفیان بن بشر رضی اللہ عنہ
۷۶: تمیم بن یعار رضی اللہ عنہ
۷۷: عبداللہ بن عمیر رضی اللہ عنہ
۷۸: زید بن المزین رضی اللہ عنہ
۷۹: عبداللہ بن عرفطہ رضی اللہ عنہ
۸۰: عبداللہ بن ربیع رضی اللہ عنہ
۸۱: عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی رضی اللہ عنہ
یعنی رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول
کے بیٹے۔
۸۲: اوس بن خولی رضی اللہ عنہ
۸۳: زید بن ودیعہ رضی اللہ عنہ
۸۴: عقبہ بن وہب رضی اللہ عنہ
۸۵: رفاعہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
۸۶: عامر بن سلمہ رضی اللہ عنہ
۸۷: معبد بن عباد رضی اللہ عنہ
۸۸: عامر بن البکیر رضی اللہ عنہ
۸۹: نوفل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
۹۰: عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ

۹۱ : اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ
۹۲ : نعمان بن مالک رضی اللہ عنہ
۹۳ : ثابت بن ہزال رضی اللہ عنہ
۹۴ : مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ
۹۵ : ربیع بن ایاس رضی اللہ عنہ
۹۶ : ورقہ بن ایاس رضی اللہ عنہ
۹۷ : عمرو بن ایاس رضی اللہ عنہ
ربیع اور ورقہ کے بھائی ہیں یا حلیف علی اختلاف الاقوال۔
۹۸ : مجذر بن زیاد رضی اللہ عنہ
۹۹ : عبادہ بن خشخاش رضی اللہ عنہ
۱۰۰ : نحاب بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
۱۰۱ : عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
۱۰۲ : عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
۱۰۳ : ابودجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ
۱۰۴ : منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۰۵ : ابواسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
۱۰۶ : مالک بن مسعود رضی اللہ عنہ
۱۰۷ : عبدربہ بن حق رضی اللہ عنہ
۱۰۸ : کعب بن جماز رضی اللہ عنہ
۱۰۹ : ضمرۃ بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۱۰ : زیاد بن عمر رضی اللہ عنہ
۱۱۱ : بسبس بن عمر رضی اللہ عنہ
۱۱۲ : عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ
۱۱۳ : قراش بن صمہ رضی اللہ عنہ
۱۱۴ : حباب بن منذر رضی اللہ عنہ
۱۱۵ : عمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ
۱۱۶ : تمیم مولیٰ خراش رضی اللہ عنہ
۱۱۷ : عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ
۱۱۸ : معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ
۱۱۹ : مسعود بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ
۱۲۰ : خلاد بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ
۱۲۱ : عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
۱۲۲ : حبیب بن اسود رضی اللہ عنہ
۱۲۳ : ثابت بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
۱۲۴ : عمیر بن الحارث رضی اللہ عنہ
۱۲۵ : بشر بن البراء رضی اللہ عنہ
۱۲۶ : طفیل بن مالک رضی اللہ عنہ
۱۲۷ : طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ
۱۲۸ : سنان بن صیفی رضی اللہ عنہ
۱۲۹ : عبداللہ بن جد بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۳۰ : عتبہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

۱۳۱: یسار بن صخر رضی اللہ عنہ
۱۳۲: خارجہ بن حمیر رضی اللہ عنہ
۱۳۳: عبداللہ بن حمیر رضی اللہ عنہ
۱۳۴: یزید بن المنذر رضی اللہ عنہ
۱۳۵: معقل بن المنذر رضی اللہ عنہ
۱۳۶: عبداللہ بن النعمان رضی اللہ عنہ
۱۳۷: ضحاک بن حارثہ رضی اللہ عنہ
۱۳۸: سواد بن زریق رضی اللہ عنہ
۱۳۹: معبد بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۴۰: عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ
(دونوں بھائی ہیں)
۱۴۱: عبداللہ بن مناف رضی اللہ عنہ
۱۴۲: جابر بن عبداللہ بن رئاب رضی اللہ عنہ
۱۴۳: خلید بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۴۴: نعمان بن سنان رضی اللہ عنہ
۱۴۵: ابوالمنذر یزید بن عامر رضی اللہ عنہ
۱۴۶: سلیم بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۴۷: قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
۱۴۸: عنترہ مولیٰ سُلیم بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۴۹: عبس بن عامر رضی اللہ عنہ
۱۵۰: ثعلبہ بن غنمہ رضی اللہ عنہ
۱۵۱: ابوالیسر کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ

۱۵۲: سہل بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۵۳: عمرو بن طلق رضی اللہ عنہ
۱۵۴: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
۱۵۵: قیس بن محصن رضی اللہ عنہ
۱۵۶: حارث بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۵۷: جُبیر بن ایاس رضی اللہ عنہ
۱۵۸: سعد بن عثمان رضی اللہ عنہ
۱۵۹: عقبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ
(دونوں بھائی ہیں)
۱۶۰: ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ
۱۶۱: مسعود بن خلدہ رضی اللہ عنہ
۱۶۲: عباد بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۶۳: اسعد بن یزید رضی اللہ عنہ
۱۶۴: فاکہ بن بشر رضی اللہ عنہ
۱۶۵: معاذ بن ماعص رضی اللہ عنہ
۱۶۶: عائذ بن ماعص رضی اللہ عنہ
(دونوں بھائی ہیں)
۱۶۷: مسعود بن سعد رضی اللہ عنہ
۱۶۸: رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ
۱۶۹: خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ
(دونوں بھائی ہیں)
۱۷۰: عبید بن زید رضی اللہ عنہ
۱۷۱: زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ
۱۷۲: فروہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

۱۷۳ : خالد بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۷۴ : جبلۃ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
۱۷۵ : عطیہ بن نویرہ رضی اللہ عنہ
۱۷۶ : خلیفۃ بن عدی رضی اللہ عنہ
۱۷۷ : عمارۃ حزم رضی اللہ عنہ
۱۷۸ : سراقۃ بن کعب رضی اللہ عنہ
۱۷۹ : حارثہ بن النعمان رضی اللہ عنہ
۱۸۰ : سلیم بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۸۱ : سہیل بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۸۲ : عدی بن زغباء رضی اللہ عنہ
۱۸۳ : مسعود بن اوس رضی اللہ عنہ
۱۸۴ : ابوخزیمۃ بن اوس رضی اللہ عنہ
۱۸۵ : رافع بن حارث رضی اللہ عنہ
۱۸۶ : عوف بن حارث رضی اللہ عنہ
۱۸۷ : معوذ بن حارث رضی اللہ عنہ
۱۸۸ : معاذ بن حارث رضی اللہ عنہ
(تینوں عفراء کے بیٹے)
۱۸۹ : نعمان بن عمر رضی اللہ عنہ
۱۹۰ : عامر بن مخلد رضی اللہ عنہ ([illegible])
۱۹۱ : عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ
۱۹۲ : عصیمہ اشجعی رضی اللہ عنہ
۱۹۳ : ودیعۃ بن عمرو رضی اللہ عنہ

۱۹۴ : ابوالحمراء مولیٰ حارث بن عفراء رضی اللہ عنہ
۱۹۵ : ثعلبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۹۶ : سہیل بن عتیک رضی اللہ عنہ
۱۹۷ : حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ
۱۹۸ : ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
۱۹۹ : انس بن معاذ رضی اللہ عنہ
۲۰۰ : اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ
۲۰۱ : ابوشیخ ابی بن ثابت رضی اللہ عنہ ([illegible])
۲۰۲ : ابوطلحہ زید بن سہل رضی اللہ عنہ
۲۰۳ : حارثۃ بن سراقہ رضی اللہ عنہ
۲۰۴ : عمرو بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
۲۰۵ : سلیط بن قیس رضی اللہ عنہ
۲۰۶ : ابوسلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ
۲۰۷ : ثابت بن خنسار رضی اللہ عنہ
۲۰۸ : عامر بن اُمیہ رضی اللہ عنہ
۲۰۹ : محرز بن عامر رضی اللہ عنہ
۲۱۰ : سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ
۲۱۱ : ابوزید قیس بن سکن رضی اللہ عنہ
۲۱۲ : ابوالاعور بن حارث رضی اللہ عنہ
۲۱۳ : سلیم بن ملحان رضی اللہ عنہ
۲۱۴ : حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ

۲۱۵: قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ
۲۱۶: عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ
۲۱۷: عصیمہ اسدی رضی اللہ عنہ
۲۱۸: ابوداؤد عمیر بن عامر رضی اللہ عنہ
۲۱۹: سراقہ بن عمر رضی اللہ عنہ
۲۲۰: قیس بن مخلد رضی اللہ عنہ
۲۲۱: نعمان بن عبد عمرو رضی اللہ عنہ
۲۲۲: ضحاک بن عبد عمرو رضی اللہ عنہ
۲۲۳: سلیم بن حارث رضی اللہ عنہ
۲۲۴: جابر بن خالد رضی اللہ عنہ
۲۲۵: سعد بن سہیل رضی اللہ عنہ
۲۲۶: کعب بن زید رضی اللہ عنہ
۲۲۷: بجیر بن ابی بجیر رضی اللہ عنہ
۲۲۸: عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ
۲۲۹: ملیل بن وبرہ رضی اللہ عنہ
۲۳۰: عصمۃ بن الحصین رضی اللہ عنہ
۲۳۱: بلال بن المعلیٰ رضی اللہ عنہ

☆

مصادر و مراجع

"نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی" کی تالیف کے وقت جو کتب میرے زیر مطالعہ رہیں یا جن سے میں نے مواد لیا، ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ یہاں چند اہم مصادر و مراجع کی مختصر فہرست مختلف علوم کی ترتیب کے اعتبار سے درج کی جا رہی ہے۔ صرف غیر معروف کتب کے مطابع و مکاتب درج کیے گئے ہیں۔

(۱) تفسیر قرآن و متعلقات تفسیر

۱. ابو جعفر محمد بن جریر طبری: جامع البیان فی تفسیر القرآن
۲. ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی: الجامع لاحکام القرآن
۳. ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی: تفسیر القرآن العظیم
۴. ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری: الکشاف عن حقائق التنزیل
٦. الحاج محمد ابراہیم بنارسی: جواہر القرآن، محلہ کھچی باغ، بنارس، ہندوستان
۷. سیوطی، جلال الدین: الدر المنثور

(۲) حدیث و متعلقات حدیث

۲. امام ابن ماجه ، ابوعبداللہ محمد بن یزید:سنن
۳. امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی:السنن
۴. البیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی:السنن الکبری
۵. بخاری ، ابو عبد اللہ محمد بن اسمعیل:جامع صحیح، الادب المفرد
۶. برہان پوری، علی المتقی بن حسام الدین: کنزالاعمال فی سنن الاقوال والاعمال
۷. ترمذی ، ابوعیسی محمد بن عیسی:سنن ترمذی. شمائل ترمذی
۸. حاکم:مستدرک
۹. الدارقطنی علی بن عمر بن احمد بن مہدی البغدادی:المعجم الکبیر
۱۰. الدارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبدالرحمن ، سمرقندی:السنن
۱۱. الزیلعی، حافظ جمال الدین ابومحمد عبداللہ ابن یوسف الحنفی:نصب الرایۃ لاحادیث الھدیۃ
۱۲. الشوکانی ، محمد بن علی:نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار
۱۳. طحاوی ، ابوجعفر احمد بن محمد:شرح معانی الاثار
۱۴. عسقلانی، احمد بن علی بن حجر: فتح الباری شرح صحیح بخاری
۱۵. العینی ، بدرالدین:عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری
۱۶. امام مالک، ابوعبداللہ انس بن مالک:الموطا
۱۷. امام مسلم، ابوالحسین ، مسلم بن حجاج القشیری:صحیح
۱۸. امام نسائی،ابوعبدالرحمن بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر:السنن
۱۹. نووی، ابوزکریا محی الدین یحی بن شرف:ریاض الصالحین
۲۰. الہیثمی، حافظ نور الدین علی بن ابوبکر:مجمع الزوائد ومنبع الفوائد. قاہرہ،۱۳۵۲ھ

(۳) فقہ ومتعلقات فقہ

۱. ابن حزم ، محمد علی بن حزم، اندلسی، ظاہری:المحلی
۲. ابوبکر محمد بن ابو سہل السرخسی، شمس الائمہ :المبسوط
۳. شیرازی، ابواسحاق ابراھیم بن علی:المہذب
۴. الشیبانی، محمد بن حسن:السیر الکبیر
۵. مرغینانی،برہان الدین علی بن ابوبکر:الہدایۃ

(۴) معاشیات وسیاسیات

۱. ابوعبیدقاسم بن سلام:کتاب الاموال
۲. ابویوسف یعقوب بن ابراھیم:کتاب الخراج

ندوۃ المصنفین، دھلی ۱۹۵۹ء
۴. غفاری، ڈاکٹر نورمحمد: اسلام کا قانون محاصل، دیال سنگھ لائبریری، لاہور
۵. محمد بن حبیب: کتاب المحبر، حیدر آباد دکن، ھند
۶. محمد حمید اللہ، ڈاکٹر: عہد نبوی میں نظام حکمرانی، جامعۃ ملیۃ، دھلی، ھند
۷. ڈاکٹر محمد حمیداللہ: الوثائق السیاسیۃ
۸. مقریزی، تاج الدین احمد بن علی: المخطط والاثار، مطبع نیل، قاھرہ، ۱۳۲۴ھ
۹. : النقود الاسلامیۃ مسمیٰ بہ شذور العقود فی ذکرالنقود، نجف، عراق ۱۹۶۷ء
۱۰. نقشبندی، نصیر السید محمود: الدینار الاسلامی فی المتحف العراقی، بغداد، ۱۹۵۳ء
۱۱. یوسف الدین، ڈاکٹر: اسلام کے معاشی نظریے، حیدر آباد، دکن، ھند ۱۳۲۹ھ/۱۹۵۵ء
۱۲. N.P.Aghnides: Muhammadan Theories of Finance.Lahore

(۵) تاریخ وسیرۃ

۱. ابن ابی صبعۃ: عیون الانباء فی طبقات الاطباء
۲. ابن اثیر، ابوالحسن علی بن ابوالکرم: کتاب الکامل فی التارخ، قاھرۃ، ۱۳۴۹ھ
۳. ابن حجر عسقلانی: اصابہ فی تعریف الصحابۃ
۴. ابن خلدون، عبدالرحمان بن محمد: مقدمہ، المختارۃ الاسلامیہ وعلامتھا
۵. ابن سعد، محمد: الطبقات الکبریٰ، بیروت، ۱۹۳۲ء
۶. ابن سیدالناس: عیون الاثر
۷. .... : نورالنبراس فی شرح ابن سیدالناس
۸. ابن عبدالبر: الاستیعاب. دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدر آباد، ھند، ۱۳۱۸ھ
۹. ابن عساکر، ابوالقاسم علی بن حسن: التاریخ الکبیر، روضۃ الشام، ۱۳۲۹ھ
۱۰. ابن قیتبہ، ابوعبداللہ محمد بن مسلم: کتاب المعارف، عنوان صناعات الاشراف

۱۰۔ ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن کثیر: البدایۃ والنہایۃ، مکتبۃ المعارف، بیروت ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء

۱۲۔ ابو علی القالی: الامالی، مصر

۱۳۔ ابومحمد، عبدالملک بن ہشام: سیرۃ النبی، بولاق، مصر، ۱۲۹۵ھ

۱۴۔ احمد امین بک: فجرالاسلام، جامعہ ازہر، ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء

۱۵۔ ازرقی، محمد بن عبداللہ بن احمد بن محمد، ابوالولید احمد: اخبار مکہ: کتاب اخبار مکہ و ماجاء فیہا من الاثار

۱۶۔ بلاذری، ابوالحسن: فتوح البلدان، قاہرۃ، ۱۹۳۲ء

۱۷۔ حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر: تاریخ اسلام، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۶۴

۱۸۔ الذہبی، شمس الدین ابوعبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان: کتاب دول الاسلام فی التاریخ، حیدرآباد، دکن، پہلا ایڈیشن

۱۹۔ زرقانی: شرح مواہب اللدنیہ

۲۰۔ سہیلی، عبدالرحمن: روض الانف

۲۱۔ سیوطی، جلال الدین: الخصائص الکبریٰ

۲۲۔ شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی: سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۲۳۔ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر: تاریخ الملوک والامم، لیدن، ۱۸۹۳ء

۲۴۔ الطنطاوی، سید محمد، ڈاکٹر: بنوا اسرائیل فی القرآن والسنۃ

۲۵۔ محمد سلیمان منصور پوری، قاضی: رحمۃ للعالمین، ج: ۱، ۲

۲۶۔ محمد طاہر پٹنی، علامہ: مجمع البحار، مطبوعہ حیدر آباد

۲۷۔ یاقوت حموی: معجم البلدان، مطبوعہ مصر

۲۸۔ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب: تاریخ، نجف، عراق، ۱۳۵۸ھ

۲۹۔ R.V.C.Bodley: The Meesenger-The Life of Muhammad, London, 1946

۶۔ جغرافیہ

۱۔ الہمدانی: صفۃ جزیرۃ العرب، مطبوعہ لیدن

۷۔ دیگر کتب

۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: عنوان مکہ

۲۔ ابن قیم جوزیہ: زاد المعاد

۳۔ سید محبوب رضوی، مولانا: مکتوبات نبوی، مطبوعہ لاہور

۴۔ کرد علی: الاسلام والحضارۃ العربیۃ

۵۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر: خطبات بہاول پور، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور